PAGES MISSING WITHIN THE BOOK ONLY

THE BOOK WAS DRENCHED

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224122

UNIVERSAL
LIBRARY

Mohammed Ayoobuddin
Secundrabad (Deccan)

یادگار جوبلی چہل سالہ اعلیحضرت رئیس المسلمین حضور نظام بندگانعالی تعالی خلدہ العالی

صحیفہ

نمبر ۱	آذر ۱۳۱۹ سنہ فصلی	جلد ۵

انجمن معارف حیدرآباد دکن کا ماہوار رسالہ

جو

علمی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی، ادبی

مذاق و معلومات کو پھیلانے اور ابنائے ملک کو ہر قسم کی تربیت دینے کیلئے شائع ہوتا ہے

مدیر

محمد اکبر علی

فہرست مضامین

۱	پانچواں برس اڈیٹر	۱	۶ تصویر شاعری (نظم) باغ حیدرآبادی ۱۴
۲	یاد طغیانی ملا عبد الباسط (مولوی فاضل)	۷	۷ چراغ گور غریباں لمعہ حیدرآبادی ۲۰
۳	غزل کیفی حیدرآبادی	۱۱	۸ پہاڑی بھول بھلیاں اڈیٹر ۲۱
۴	خلیفہ ہارون الرشید اور ایک		۹ غفلت - عندلیب حیدرآبادی ۲۵
	رومی - مولوی سید جلال	۱۲	۱۰ اپنی باتیں اڈیٹر ۲۷
۵	چاہیئے (نظم) ذہین حیدرآبادی	۱۷	۱۱ قلمدان آصفی کی دولت حافظ مظہر الدین ۲۸

صحیفہ پریس (واقع بیرون دروازہ چادرگھاٹ) حیدرآباد میں چھپا اور شائع ہوا

کامیاب ہوا مشتاق نگاہین پہلے سے زیادہ اسکی منتظر رہنے لگیں - بیتاب دل اول سے بڑھکر اسکی دلکشی پر شیدا ہونے لگے - خریداروں کا شمار کم و بیش پانسو تک پہنچ گیا مضمون نگاروں کی فہرست مین نئے نام داخل ہوئے - مضامین عموماً پسند کئے گئے - اور رسالہ خاص رفتار سے چلتا رہا -

رفتار ترقی | اس سال کے اطمینان کا اثر ہے کہ صحیفہ پریس کی ڈگمگاتی کشتی سنبھل کر چلنے لگی - اور لکھائی چھپائی پہلے کی نسبت عمدہ ہونے لگی - صحیفہ پریس کے قیام نے صرف صحیفہ کی ہی چھپائی مین سہولت نہین پیدا کی - بلکہ ایک حد تک اُن علم دوستون کو بھی بازاری مطابع کی خلاف وعدگیوں اور بدمعاملگیوں سے بچایا - جنھیں شوق تصنیف اکثر مبتلاے مصیبت کردیا کرتا تہا -

حجم مین اضافہ ہوا | چونکہ ملک کی اصلاح بیشتر ذمہ داران تعلیم کی اصلاح و روشن خیالی پر منحصر ہے - اس لئے صحیفہ نے اپنا فرض عین سمجھا کہ ارباب تعلیم کی ضیافت طبع کے لئے خاص ایسے مضامین و مطالب صحیفہ میں بڑہاے جائیں جن سے اساتذہ و طلبہ کو معتدبہ فائدہ پہونچے - اس اہم ضرورت پر نظر کرتے سال حال سے صحیفہ کے آخر میں آٹھ صفحے کا مستقل ضمیمہ بڑہا دیا گیا - اس ضمیمہ میں دفتر نظامت تعلیمات و مہتممین امتحانات کے وہ تمام احکام و گشتیات درج ہوں گے جو ہر مہینہ ماتحت مدارس نافذ ہوا کرتے ہیں - اس کے بعد جسقدر گنجایش ہوگی وہ تعلیمی مضامین سے معمور کیجائیگی

پس عام ناظرین کو حسب سابق ۵۲ صفحے کا رسالہ ملیگا لیکن ارباب تعلیم کو ۶۰ صفحے کا ۱۴ر
بانیہ ارباب تعلیم سے صرف دو روپیہ مع محصول ڈاک لئے جائینگے - اس بیش بہا ۱۸ر
رعایت کے بعد امید ہے کہ ذمہ داران تعلیم صحیفہ کو دلچسپی کی نگاہوں سے ۱۸ر
دیکھینگے - اور قدردانی کے ہاتوں اس کا خیر مقدم ادا کرینگے - ۱۴ر

دلچسپی اور مقبولیت | اس سال ہندوستان کے مختلف اخبارات و جرائد میں صحیفہ پر ۱۸ر
جو جو ریویو ہوے ہیں اون سب کا درج کرنا موجب طوالت ہے لہذا اُن مضامین کی ۲ر
فہرست پر اکتفا کی جاتی ہے جن کو مختلف اخبارات و رسائل نے صحیفہ سے نقل کیا ۳ر
۱۴ر

(۱) ایک مولوی فاضل کی سرگزشت (نظم)	مولوی ابو محمد یحییٰ صاحب حیدرآبادی (مولوی فاضل منشی فاضل)	انتخاب الجواب (لاہور)
(۲) ترانۂ کیفی (نظم)	کیفی حیدرآبادی	انتخاب لاجواب (لاہور)
(۳) موتی	ترجمان	صبح بہار (میسور)
(۴) محنت (نظم)	ذہین حیدرآبادی	اخبار عام (لاہور)
(۵) تاریخ طغیانی رود موسی	ملا محمد عبدالباسط صاحب (مولوی فاضل)	جریدۂ روزگار (مدراس)
(۶) اردو شاعری اور اخلاقی مضامین (تھوڑا سا انتخاب)	لمعہ حیدرآبادی	اخبار عام (لاہور)
) شیریں کلامی	ذہین حیدرآبادی	آزاد (لاہور)
) بہاگ نگر	محمد رشید الدین صاحب وکیل	بیدر گزٹ (بیدر)
) معن ابن زایدہ کے کارنامے	ترجمان	〃 〃
۱) تفاخر عرب اور دربار کسریٰ	اڈیٹر	الحامی (مدراس)
) رباعیات لمعہ	لمعہ حیدرآبادی	〃 〃
۱) تخیل شعری	〃	مخبر عالم (مرآباد)
۱۲) دیا سلائی	محمد عبدالسلام صاحب (منشی عالم)	الحامی (مدراس)
۱۴) کرسمس ڈی اور یوم المیلاد	مولوی حافظ محمد مظہر صاحب	مخبر عالم (مرادآباد)
۱۵) زنگی اور آئینہ (نظم)	لمعہ حیدرآبادی	فتنہ (گورکھپور)
۱) نالۂ عندلیب 〃	عندلیب حیدرآبادی	مخبر عالم (مرآباد)
۱۸) برسات 〃	〃	اخبار عام (لاہور)
(۱۸) امرآباد	جناب سید موید الدین صاحب	الحامی (مدراس)
(۱۹) کاغذ	جناب سید خوندمیر صاحب	گرزن گزٹ (دہلی)
(۲۰) غزلیات	بازغ حیدرآبادی	انتخاب الجواب (لاہور) مخبر عالم (مرادآباد) فتنہ (گورکھپور)

جدید مضمون نگار بعض صاحبوں کا بہت پرانا اعتراض ہے کہ صحیفہ کے مضمون نگار بہت کم ہیں - اور بار بار انہی صاحبوں کے مضمون شائع ہوتے رہتے ہیں - جو پہلے سے اس میدان میں اتر چکے ہیں - اگرچہ یہ اعتراض چنداں وزن نہیں رکھتا کیونکہ ہمارا عمل -

متاع نیک ہر دکاں کہ باشد

پر ہے - پھر بھی اس کو دفع کرنے کے لئے سال حال کے جدید مضمون نگاروں کے نام کافی ہو سکتے ہیں -

(۱) جناب مولوی میر اکرم علیصاحب قوی
(۲) جناب مولوی حاجی خواجہ عبد اللہ صاحب سررشتہ دار منصفی پربھنی -
(۳) جناب مولوی محمد فیاض علیصاحب اجلال
(۴) جناب مولوی محمد رشید الدین صاحب وکیل
(۵) جناب مولوی سید ظفر حسن صاحب عبرت
(۶) جناب مولوی عبد الرب صاحب کوکب
(۷) جناب مولوی محمد عبد السلام صاحب
(۸) جناب مولوی سید شاہ محمد حبیب اللہ صاحب صبغۃ اللہی
(۹) جناب مولوی محمد وحید الدین صاحب عالی حکیم و مہتمم شفاخانۂ یونانی -
(۱۰) جناب مولوی ابو الوفا محمد عبد الوہاب صاحب عندلیب وکیل و ناظر ثہ خانگی
(۱۱) جناب مولوی محمد مصطفےٰ صاحب
(۱۲) جناب مولوی سید موید الدین صاحب
(۱۳) جناب مولوی سید خوندمیر صاحب

صحیفہ ان حضرات کی بے سلہ قلمی اعانت کا ممنون ہے اور امید کرتا ہے یہ اصحاب صحیفہ کو ہمیشہ چشم الطاف سے ملاحظہ فرماتے اور دست عنایت سے اوسکی اعانت کرتے رہینگے -

مربیوں کا شکریہ مذکورۂ بالا بزرگوں کے ساتھ ساتھ وہ معاونین صحیفہ بھی بے انتہا

شکرگزاری کے مستحق ہیں جنھوں نے اس سال صحیفہ کے رجسٹر خریداری کو طویل الذیل کرنے میں دلچسپی سے حصہ لیا (نوٹ :- نام کے مقابل خریداروں کی تعداد درج ہے)

(۱) جناب منشی محمد عبدالسلام صاحب	۱۴
(۲) جناب محمد عبدالمجید خانصاحب اہلکار فینانس	۸
(۳) جناب مولوی سید امیر حسین صاحب (میسوری)	۷
(۴) جناب محمد حسین خاں صاحب مدرس مڈل سکول یادگیر	۷
(۵) جناب محمد رشید الدین صاحب وکیل	۶
(۶) جناب سید حسین صاحب وکیل منشی لاکلاس	۵
(۷) جناب مولوی محمد نصیر الدین صاحب سررشتہ دار تعلیمات گلبرگہ	۵
(۸) جناب مولوی ابونصر محمد احمد اللہ صاحب مہاجر میر منشی تعلیمات میدک	۵
(۹) جناب سید حمید الدین صاحب	۵
(۱۰) جناب خواجہ محمد فیاض الدین صاحب انسپکٹر آبکاری میدک	۴
(۱۱) جناب مولوی میر امداد علیصاحب (مولوی فاضل)	۴
(۱۲) جناب سید رضی الدین صاحب کیفی حیدرآبادی	۴
(۱۳) جناب مولوی مرزا عبدالرحمن بیگ صاحب (منشی فاضل مولوی عالم)	۴

اس ضمن میں یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ آج سے دو سال پہلے مولوی محمد واجد علیصاحب سرور نلگنڈہ نے غریب طالب علموں کے نام اپنے خرچ سے صحیفہ جاری کرانے کی جو مثال قایم کی تھی - اور جسکو اس سال بھی انھوں نے جاری رکھا اُسکی اور نظیریں بھی قایم ہوئیں -

مولوی محمد مرتضی صاحب (مولوی فاضل) نے سنٹرل ریلیف کمیٹی کی منتظمی پر فایز ہونے کی تقریب میں دس طالب علموں کے نام اور منشی محمد عبدالسلام صاحب نے کامیابی امتحان منشی عالم کی خوشی میں چار کتب خانوں کے نام اپنے خرچ سے صحیفہ جاری کرایا -

ہم امید کرتے ہیں کہ صحیفہ کے قدر دان معاونین اپنی مختلف خوشیوں کے موقعوں پر اس قسم کی نفع بخش یادگار رقام کرکے اپنے آپ کو ہمدرد وعلمدوست ثابت کرنے کے علاوہ صحیفہ کی اعانت میں بھی حصہ لینگے۔

صحیفہ پر سب سے زیادہ کس کا احسان ہے

ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس امر خاص کے اظہار کی طرف تین سال کے بعد متوجہ ہوے۔ جو لوگ صحیفہ کی تاریخ سے واقف ہیں انھیں معلوم ہے کہ صحیفہ نے عالیجناب ملا محمد عبد القیوم صاحب مرحوم کی سرپرستی میں دوبارہ جنم لیا تھا ملا صاحب مرحوم نے جہاں اسکی دوبارہ زندگی میں صرف مسیحائی کی وہیں اپنے دامن میں اسکو تھوڑی سی جاے پناہ بھی عنایت کی۔ ورنہ اس کے کاروبار کی انجام دہی کیلئے ایک مستقل مکان کرایہ سے لینا پڑتا اور ایک معتدبہ رقم اس کے کرایہ میں کھپ جاتی جسکو فراہم کرنے کی صحیفہ میں طاقت نہیں تھی۔

۸ ربہ ملا صاحب مرحوم کا یہ احسان کئی گنا زیادہ ہوجاتا ہے جبکہ اس کے ساتھ اُن ہمدردیوں اور مہربانیوں کو شامل کرلیا جاے جو اُن کے لایق ہونہار صاحبزادوں اور پسماندوں کی جانب سے صحیفہ پر ابتک مبذول ہوتی رہیں۔ انھوں نے نہ صرف صحیفہ کیلئے ایک قطعہ مکان مخصوص کردیا بلکہ صحیفہ پریس اور اوس کے ملازمین کی مانیڈ بوڈ کیواسطے بھی ایک جداگانہ قطعہ مرحمت فرمایا۔ جو اسوقت تک کاروبار میں گھتا ہوا ہے اور انشاء اللہ آیندہ بھی جب تک خدا نے چاہا آباد ومعمور رہیگا۔

صحیفہ اور صحیفہ پریس ہمیشہ اِن احسانات کے زیر بار۔ اور یہ احسانات دایماً ابداً یادگار رہینگے۔

اس سال کا آغاز بجاے کسی ناول کے ایسی دلچسپ، مفید، ضروری، مگر اسکے ساتھ ہی مختصر کتاب سے کیا جاتا ہے جو اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے پہلی کتاب ہے اور جسکا ہر ایسے علمدوست کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہے۔ جسکو سلطنت آصفیہ سے کچھ بھی دلچسپی یا کچھ بھی تعلق ہے۔ اس کتاب کا نام ہے "قلمرو آصفیہ کی دولت" اور اسکے مصنف ہمارے ہونہار روشنخیال اور ذی علم دوست مولوی محمد مظہر صاحب ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین صحیفہ بڑی دلچسپی اور قبولیت کیساتھ اس کتاب کا خیر مقدم کرینگے فقط

اڈیٹر

یادِ طغیانی

گزشتہ سال ہی موسم اور یہی زمانہ تھا کہ محشر آفریں رودِ موسی نے حیدرآباد میں مصائب و تباہی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اُسوقت سب سے پہلے صحیفہ نے اُس کا ماتم کیا تھا۔ تو اب مناسب بلکہ ضروری ہے کہ برسی کے فاتحہ سے بھی سبکدوش ہوجائے لہذا یہ مختصر سا مرثیہ جو بہت محنت سے لکھا گیا ہے اور جس میں زیادہ تر نفس الامری واقعات بیان کئے گئے ہیں مسامع ناظرین تک پہونچایا جاتا ہے اور امید کیجاتی ہے کہ ناظرین اسکو پڑھ کے ضرور متاثر ہوں گے اور گزشتگان رودِ موسی کے حق میں دعاے مغفرت کرینگے۔ اڈیٹر

سماے تیرہ دکھاتا ہے عالم ظلمات
سیاہی پھیلی ہے ایسی کہ دن بنا ہے رات

وہ بجلیوں کی چمک اور رعد کی وہ کڑک
وہ کالی کالی گھٹائیں وہ زور کی برسات

وہ جھوم جھوم کے آتے ہیں ابر دل بادل
کہ فیل مست کو بھی جنکی چال کردی مات

زمین فرطِ تعجب سے غرقِ حیرت ہے
جو چہ چہ نظر آئی آب کی بہتات

ہر ایک چیز فضا میں نظر سے اوجھل ہے
گھٹا نے پانی کی کھینچی ہے شش جہت میں قنات

زمیں نے چادرِ آب رواں سے منہ ڈھانکا
فلک نے اوڑھی ہے ابر سیاہ کی بانات

بیاوہ نالوں میں ہے شور الاماں گویا
لڑائی جھگڑے کی ایسی ہوئی ہے کوئی بات

وہ گر رہے ہیں دھڑا دھڑ مکان بارش سے
کہ ہر طرف ہے صدا و امصیبتا ہیہات

جسے سمجھتے تھے رحمت وہ ہوگئی زحمت
بنا ہے سب کیلئے وجہِ مرگ آبِ حیات

ہوا ہے اب کے وہ نقصان آبِ باراں سے
نہوگی تا بقیامت تلافی مافات

کہیں تو ہے غم آبا کہیں غم اولاد
کہیں ہے شیونِ ازواج و امہات و بنات

نمونہ عرصۂ محشر کا ہے کہ طغیانی
کہ اپنے آپ پہ دو بھر ہوئی ہے اپنی ذات

نہ اسکے سامنے ہے آبروے جوش بحور
نہ اسکے آگے ہے طوفان نوحؑ کی اوقات

ق

مرے بیاں میں نہیں کوئی شاعرانہ غلو
یہ چشم دید ہے اور وہ سنی سنائی بات

بھادی مینہ کی گویا فلک نے چھاگل ایک
جدھر اٹھا دی نظر ہو گئے ہیں جل تھل ایک

غضب کا جوش ہے ندی میں قہر کا طوفاں
ہر ایک مانگ رہا ہے خدا سے اپنی اماں

وہ زور شور سے بہنا وہ پاٹ ندی کا
کہ دوڑے جاتا ہے غصہ میں جیسے پیل ژیاں

ہے مثلِ صورِ اسرافیل - شورِ موجوں کا
کہ جسکے سننے سے ہوش و حواس ہوں پراں

یہ موجیں ناگنیں لہرا رہی ہیں پانی میں
کہ جن کے چھونے کا منتر نہ کاٹنے کا درماں

دکھائی دیتے ہیں ندی کے طور ہی کچھ اور
کئے ہیں موسی نے اس بار اور ہی ساماں

خرام ناز نہ رفتار ہے وہ اگلی سی
نہ اسکے پہلے سے انداز ہیں وہ نیف سماں

نہ اُسکے پانی میں ہے آب و تاب موتی کی
نہ آبشار میں اسکی صدائے خوش الحاں

عجیب وحشت و دہشت ہے شہر پر طاری
کنارے ندی کے اُف کتنا پُر خطر ہے سماں

یہ پل سپاہ مخالف کی ہیں صفیں گویا
کہ جنکو توڑنے ہوتی ہے فوج موجِ رواں

کمانوں میں سے پلوں کی رواں ہیں یوں پانی
بجا ہے کہئے اگر اسکو تیر اُسکو کماں

چڑھاؤ پر نظر آتی ہے دمبدم ندی
کہ جسکو دیکھکے قالب میں روح ہے ترساں

بڑھاتی جاتی ہے ہر لحظہ موج اپنے قدم
نکلتی جاتی ہے اپنے حدود سے ہر آں

لگی ہیں چھوٹنے منھ پر ہوائیاں سبکے
تمام لوگوں کی کافور ہو گئیں خوشیاں

جہاں خوشی کے کبھی شادیانے بجتے تھے
وہی مکان ہیں آج کلبۂ احزاں

سنا تھا موسم بارش کو آیۂ رحمت
بنا ہے آہ وہ اس سال مایۂ زحمت

اچانک ایسے میں سر پر پہنچ گیا سیلاب
کہ چھاؤنی میں مچی پڑ اتھا لشکر خواب

حصار باندھ لیا چوطرف سے پانی نے
مکان اہل مکاں کیلئے بنے گرداب

نہ اسکی لوٹ کی ممکن تھی روک تھام کہیں
نہ اُسکے لطمۂ امواج کی کسی کو تاب

نہ جائے ماندن و نے پائے رفتن بہت مگر
شدہ ست خلق ہمہ قید در سلاسل آب

قدم سے آیا کمر تک کمر سے گردن تک
پھر ایک لحظہ میں سر سے گزر گیا سیلاب

ہلاک جتنے کئے موج مضطرب نے نفوس
بجا ہے کہئے اگر انکو کشتۂ سیماب

ہر ایک لوٹ تھی بے چینیوں میں عاشق زار
ہر ایک موج تڑپ میں تھی ماہی بے آب

جبینِ موج پہ لکھا ہوا تھا یہ عنوان
کہ ہے یہ خامۂ گلشنِ حیات کا باب

نہیں ہے سیل یہ بادِ فنا کا جھونکا ہے
کہ جس نے بھک سے الٹ دی ہے زندگی کی کتاب

بہا کے لیگئی وہ اسطرح محلوں کو
مکان پانی پہ آئے نظر تھے مثل حباب

چھڑایا اپنوں سے اپنوں کو تو نے او ندی
اجاڑا تو نے ہی بستے گھروں کو خانہ خراب

جو بستیاں کہ بھری تھیں او نہیں کیا خالی
جو کھتیاں کہ کھڑی تھیں انہیں کیا غرقاب

تو قہر تھی کہ بلا تھی غضب تھی آفت تھی
تو بحر تھی کہ سمندر کہ ایک عالم آب

کیا ہے پردہ نشینوں کو تو نے بے پردہ
غضب ہے تجھکو نہ آیا ذرا لحاظ و حجاب

جو روز بد کہ دکھایا ہے تو نے ہمکو آہ
خدا دکھائے نہ دشمن کو بھی وہ روز سیاہ

مخدرات ہوئیں آج بے ردا ہے ہے
کھڑی نہیں کرتی ہوئیں نوحہ و بکا ہے ہے

جو دو قدم بھی نزاکت سے چل نہ سکتے تھے
چلایا ہے انہیں تو نے پیادہ پا ہے ہے

جو خاک میں دل عشاق کو ملاتے تھے
ملے وہ خاک میں دلبر وہ دلربا ہے ہے

سمن بران گل اندام سرو قامت پر
یہ ظلم یہ ستم و جور یہ جفا ہے ہے

پلی تھی گود میں جس شہر کے تو اے ندی
اُسی سے کی ہے دغا تو نے بیوفا ہے ہے

چھڑائے پہلو مادر سے تو نے لخت جگر
نظر سے نور نظر کو کیا جدا ہے ہے

ابھی تھی آنکھ میں جوت اور اب آگئے آنسو
پلک جھپکتے میں یہ تو نے کیا کیا ہے ہے

بٹھا دیا انہیں آوے کی طرح ندی نے
کھڑے تھے سر بفلک جو محلسرا ہے ہے

فلک نے پاؤں نکالے ہیں پیٹ سے کیا کیا
زمیں زمیں نہ رہی وائے حسرتا ہے ہے

کہاں سے آئی یہ ندی کہاں گئی بستی
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیا ہوا ہے ہے

لگی ہے بھوک سے آگ اور گھر میں خاک نہیں
بندھی ہے موسم بارش کی کیا ہوا ہے ہے

ہمارے منھ سے نکلتے ہیں لفظ کیا حزیں
ہمارے کانوں میں آتی ہے کیا صدا ہے ہے

تمام شہر میں کہرام مچ گیا افسوس — تمام شہر میں آفت ہوئی بپا ہے ہے
کہ ہر ہے کل کا وہ جوبن کہاں وہ کل کی بہار — ہوا ہے شہر کا حال آج کیا سی کیا ہے ہے

چہل پہل نہ وہ اگلی سی لہر بہر رہی
اگر رہی تو فقط ایک شانِ قہر رہی

مصیبت و غم و اندوہ کی گھٹا چھائی — گئے بہار کے دن اور اب خزاں آئی
مہک رہا تھا جو گلشن گل تنا سے — اُسی سے بوے تحسر صبا اُڑا لائی
چلی دکن کے گلستاں میں ایسی بادِ خزاں — رہا نہ نام کو باقی نشانِ زیبائی
کھلے تھے پھول جہاں اُڑ رہی ہے دھول وہاں — بھرے تھے حوض جہاں اب وہاں نہیں کائی
غضب کی آئی ہے ہمپر بلا قیامت کی — کہ ایک ایک کی کرتا نہیں ہے شنوائی
نہ سر کی سدھ ہے کسی کو نہ پاؤں کی ہے خبر — ہر ایک مست بپا ہے وہ بے سر و پائی
وہ بدبلا ہے یہ ظالم بلائے طغیانی — کہ جس نے توڑ دیا قلعہ شکیبائی
شب وصال سے پہلے تجھے عروسِ دکن — طلوعِ صبح جدائی نے شکل دکھلائی
مثال مہر لب بام ہے تری حالت — بہت ہی جلد تری ساعت زوال آئی
تو وہ ہے آتے تھے ملکوں سے دیکھنے تجھکو — فرنچ و روسی و چینی و آمریکائی
تمام دہر میں تھیں تیری خوبیاں مشہور — عجیب شانِ خداداد تو نے تھی پائی
رفاہ و دولت و آرام و عیش کی خاطر — جہان و اہل جہاں تھے ترے تماشائی
تو وہ ہے جسکے جمال و کمال کے آگے — جھکا سرِ فلک از بہر ناصیہ سائی
یہ اُسکی شان کہ قطرہ کو کر دیا دریا — یہ اُسکی آن کہ پربت کو کر دیا رائی

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش ست
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست

تباہ گرچہ ہوا ہے تمام شہر کا حال — کوئی نہ سمجھے اسے بدشگون اور بدفال
ہے بعد رنج کے راحت زیاں کے بعد سود — عروج کیلئے اُسکے ہے لازمی یہ زوال
طلوعِ مہر زمانے میں ہے غروب کے بعد — جہان میں ہوتا ہے اکثر زوال وجہ کمال

تنزل اور ترقی میں لازم و ملزوم — فلک پہ کل ہے وہی مدر جو ہے آج ہلال
غم حوادث دوراں اسے نہیں لازم — ہے جب یہ سایہ فگن ظل ایزد متعال
کہیں ٹھکانا نہ ہوتا خراب حالوں کا — نہ ہوتا شاہ کا لطف خاص شامل حال
وہ شاہ جو کہ ہے مرہم نہ جراحت دل — وہ شاہ جو کہ ہے مہر سپہر جاہ و جلال
وہ شاہ جسکی کرم نے مٹا دے سب غم — وہ شاہ جسکی عنایت سے سب میں فارغ بال
لٹا دی دولت و افر لٹے ہوؤں کیلئے — مٹا دی صفحۂ خاطر سے انکے گرد ملال
بنائے ایسے مکاں اس نے بے گھروں کیلئے — کبھی نہ دیکھی تھی چشم جہاں نے جسکی مثال
اسی نے آج کیا ڈوبتوں کا بیڑہ پار — بھنور سے ڈوبتی کشتی اسی نے دی نکال
عروس ملک کو اس نے سنوارا پھر ایسا — کہ جسکو دیکھکے پیر فلک کی ٹپکے رال
جگایا اسنے رعایا کا بخت خوابیدہ — کہ جسکا ہمکو نہ تھا خواب میں بھی خواب خیال
دعا ہے یہ کہ رہے شاہ تا ابد قایم — فزوں ہو جاہ و حشم عمر و دولت و اقبال

حفاظت اور حمایت پہ اُسکی دا ور ہو
زمین زیر نگیں ہو زمانہ یاور ہو

محمد عبد الباسط

غزل

یہ کیسی برہمی جب سامنے پیمانہ آتا ہے — لبِ تک ترے پیمانہ گستاخانہ آتا ہے
تواکت کا برا ہو وہ سنورنے بھی نہیں پاتے — بڑی مشکل سے زلف عنبریں تک شانہ آتا ہے
خوشامد اور پھر اتنی خوشامد اوس ستمگر کی — تجھے کچھ بھی خیال اے ہمت مردانہ آتا ہے
نہ پوچھو تم ادا کیا ہے شرارت کسکو کہتے ہیں — سکھانے سے کہیں انداز معشوقانہ آتا ہے
تمہارا روے روشن زندگی بخش دو عالم ہے — سمندر بنکے رہجاتا ہے جو پروانہ آتا ہے
شباہی دمبدم معمورۂ عالم کی بڑھتی ہے — کہ میری پیشوائی کے لئے ویرانہ آتا ہے

شراب آتشین نے پھونک ڈالا تن بدن کیفی
نظر اپنا مرا پا مجھکو آتش خانہ آتا ہے

خلیفہ ہارون الرشید
اور
ایک بدوی

حج کا زمانہ تھا اور اکناف عالم سے سچے مذہب پرست مسلمان آآکے مکہ معظمہ مین جمع ہوے تھے خلیفہ ہارون الرشید بھی اسی تقریب سے داخل بیت اللہ ہوا تھا - اور مناسک حج کے اثنا مین خاص و عام کو طواف کرنے سے منع کر دیا تھا کہ اوسکو سہولت و اطمینان کیساتھ تنہا طواف کرنے کا موقع ملے - ایسی حالت مین ایک بدوی نے طواف مین خلیفہ پر سبقت کی اس کی یہ حرکت خلیفہ کو ناگوار ہوئی - حاجب کو حکم دیا کہ بدوی کو فوراً منع کردی - حاجب نے بدوی کو طواف سے روکنا چاہا تو بدوی نے اس کو کہا "یہ ایسا مقام ہے جہان خداوند عالم نے حاکم و محکوم کو مساوات کا حق دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے "سواء العاکف فیہ والباد ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم" [1]

خلیفہ نے یہ جواب سنا تو اوس کو بدوی کی جانب سے کچھ خوف و تامل پیدا ہوا اور وہ خاموش ہو گیا - اسکے بعد خلیفہ حجر اسود کا بوسہ لینے آگے بڑھا تو بدوی نے یہان بھی اُس پر سبقت کی - پھر خلیفہ مقام مصلیٰ پر پہونچا تو اس مقام پر بھی بدوی نے سبقت کر کے پہلے نماز پڑھ لی -

خلیفہ نے نماز سے فارغ ہو کے بدوی کے حاضر کرنیکا حکم دیا - حاجب دوڑا ہوا گیا اور اوس سے کہا کہ امیر المومنین تمھین یاد فرما رہے ہین - بدوی نے کہا: "مجھے امیر المومنین سے کوئی ضرورت نہین ہے اگر اُنھین میری ضرورت ہے تو وہ خود میرے پاس آئین" یہ سنکے خلیفہ خود اُس بدوی کے پاس گیا اور سلام کیا - بدوی نے سلام کا جواب دیا - خلیفہ نے کہا عرب صاحب! یہان بیٹھ جاؤ -

بدوی: "یہ مکان اور حرم میرا نہین ہے کہ مین یہان بیٹھون اگر تمھین ضرورت ہو تو

---

[1] یہان مقیم و مسافر (سب) برابر ہین اور جو کوئی یہان ملحدانہ طور پر ظلم کریگا - اُسکو ہم تکلیف دہ عذاب کا (مزہ) چکھائینگے

بیٹھو ورنہ چلے جاؤ۔

یہ جواب بھی خلیفہ کو بہت شاق گذرا۔ ایسی گفتگو اور ایسے جوابات اُس نے کسی سے نہ سنے تھے اور نہ کسی کو جرات تھی کہ امیر المومنین سے بالمشافہہ ایسی باتیں کہہ سکے ہارون کو چارناچار بیٹھنا پڑا اور اُس نے سوال کیا: "تم پر خدا نے جو چیز فرض کی ہے مین اوسکی نسبت سوال کرتا ہون اگر تم جواب دو تو سمجھا جائیگا کہ تم اور بھی باتونکا جواب دے سکتے ہو"

بدوی: "پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمھارا سوال متعلمانہ ہے یا تمسخرانہ؟"

خلیفہ: "(اس برمحل استفسار پر متعجب ہوکے) خیر میرا سوال متعلمانہ ہے"

بدوی: "تو پھر تمھین متعلم کے طرز و انداز مین مودبانہ گفتگو کرنی چاہیئے"

یہ سنکے خلیفہ دو زانو ہو بیٹھا۔

بدوی: "ہان اب پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو"

خلیفہ: "خدا نے تم پر کیا فرض کیا ہے؟"

بدوی: "تم کس فرض کی نسبت سوال کرتے ہو آیا ایک کی نسبت یا پانچ یا سترہ یا چوتیس یا پچاسی یا طول عمر مین ایک یا چالیس کا ایک یا دوسو کے پانچ کی بابت؟"

خلیفہ: "(تعجب اور ہنسی سے بے تاب ہوکے) مین نے تم سے ایک فرض کی نسبت سوال کیا تم نے دنیا بھر کا حساب پیش کر دیا"

بدوی: "اے ہارون اگر امور دین مین حساب نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ روز حساب مین مخلوق کو حساب سے نہ گرفت کرتا۔ اس نے صاف کہدیا ہے۔ ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ ولا تظلم نفس شیئاً وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بہا وکفی بنا حاسبین[1]"

بدوی کے کلمۂ خطاب یعنے "اے ہارون" سے خلیفہ کے چہرہ پر غیظ و غضب کے آثار نمودار ہوے اور مارے غصہ کے آنکھین چمکنے لگین۔ مگر اُس نے غصہ کو ضبط

[1] ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو قایم کرینگے۔ کسی پر ظلم نہ کیا جائیگا۔ اگر رائی کے بھی کوئی چیز رہ گئی ہو تو ہم اُسے بتا دینگے اور ہم جیسا محاسب کافی ہے ۱۲

کرکے کہا "تم نے بہت سے فرائض کا ذکر تو کر دیا ہے مگر اب تمھاری خیر اسی مین ہی کہ تم صاف وصریح طور پر اُن کی تفسیر کرو ورنہ صفا و مروہ کے درمیان تمھاری گردن مارنے کا حکم دیا جائیگا"

یہ سنکے حاجب نے عرض کیا "امیرالمومنین! یہہ بدوی نادانی سے آپ کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے۔ اسلئے معاف فرما دیجئے کم از کم اس بزرگ و مقدس مقام کے خیال سے ہی درگذر مناسب ہے"

دونون کی باتون کو سنکے بدوی ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ خلیفہ کو اُسکی ہنسی پر بہت حیرت ہوئی اور پوچھا: "تم کس بات پر اسقدر ہنس رہے ہو"

بدوی: "مین نہین سمجھ سکا کہ تم دونون مین زیادہ جاہل کون ہے؟ آیا وہ جو مرنیوالے شخص سے موت کو لوٹا دینا چاہتا ہے یا وہ جو نہ مرنیوالے کے لئے موت کو بلا رہا ہے"

اس جواب پر ہارون الرشید بالکل خاموش و بے بس ہو گیا اور اُس کی سچائی کے اثر سے بے اختیار رو دیا۔ بدوی کہنے لگا تم نے سوال کیا تھا کہ خدا نے مجھ پر کیا فرض کیا ہے۔ اُسکا جواب سنو۔ خدا نے تعالیٰ مجھ پر بہت سی چیزین فرض کی ہین۔ ایک فرض سے مراد دین اسلام ہے۔ پانچ فرض سے مراد نماز پنجگانہ ہے۔ سترہ سے مراد سترہ رکعتین ہین۔ چونتیس سے مراد چونتیس سجدے ہین۔ پچاسی سے مراد پچاسی تکبیرین ہین۔ طول عمر مین ایک فرض سے مراد حج بیت اللہ ہے۔ چالیس کے ایک سے مراد بکریون کی زکوٰۃ ہے۔ یعنی کسی کے پاس چالیس بکریان ہون تو ایک بکری زکوٰۃ مین دینا فرض ہے۔ دو سو کے پانچ سے مراد چاندی کی زکوٰۃ ہے"

بدوی کی اس تفسیر سے ہارون الرشید بہت مسرور ہوا اُس کا بغض مبدل بہ محبت ہو گیا اور اُس کی نظر مین بدوی کی وقعت بیٹھ گئی۔

بدوی پھر کہنے لگا "تم نے جو کچھ سوال کیا تھا اُس کا مین نے جواب دیدیا اب مین تم سے سوال کرتا ہون۔ تم جواب دو" ہارون نے کہا پوچھو۔ بدوی نے کہا

ایک شخص نے نماز فجر کیوقت ایک عورت کو دیکھا اسوقت وہ اُسکے لئے حرام تھی۔ ظہر کا وقت آیا تو وہ اُسکے لئے حلال ہوگئی۔ عصر کے وقت حرام تھی اور مغرب کیوقت حلال ہوگئی۔ عشا کے وقت وہ پھر اسپر حرام ہوگئی۔ دوسری صبح کو پھر حلال ہوگئی اور ظہر کے وقت حرام۔ عصر کے وقت پھر حلال ہوگئی اور مغرب کیوقت حرام تھی اور جب عشا کا وقت آیا وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگئی۔

مسئلہ کی اس صورت کو سنکے ہارون الرشید بے انتہا متعجب ہوا اور بولا "بھائی تم نے مجھے ایسے سمندر مین پھینک دیا ہے کہ تم ہی اس سے مجھے نکال سکوگے" بدوی: "تم خلیفہ ہو اور تم سے زیادہ عالی رتبہ کوئی نہین ہے اس لئے ضرور تھا کہ تم کسی مسئلہ کا جواب دینے سے عاجز نہ ہوتے۔ مگر افسوس ہے کہ تم مجھ سے بدوی کے ایک سوال کا جواب نہین دے سکتے"

خلیفہ: "آپ علم مین مجھ سے زیادہ عالی رتبہ ہین پس اس مقام مقدس کی بزرگی پر نظر کرکے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیے"

بدوی: "خیر مین اس کی وضاحت کرتا ہون مگر تم عہد کرو کہ آیندہ سے ہر شکستہ حال کیساتھ عمدہ سلوک کروگے۔ فقیر پر رحم کھاؤگے اور کسی حقیر کو چشم حقارت سے نہ دیکھوگے"

خلیفہ: "مین ان سب شرطون کو بطیب خاطر قبول کرتا ہون"

بدوی: "تو اب مسئلہ کو سمجھو ایک شخص نے کسی کی لونڈی کو نماز صبح کیوقت دیکھا اوسوقت وہ اُس پر حرام تھی۔ ظہر کے وقت اُس نے لونڈی کو خرید لیا اُسوقت وہ اُس پر حلال ہوگئی۔ عصر کا وقت آیا تو اُس نے لونڈی کو آزاد کر دیا۔ اور وہ اُس پر حرام ہوگئی۔ مغرب کے وقت اس نے نکاح کیا۔ پھر وہ اُس پر حلال ہوگئی۔ عشا کے وقت اس نے لونڈی کو طلاق دی پھر وہ اُسکے حرام ہوگئی۔ صبح کے وقت اُس نے طلاق سے رجعت کی پس وہ حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت اس سے ظہار کیا۔ پھر وہ حرام ہوگئی۔ عصر کا وقت آیا تو اُسنے

کفارہ مین اس کی طرف سے غلام آزاد کیا - پھر وہ اس کے لئے حلال ہوگئی - مغرب کیوقت وہ اسلام سے مرتد ہوگیا - اس صورت مین وہ پھر حرام ہوگئی - اور جب عشا کا وقت ہوا تو اس نے توبہ کی اور اسلام کی طرف رجوع ہوا پھر وہ اُس کے لئے حلال ہوگئی -

اس تفسیر کو سنکے ہارون الرشید کمال درجہ خوش ہوا بلکہ ایک طرح اوسکو رشک ہونے لگا - بدوی کیلئے دس ہزار درہم کا انعام تجویز کیا - جب درہم لاے گئے - تو بدوی نے کہا: "مجھے اس کی ضرورت نہین ہے مستحقین کو دیدو"

خلیفہ: "مین آپ کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کرنا چاہتا ہون - جو عمر بھر آپ کو بے فکر کردے"

بدوی: "مجھے تمھارے وظیفہ کی حاجت نہین - جس نے تمھارے لئے وظیفہ مقرر کیا ہے میرے لئے بھی مقرر کرچکا ہے"

خلیفہ: "اچھا اگر آپ پر کچھ قرض ہو تو بیان کیجئے مین اُس کو ادا کردیتا ہون -

بدوی: "اِس کی بھی کوئی احتیاج نہین ہے - پھر وہ بدوی یہ اشعار پڑھنے لگا -

ہب الدنیا تواتینا سنینا فتکدر ساعۃ وتلذ حینا

فرض کرو کہ دنیا کئی سال تک آتی رہی (تو بھی کیا ہوا) کبھی آرام دکھاتی ہے کبھی تکلیف

فما ابقی لشی لیس یبقی واترکہ غدا للوارثینا

مین ایسی چیز کو نہین چاہتا جو باقی نہین رہتی اور جسے کل وارثون کیلئے چھوڑ جانا پڑے

کانی بالتراب علی یحثی وبالاخوان حولی نادبینا

گویا مین دیکھ رہا ہون) کہ مٹی مجھ پر پھینکی جارہی ہے اور میرے اطراف بھائی بند چیخ چلا رہے ہین

خلیفہ: "(رقیق القلب ہوکے) مین آخر مین امید کرتا ہون کہ آپ مجھے اپنے نام ونشان اور قبیلہ سے آگاہ فرمائینگے"

بدوی: "مین موسی رضا ابن جعفر الصادق ابن محمد الباقر ابن زین العابدین

غفلت

دیدۂ عبرت نگر سے یہہ کھلا راز نہاں
ہیں عجب حیرت فزا غفلت کی رنگ آمیزیاں

کونسی غفلت زمانے بھر کو ہے جس کا گلہ
جس کا شاکی جان و دل سے ہر اک پیر و جواں

سب سے بڑھکر چیختے پھرتے ہیں ہمدردانِ قوم
طالع بیدار پر لوگوں کے کرتے ہیں فغاں

کہتے ہیں افسوس ساری قوم غافل ہوگئی
ہوش بنکر اڑ گئی قسمت سے بیداری کہاں

کوئی کہتا ہے کہ غفلت باعث پستی ہوئی
توڑ لاتے ورنہ ہم تیرے ستارے۔ آسماں

کوئی شاکی مشغلی غفلت میں سب عمر عزیز
کچھ نہ سوجھا زندگی میں ہمکو فرق این و آں

کوئی کہتا ہے عجب غفلت کے پردے پڑ گئے
ہم نے سوچا کچھ نہ اپنی زیست کا سود و زیاں

کوئی شاکی ہاتھ میں غفلت کے اسکی باگ تھی
ورنہ بے قابو نہ ہوتا توسن عمر رواں

غفلت شام جوانی کا گلہ کرتا ہے وہ
ہے خمار صبح پیری سے جو کوئی سرگراں

دن دہاڑے ہو حجاب حسن کی پردہ دری
اک ذرا غافل اگر ہو جائے چشم پاسباں

طالع بیدار عاشق کا تو پھر کیا پوچھنا
ہو اگر غفلت کسی صورت نصیب دشمناں

آنکھ اِدھر جھپکی ذرا ہے مال یار و نکا اُدھر
ہے مسافر ہی کی غفلت رہنمائے رہزناں

سو گئی تقدیر ہم غفلت کے پالے پڑ گئے
مال و زر غارت ہوا جینے کے لالے پڑ گئے

سرگرانی کا سبب ہے خواب غفلت کا خمار
گوش گل سنتے نہیں ہیں بلبلیں چیخیں ہزار

حلقہ ہائے دام صیاد اور بلبل حیف ہے
ہوگئی افسوس آخر اپنی غفلت کا شکار

ہاتھ سے تسبیح چھوٹی دل سے بھولی یاد حق
کھا گیا غفلت کا جھونکا زاہد شب زندہ دار

سب جفاؤں سے ہے بڑھکر عاشقوں پر یہہ جفا
یک قیامت ہے ملا معشوق اگر غفلت شعار

شکوۂ وعدہ فراموشی یہاں عشاق کو
اُن کو عادت بھول جانیکی وہاں بے اختیار

آج اس غفلت نے جنکو اتنا غافل کر دیا
تھے انہیں غفلت زدوں میں کیسے کیسے ہوشیار

اندھے۔ بہرے۔ گونگے جو ہیں آجکل تک دہر میں
تھا انہی پر کاروبار و ہر کا دار و مدار

قوم غافل آج کہتی ہے جسے دنیا تمام
کل تک اُسنے ساری دنیا کو کیا تھا ہوشیار

آج جو غفلت کے باعث سب سے پیچھے رہگئے
کل تک اُن کے کارواں کا سب سے آگے تھا غبار

اب ہے شیرازہ شکستہ جن کا غفلت کے سبب
تھی انہیں جمعیت خاطر قطار اندر قطار

تھے انہیں کے طالع بیدار سے چونکے ہوئے
روم و شام و فارس و یونان و مصر و زنگبار

آج جنکو کر دیا بے خانماں غفلت نے حیف
کل انہی کی غفلت و دولت کی گھر گھر تھی پکار

ایک غفلت سے غرض کیا کیا خرابی ہوگئی
بے حجابی خود حجاب بے حجابی ہوگئی

اک رخی تصویر غفلت کی یہہ ہے اور دوسری
غور سے دیکھو اگر تو خوبیوں سے ہے بھری

راحت انسان کا باعث کوئی جز غفلت نہیں
اس سے ہو جاتی ہے پژمردہ طبیعت تک ہری

سارے دن گھر دوڑ دھوپ اور اسکی وہ گہری نیند
جسکے باعث سے نہیں رہتی شگفتہ خاطری

خواب کے پردے میں پھر آتی ہے غفلت رات کو
اُسکے آنے سے مزے کی نیند آنکھوں میں بھری

آمد آمد اُسکی آنکھوں میں وہ ہو سو ناز سے
ہم یہ سمجھے ہو گئی بند آکے شیشے میں پری

کچھ خبر رہتی نہیں دنیا و مافیہا کی پھر
کم نہیں اعجاز سے غفلت کی یہہ جادوگری

مر کا کھٹکا نہ اب رنج و الم کی کاوشیں
گر خیال آیا بھی کوئی خواب میں تو سرسری

شب کو یہ بن بن کے لیلیٰ گر نہ آتی خواب میں
زحمتوں سے دن کی بچ سکتا نہ قیس عامری

بیخودی بھی اسکی ہرگز لطف سے خالی نہیں
غور سے دیکھو تو ہیں ہمدرد یاں اسکی کمری

خواب میں بھی کرتی ہے تفریح کے ساماں بہم
سیریں دکھلاتی ہے کیسی کیسی یہ دیکھو ذری

باغ و راغ و دشت و در یا شہر و قریہ و یم و جن
شکل خوب و زشت انسان سایہ جن و پری

ظاہری غفلت کا ہے یہہ حال قصہ مختصر
باطنی کی بھی عجب ہے کیفیت حیرت بھری

صدمۂ مرگ عزیزاں کس قیامت کا ہے غم
اسکے صدمے سے نہیں ممکن بشر کی جانبری

بس چلے تو آدمی مرجائے خود میت کیساتھ
شاہد اسکی ہے ستی ہونیکی رسم الفت بھری

ایسے صدمے چار دن میں بھولنے والے نہ تھے
ہے مگر غفلت کی اک ادنیٰ سی یہ افسونگری

زندگانی کا بھروسہ کچھ نہیں انسان کی
کرتی رہتی ہے اجل ہر لحظہ جنگ زرگری

بات یہہ پر خوف ایسی ہے کہ جسکے خوف سے
زندگی دشوار ہو بڑھ جائے شوریدہ سری

لیکن اے غفلت ترے قربان تو کیا چیز ہے سبکی اس بیم و رجا میں رکھتی ہے خاطر ہری
عندلیب خوش نوا معجز بیانی ہو چکی
ہوش میں آ دیکھ غفلت کی کہانی ہو چکی

ابوالوفا محمد عبدالوہاب عندلیب حیدرآبادی

نئی باتیں

آئینۂ جہاں نما ایک امریکن موجد نے ایک آئینہ ایجاد کیا ہے جو اُسکے بلند مکان پر نصب ہے۔ بجلی کی شعاع اِس آئینہ پر ہر وقت پڑتی ہے جسکی وجہ سے شہر کے آنے جانے والونکا عکس آئینہ پر پڑتا ہے اور موجد اس گھر میں بیٹھ کر سیر کا لطف حاصل کرتا ہے جب کسی خاص مکان یا شخص کو دیکھنا یا تصویر لینا چاہتا ہے تو بجلی کو ایک جگہ جمع کر دینے سے آسانی سے فوٹو تیار ہو جاتا ہے۔ موجد نے یکم ستمبر کو امریکن رؤسا اور بڑے بڑے لوگوں کو اپنے مکان میں مدعو کر کے آئینہ جہاں نما کا لطف دکھایا اتفاقاً اس جلسہ میں ایک صاحب شریک تھے جنکی بی بی موقع پاکر اپنے دوست سے تنہائی میں ہمکلام تھیں یہ دیکھکر اُن کو سخت ناگوار ہوا اور مکان واپس آنے پر بی بی سے قطع تعلق کیا۔ پریسیڈنٹ امریکہ اس مکان میں تشریف لا کر اور آئینہ کا تماشا دیکھا۔ ایک ہزار پونڈ کے نوٹ جیب خاص سے مرحمت کئے اس شخص کا نام انجمن ترقی سائنس میں درج کیا گیا ہے اور ایک سو پچاس پونڈ ماہوار تنخواہ مقرر ہے اِس شخص کا دعوی ہے کہ میں کوشش کر رہا ہوں ایک سو میل مربع رقبے کا عکس اِس آئینہ پر پڑتا رہے امید ہے کہ میں دس پندرہ سال میں کامیابی حاصل کر سکونگا۔ انگلستان و جرمن و فرانس کے مشہور سائنس دان آجکل اس مکان پر ٹھہرے ہوے اس آئینہ کا تماشا دیکھ رہے ہیں اور موجد صاحب سیکڑوں روپیہ ہر روز کماتے ہیں۔

نامردی و مردی بہ رگے فاصلہ دارد ڈاکٹر جولیس بولر پریس نے ایک عجیب و غریب راز حال میں دریافت کیا ہے۔ جو اخبار ریسٹ میں شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ انسان کے دماغ کے پچھلے حصہ میں ایک رگ ہوتی ہے جس کا موٹا یا باریک ہونا انسان کو بہادر یا بزدل بناتا ہے رگ موٹی ہونے کے باعث آدمی زیادہ بزدل اور ڈرپوک ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ میرے مطب میں ایک مریض داخل ہوا جسکے سر میں زیادہ چوٹ آئی تھی جسکی وجہ سے اکثر رگیں کٹ گئی تھیں وہ اچھا ہو گیا مگر پہلے کا سا وہ بزدل نہیں رہا۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسکو اب بالکل خوف نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے اُسکے دماغ کی دوبارہ تشریح کی تو ایک رگ بالکل غائب ہو گئی تھی۔ مجھے معلوم ہو گیا یہی رگ بزدلی پیدا کرنے والی تھی میں نے گیدڑ اور ہرن کے دماغ کی تشریح کر کے تجربہ کیا تو معلوم ہوا کہ اُنکے دماغ کی یہ رگ بہت موٹی ہے اسی وجہ سے یہ جانور زیادہ ڈرپوک ہوتے ہیں۔ جب ان رگوں کو میں نے کاٹ کر نکال دیا تو وہ بالکل بیخوف ہو گئے میں نے شیر کے سامنے ان جانوروں کو چھوڑ دیا مگر ان میں کچھ بھی جھجک نہیں پیدا ہوئی شیر و گینڈا اور سور کے دماغ کی رگیں بہت باریک ہوتی ہیں ڈاکٹر موصوف نے اس تجربہ کا اظہار "اکاڈمی آف سائنس" کے سامنے کیا انجمن نے پندرہ ہزار پونڈ انعام دیا اور افواج کے لئے احکام جاری ہوئے کہ بھرتی کے وقت اس رگ پر نشتر لگا جائے تاکہ یہ رگ زیادہ موٹی نہو جائے۔

مگر ڈاکٹر صاحب نے شیر کے دماغ کی باریک رگ کاٹ کر یہ امتحان نہیں فرمایا کہ وہ بودا اور بزدلا ہو جاتا ہے یا نہیں۔

نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد۔ میں اس طرح اصلاح ہو سکتی ہے۔

"نامردی و مردی بہ رگے فاصلہ دارد"

تانبے کی شہر پناہ صحرائے افریقہ کا حال صحیح طور پر اب تک کسی کو نہیں معلوم ہوا حالانکہ یورپی سیاح اپنا بہت قیمتی وقت وہاں کے انکشاف حالات میں

صرف کرتے رہتے ہیں۔

ٹیمس قاہرہ ۵ دسمبر کی ایک اشاعت میں لکھتا ہے کہ قاہرہ کا عربی قافلہ صحرائے افریقہ سے اکتوبر میں گزر رہا تھا۔ سرکاری چنگی سے بچنے کے لئے قافلے نے کوشش کی کہ دوسری راہ سے نکل جائے۔ اس وجہ سے یہ بھٹک کر تین سو میل کے فاصلے پر راہ راست سے نکل گیا۔ ایک دن قافلے کے پاس بوند بھر پانی بھی نہیں تھا وہ رات دن بڑی بیقراری سے گزرا۔ صبح کو دس بجے کے قریب جب روانگی کا عزم کیا تو سامنے ایک چمکتی ہوئی چار دیواری نظر آئی ڈرتے ڈرتے جب یہ لوگ اسکے پاس گئے۔ تو بالکل خالص تانبے کی دیواریں دیکھیں۔ یہ شہر پناہ کی دیواریں نکلیں جو ڈیڑھ میل لمبی اور ایک میل چوڑی تھیں۔ ۱۶ فٹ ان کی بلندی تھی مگر جہاں ٹوٹ گئی ہے اُسکی بلندی ۵ فٹ سے کم نہ تھی۔ شہر پناہ سے داخل ہونے کے لئے دو دروازے تھے۔ جنکے برج پتھر کے ہیں۔ عربی قافلہ خوف کھاتا ہوا پھاٹک کے اندر داخل ہوا شہر کو بالکل سنسان پایا۔ کھانے والے طیور بکثرت نظر آئے جنکا انھوں نے شکار کیا۔ اور شیریں کنوؤں سے پانی بھر کر سیراب ہوئے۔ میوہ دار درخت بھی شہر کے اندر کثرت سے تھے ایک شکستہ مسجد نظر آئی جسپر عربی خط کا کتبہ تھا۔ صحیح پڑھا نہیں گیا۔ مگر اتنا پتا چلا کہ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں یہ بنی تھی مکانوں کے کھنڈروں کی انتہا نہیں۔

ایک ہفتے تک یہ قافلہ وہاں مقیم رہا۔

یادگار کے طور پر بہت سا تانبا وہاں سے اونٹوں پر لاد کر یہ قافلہ قاہرہ لایا ہے قافلے نے یہ بیان قاہرہ کے گورنر کے سامنے کیا۔ اور جتنا تانبا وہ لایا تھا سرکاری خزانے میں داخل کیا گیا۔

آثار قدیمہ مصر کے ممبروں کی رائے کے موافق مسٹر داڈ کرنٹن پچاس آدمیوں کے ساتھ صحرا کی طرف روانہ گئے ہیں۔

پانیر نے یہ نوٹ ۱۳ جنوری کی اشاعت میں دیا ہے جسکی صحت میں کلام نہیں

امید رکھنا چاہئے کہ اس شہر سے بہت بڑی دولت مصر کو ملے گی اس لئے کہ قدیم شہروں کی بربادی کچھ ایسی حالت میں ہوئی ہے کہ ان کی دولت باہر نہیں نکلنے پائی اور شہر برباد ہو گئے۔

بجلی کا گھوڑا جرمنی میں گھوڑے کی سواری سکھانے کے لئے ایک کل ایجاد کیگئی ہے جو موٹر گاڑی کے طرز پر بنائی گئی ہے اسمیں لوہے کا ایک گھوڑا ہے جو بجلی کے اثر سے حرکت کرتا ہے اس پر آدمی بیٹھکر اسکا ڈنڈا دباتا ہے اور گھوڑا حرکت کرنے لگتا ہے اس میں پیچ لگا ہوا ہے جس کے گھمانے سے گھوڑے کی رفتار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور اُسے حسب مرضی دلکی۔ پویہ قدم۔ سرپٹ دوڑا سکتے ہیں اسپیڈی چاہے جس قدر وزن کا آدمی سوار ہو سکتا ہے۔ سردست یہ گھوڑا جرمنی کی توپخانہ رسالے کے سواروں کو سواری سکھانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔

شیشہ کا مکان یوکوہاما کے ایک جاپانی ڈاکٹر نے ایک ایسا مکان تیار کیا ہے جو جراثیم کے حملوں سے بالکل محفوظ ہے اس عجیب و غریب مکان کی دیواریں شیشے کی کھوکھلی اینٹوں سے بنائی گئی ہیں جن میں سوڈے کا ایک خاص مرکب بھر دیا گیا ہے تاکہ مکان کی اندرونی حرارت مناسب درجہ پر رہے۔ کھڑکیاں باحتیاط تمام اس طرح بند کر دی جاتی ہیں کہ کوئی درز باقی نہیں رہتی اور صرف بذریعۂ فلٹر کے داخل کی جاتی ہے۔

لاماؤں کے غار مشہور انگریزی سیاح ڈاکٹر سیون ہیڈن نے اپنی سیاحت تبت کے حیرت انگیز اور دلچسپ واقعات قلمبند کئے ہیں۔ تبت کے بعض لاماؤں کی نسبت صاحب موصوف نے یہ امر دریافت کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ایسی غاروں میں بسر کرتے ہیں جہاں آفتاب عالمتاب کی ایک شعاع بھی داخل نہیں ہو سکتی ایک لامہ سولہ برس کی عمر میں غار کے اندر داخل ہوا اور ۶۹ سال تک اس ظلمت کدہ میں بند رہا۔ بقول ڈاکٹر ہیڈن لاماؤں کا عقیدہ ہے کہ اس طرح زندگی بسر کرتے ہوئے جب وہ مرجائیں گے تو دوسرے جنم میں انہیں اعلےٰ

دربہ کی راحت میسر ہوگی۔ ان لاماؤں کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دوسرے پروہت ان کو زمین دوز راستہ سے بذریعہ ایک لمبے بانس کے کھانا پہنچاتے ہیں اور وہ کسی دن یہ دیکھتے ہیں کہ غار کے مقدس مکین نے کھانا نہیں کھایا تو سمجھ لیتے ہیں کہ تقدس مآب جناب لاما صاحب عالم جاودانی کو سدھار گئے۔

ڈاکٹر ہیڈن صاحب نے اپنے ایک لکچر میں بیان کیا ہے کہ سال نو کے دن لاما اپنے مندروں میں ایک خاص رسم ادا کرتے ہیں۔ جسکا ایک دلچسپ پہلو ناچ ہے جسے "شیطان کا ناچ" کہا جاتا ہے ناچنے والے نیلے رنگ کے چینی ریشم کی بھاری پوشاکیں زیب بدن کرتے ہیں جن پر اژدہاؤں اور دیووں کی تصویروں کا ابھرواں طلائی کام ہوتا ہے۔ اس کے بعد دو لامے ایک بہت بڑے تختہ کاغذ کو جو چادر کے برابر ہوتا ہے ہاتھ میں لئے ہوئے آتشکدہ کے نزدیک جاتے ہیں جسے اوس موقع کے لئے تیار رکھا جاتا ہے۔ اس تختہ پر اُن تمام بدیوں کی تفصیل درج ہوتی ہے جن سے وہ سال نو میں بری ہونے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ وہ کاغذ کو آگ کے اوپر تھامے رہتے ہیں اور آگ کے دہکتے شعلوں میں ایک قسم کا سفوف ڈھالتے جاتے ہیں۔ اور کچھ منتر بڑبڑاتے جاتے ہیں۔ سفوف کے جلنے سے جو دھواں اٹھتا ہے اس میں ان کے عقیدہ کے موافق بد یا ن لپٹی ہوئی جوف فضا میں غائب ہوجاتی ہین۔

فرقہ ہوپی کی شادیاں امریکہ کے اصلی باشندوں کا ایک فرقہ ہوپی کے نام سے مشہور ہے۔ اس فرقہ کی جوان لڑکی کو اپنے خاوند کے پسند کرنے میں غیر معمولی اختیارات حاصل ہیں۔ جب لڑکی کسی خاص نوجوان کو پسند کرتی ہے جس سے وہ شادی کرنا چاہتی ہے۔ تو صرف اپنی ماں کو اس معاملہ سے آگاہ کردیتی ہے اگر بڑی بی راضی ہوجائیں تو معاملہ طے ہو جاتا ہے اور اب نوجوان کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں کہ مزاج یار کے آگے سر تسلیم خم کرے خواہ اسے یہ رشتہ ناپسند ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اگر وہ اظہار نارضامندی کریگا تو نکاح کی بیڑی جبرًا

اس کے پاؤں میں ڈالی جائیگی۔ انتخاب کا سلسلہ حل ہو جانے کے بعد لڑکی ۲۰ دن تک اپنی ساس کے لئے غلہ پیستی ہے اور مرد اپنی دلہن کی شادی کے کپڑے بننے کے کام میں لگ جاتا ہے۔

فرقۂ ہوپی کی کنواری لڑکی جب شادی کی خواہش محسوس کرتی ہے تو اپنے سر کے بالوں کو دو بڑے جوڑوں پر اوپر نیچے تقسیم کر لیتی ہے، اور یہ خاوند تلاش کرنے کی علامت ہے۔

بے تار کا ٹیلیفون اشراقین کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ ایک ملک میں بیٹھکر اپنے شاگردوں کو دوسرے ملک میں سبق پڑھایا کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں بہت کم ایسے ہوں گے جو اسکو راست سمجھتے ہوں۔ ورنہ زیادہ تر اسوقت ایسے ہیں جو اسکو مبالغہ سمجھتے ہیں مگر انہیں اس خبر کے پڑھنے سے شاید اشراقین کی روحانی قوت کی تصدیق ہو جائیگی کہ ولایت میں ایسا آلہ ایجاد ہو رہا ہے کہ اسکی مدد سے بلا کسی درمیانی سلسلہ کے ایک شخص دوسرے شخص سے بات چیت کر سکیگا گویا بے تار کا ٹیلیفون ہے۔ یہ ایک نہایت ہی سبک مشین ہے اور اسی کی مانند ایک دوسری مشین ہے۔ ایک مکان کے مختلف کمروں میں یہ مشینیں رکھدی گئیں تھیں اور باوجودیکہ ایک دیوار درمیان میں حائل تھی۔ مگر بات چیت بخوبی ہوتی تھی۔ موجد کا بیان ہے کہ وہ بہت جلد مسٹر مارکونی کی بے تار برقی کیطرح اسکو عام اور قابل اعتماد کر دینگے

ٹاپیو ٹاپیو نام ایک جدید اناج مکتی فوج کی کوشش سے دریافت کیا گیا ہے جس کا آٹا انسانی خوراک کے لئے نہایت مفید پایا گیا ہے اور زیادہ تر فائدہ یہ ہے کہ بہت ہی ارزاں پڑتا ہے قحط اور گرانی کے ایام میں غربا کی پرورش کے لئے بہترین اناج سمجھا گیا ہے جو بیس سیر فی روپیہ فروخت ہوگا۔ گورنمنٹ بمبئی نے بعد تجربہ و امتحان کے اس اناج کو پسند کیا ہے اور اسکی کاشت خاص کوشش سے توسیع کیجاویگی اس سے غریب آبادی ایام قحط میں بھی بھوکی مرنے نپائیگی۔

(ماخوذ از اخبارات)

کے ساحل پر جلد پہونچ جائین - اگر اس حالت میں جسطرح کہ بیس بیس سال سے ہو رہا ہے اپنے حال پر قانع رہنے کے خیال سے توکل کئے بیٹھینگے تو فطرت کے زبردست قوانین اون قوموں ملکوں کے ذریعہ جو آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور بڑھ رہے ہیں بزور ہم کو اوس اقتصادی رتبہ سے پیچھے ہٹا دینگے جو اب ہمکو حاصل ہے اور زیادہ مفلس زیادہ جاہل اور ما یحتاج کے لئے زیادہ دست نگر اغیار بنا دینگے -

اہل دکن! اب اس بات کا فیصلہ خود آپ کے ہاتھ میں ہے کہ باوجود ان تمام قدرتی فیاضیوں کے دن بدن اپنی پست حالت میں گرتے جائیں - یا سنبھل کر اپنی عزت اپنی ہستی ممتدن دنیا میں ثابت کر دکھائیں - بندگانعالی ہی سب سے زیادہ اس امر کے خواہشمند ہیں کہ حیدرآباد میدان ترقی میں روز بروز قدم آگے بڑھاتا جاے -

بندگانعالی کے ساتھ اونکی دوستدار گورنمنٹ اوس کا فرمانروا اوسکے نائب السلطنت جو یکے بعد دیگرے ہندوستان میں آے ہیں - سب کے سب ترقی کے لئے مشورہ دیتے اور امداد کا وعدہ کرتے رہے ہیں ایسی حالت میں ہر ایک محب وطن کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک امکانی کوشش نفع ملک کے لئے کرے اور اسی خیال سے اوراق آیندہ میں اس اجمال کی تفصیل کیجاتی ہے کہ کیسی عظیم و وسیع عیان و نہاں قدرت کی دولت دکن میں موجود ہے اور اس سے زمانہ سابقہ میں کسطرح فائدہ حاصل ہوتا تھا اب کیا حالت ہے اور کسطرح اوس میں انقلاب نیک پیدا کیا جا سکتا ہے -

باب اول

پیداوار

فصل اول

معادن

براعظم ہندوستان میں شاید ہی کوئی صوبہ یا ریاست ایسی ہوگی جس میں قلمرو آصفی کی طرح ہر قسم کے معادن الماس سے لیکر کوئلہ تک پائے جاتے ہوں، اور جن سے نہایت قدیم زمانہ سے فائدہ حاصل کیا جا رہا ہو

جس زمانہ میں گولکنڈہ میں قطب شاہی حکومت تھی اوسوقت اوسکے مختلف معادن الماس کی دھوم تمام متمدن دنیا میں مچی ہوئی تھی - یورپ وغیرہ تک کے جوہری آتے تھے اور الماس خریدتے تھے -

گولکنڈہ کے الماس تمام مہذب درباروں کی زیب و زینت کا باعث تھے وہ مشہور الماس جسکا نام کوہِ نور ہے جو تاج برطانیہ کو جگمگا رہا ہے اس قلمرو کا ایک ریزہ تھا -

اسی طرح دکن کے لوہے کی شہرت تھی وہ سویڈن کے لوہے سے بھی عمدہ خیال کیا جاتا تھا - دوسرے معادن بھی تھے اور اون سب سے فائدہ حاصل کیا جاتا تھا -

اٹھارہویں صدی کے انقلاب عظیم نے رفتہ رفتہ حیدرآباد کے معادن کے نشانوں کو مٹا ڈالا اور اوس سے فائدہ حاصل کرنے کو روک دیا -

اب جو کچھ معدنی خزانے ریاست میں دستیاب ہو سکتے ہیں اون کی مکمل تحقیقات جدید علمی اصول پر نہیں ہوئی ہے - ساٹھ ستر سال پیشتر ڈاکٹر براڈلی ڈاکٹر واکر وغیرہ اضلاع حیدرآباد کے متعلق اسٹاٹیکل رپورٹوں کے مرتب کرنے کے لئے مامور کئے گئے تھے اونھوں نے جستہ جستہ کچھ حالات معادن اپنی رپورٹوں میں جو انگریزی میں ہیں اور حیدرآباد آفرس کی جلد اول شائع ہوئی ہیں لکھے ہیں مسٹر ولیم کنگ مسٹر ہنسن اور دوسرے چند یوروپین عہدہ داروں نے سر سالار جنگ اعظم کے دور آخر اور نواب عماد السلطنت مرحوم کے دور اول میں خاص خاص مقامات کی تحقیقات کی ہے اس خام تحقیقات سے جو اب تک اونھوں نے کی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ حسب ذیل معادن یہاں موجود ہیں -

ضلع اورنگ آباد

نشان سلسلہ	نام معدن	مقام معدن	کیفیت
۱	سنگ سرخ	تعلقہ کنڑ کے چند مواضع	
۲	سنگ سبز	تعلقہ پٹن	
۳	سنگ ریزۂ سبز	〃	
۴	سنگ گار	تعلقہ کنڑ	
۵	سنگ سیاہ	عام طور پر	
۶	گل کہار	〃	
۷	سنگ ریت	اکثر مقامات	
۸	کھڑیا سفید	مختلف مقامات	
۹	سلاجیت قیمتی دوا	۔	جریدۂ اعلامیہ کی پرانی جلدوں
۱۰	ریزہ ابرک	۔	اور اسٹیٹسٹکل رپورٹوں میں
۱۱	سنگ ریت	۔	ان معادن کے مقامات کا
۱۲	آہک (چونا)	۔	داخلہ نہیں دیا گیا ہے اسی طرح
۱۳	زبرجد	۔	دوسرے اضلاع کے معادن میں
۱۴	لیشب	۔	جہاں تعلقات کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے
۱۵	سنگ سلیمانی	۔	اوسکی بھی یہی حالت ہے

ضلع پربھنی

۱	آہک	بعض بعض مقامات	

ضلع بیڑ

۱	سنگ سبز قسم دوم	تعلقۂ گیورائی	
۲	سنگ گار	〃	
۳	گیرو	تعلقہ بیڑ	
۴	گل کھار	بعض مقامات	
۵	آبک	〃	

ضلع ناندیڑ

۱	آہن	تعلقہ بانسوائرہ	
۲	آبک	بعض بعض مقامات	

ضلع گلبرگہ

۱	سنگ سیلو	تعلقات گلبرگہ چنچولی گرمکنڈ سیڑام	
۲	آہن	تعلقہ چنچولی	
۳	گیرو	〃	
۴	چقماق	〃	
۵	کورنڈ	〃	

ضلع رائچور

۱	طلا	تعلقات مانوی دیودرگ لنگسگور	
۲	الماس	دیہات پرتیال قادرگھیڑ	
		اومتاپلی کڈوٹکال وغیرہ 〃	
۳	آہن	تعلقۂ کشتگی	
۴	آبک	سمستان گدوال و تعلقہ یرگرہ	
۵	سنگ سیلو	تعلقات یادگیر و عالم پور	
۶	کورنڈ	تعلقۂ کشتگی	
۷	ابرک	تعلقۂ دیودرگ گنگاوتی	

۸	چقماق	متفرق مقامات ضلع	
۹	سنگ آسیا	〃	
۱۰	سنگ سیاہ	〃	
۱۱	سنگ سفید قسم ابرق	〃	
	ضلع عثمان آباد		
۱	آہن	متفرق مقامات	
۲	ریگ آہن	〃	
۳	آبک	〃	
	ضلع بیدر		
۱	آہن	اکثر مقامات	
۲	آبک	〃	
۳	کھڑیا سفید	〃	
۴	گیرو	〃	
۵	گل کھار	〃	
	ضلع میدک		
۱	آہن	بعض تعلقات	
۲	بلغم	تعلقہ سندی پیٹہ	
۳	گل کھار	چند جگہہ	
۴	ابرک	〃	
	ضلع نظام آباد		
۱	آہن	تعلقہ بھیمگل	
	ضلع محبوب نگر		اس ضلع کے معادن زیادہ تعلقات کویل کنڈہ دیورکنڈہ امرآباد میں ہیں
۱	سنگ بلور		

۲	سنگ کار	.	
۳	کھڑیا سفید	.	
۴	کورنڈ	.	
۵	سنگ ریزۂ سیاہ	.	
۶	آبک	.	
۷	تانبا	.	
۸	گل کمار	.	
۹	سنگ سیندہ	.	
۱۰	سنگ سرخ	.	
۱۱	چنتامنی (قیمتی دوا)	.	
۱۲	پانی صوف صیقل کے کار آمد	.	

ضلع نلگنڈہ

۱	آہن	دیول پلی	
۲	گل کمار	〃	
۳	ابرک	تعلقۂ سریاپیٹ نلگنڈہ	

ضلع ورنگل

۱	الماس	تعلقۂ پالوچہ	
۲	یاقوت	〃	
۳	ریگ طلا	〃	
۴	کویلہ	کھم املندلہ پہاڑ	
۵	آہن	تعلقات کھم مدہرہ پاکھال پالوچہ	
۶	ابرک	〃 〃 پرکال	
۷	بلغم	〃 〃 〃	

۸	مردار سنگ	تعلقات کہم پالونچہ پرکال	
۹	سنگ سرخ	〃 〃 〃	
۱۰	گیرو	〃 پاکھال	
۱۱	کرشنا ویرکم (دوا)	تعلقہ پالونچہ	
۱۲	چقماق	〃	
۱۳	سنگ صندل آسا	〃	
۱۴	کھڑیا سفید	〃	
۱۵	سنگ سلی	〃	
۱۶	سنگ ویکرانت	〃	
۱۷	ابرک	〃 کہم	
۱۸	سنگ سیلو	〃	
۱۹	تامڑا (رانگ)	تعلقۂ بلندلہ بہاڑ	
۲۰	آہک	تعلقۂ پاکھال	
۲۱	سنگ بلور نہایت عمدہ عینک بنانیکے قابل	موضع دیموار تعلقۂ مدہرہ	

ضلع کریم نگر

۱	آہک	تعلقات ایلگندل سرسلہ جگتیال	
۲	آہن	اکثر تعلقات	
۳	ریگ آہن	تعلقہ جگتیال	
۴	پنڈول	〃	
۵	سنگ سیاہ	تعلقہ ایلگندل	
۶	کورنڈ	〃	
۷	کھڑیا زرد	〃	

ضلع آصف آباد

۱	کھڑیا آسمانی رنگ	تعلقہ نرمل	
۲	کویلا	〃 راجورہ	
۳	بلغم	نرمل عادل آباد	
۴	گوپی چندن	تعلقہ عادل آباد	
۵	آہن نہایت عمدہ	نرمل	
۶	تانبا	بلغرب جاگیر	
۷	آبک	اکثر جگہہ	
۸	گل کھار	〃	

ضلع اطراف بلدہ

۱	گیرو	تعلقہ بنلور	
۲	سنگ سیاہ	〃	
۳	بلغم	〃	
۴	ابرک	〃	
۵	آبک	تعلقہ مڑچل	
۶	الماس	.	قطب شاہی زمانہ میں وہ معدن نکالے جاتے تھے۔
۷	یاقوت	.	

ہر کہیں پہاڑ لا انتہا تعداد میں ہیں جن سے تعمیر مکانات کے لئے پتھر تراشے جاتے ہیں معادن سرکار عالی میں سے اضلاع ورنگل، کریم نگر، میدک، عادل آباد کی اکثر لوہے، کویلے، تانبے کی اور ضلع رائچور میں گیارہ سو میل کے رقبہ پر سونے اور جواہرات کی معادن ۹۹ سال تک ایک یوروپین کارپوریشن "دکن مائینگ کمپنی" کو ۱۹۰۰ء میں اجارے پر عطا کئے گئے ہیں۔

اس کمپنی کے اہتمام سے ایلند اپہاڑ میں سنگرینی کے معدن سے کویلا نکالے

رہنمائے تعلیم

یہ اردو زبان کا ماہوار رسالہ نہایت تزک و شان کے ساتھ لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ اشاعت تعلیم ملک ہند کے لئے ایک سچا خیر خواہ اور مدرسین و طلبا و مدارس کا حقیقی رہنما اور مددگار ہے تعلیمی معاملات اور مدرسین کی جملہ شکایات اور ان کی بہتری کے جملہ وسائل پر کماحقہ روشنی ڈالنے والا ہے۔ ہر قسم کے مذاق کے متعلق اخلاقی و علمی مضامین کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہے۔ باایں ہمہ صرف بہ قیمت مدرسین سے اور طلبا سے بہ مقرر ہے حجم ۵۶ صفحے ماہوار ہے نمونہ مفت دوسرا پرچہ وی پی

المشتہر ماسٹر جگت سنگھ منیجر رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور

اصلاح سخن

نظم و نثر کا ایک جدید و قابل دید رسالہ، جو چند سال سے نہایت کامیابی سے جاری ہے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس قسم کا رسالہ ہندوستان میں پہلے شائع نہیں ہوا تھا۔ زبان اردو کی خدمت کیلئے جاری ہے۔ علاوہ اس کے اس کا خاص مقصد ہے کہ پرانی شاعری کو ملکی و قومی محبت کے قابل بنائے۔

المشتہر:۔ منیجر رسالہ اصلاح سخن رسالہ بازار لاہور

بالکل مفت

صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کا واحد اسلامی ارگن "ضیاء الاسلام" جس نے اپنے مبین اور مدلل اعتراضات اور روندا شکن جوابات سے مخالفین اسلام میں ہل چل مچا رکھی ہے ہر مسلمان کو ضرور ملاحظہ کرنا چاہیئے سالانہ قیمت (عیفا) ہے اور عیفا کی نہایت مفید اور کارآمد کتابیں خریداروں کو مفت نذر کیجاتی ہیں۔ مفصل حالات پرچہ نمونہ کے ملاحظہ سے جو مفت بھیجا جائیگا معلوم ہو سکتے ہیں۔

المشتہر:۔ منیجر رسالہ ضیاء الاسلام مراد آباد

دنیائے اسلام میں خونریز ہلچل

اس رسالہ میں، اُس حیرت انگیز، عظیم الشان انقلاب سلطنت ترکی کے واقعات

اسباب و نتائج پر تفصیلی مباحث درج ہیں جس سے گزشتہ سال عبدالحمید خان سابق سلطان روم کی حکومت کا ورق الٹ کے پارلیمنٹ کے دور دورے کی بنیاد قایم کی اسی کے ضمن میں ایران کی حکومت اساسی کا حال آگیا ہے اور کابل کی اندرونی شورش کا تذکرہ کیا گیا ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حکومت جمہور کے اصول اور طریقہ انتخاب ممبران پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور خاتمہ میں ممالک اسلام کی عام طرز و روش پر ایک مختصر سا ریویو کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ آیندہ مسلمانوں کی کونسی قوم ترقی کرنیوالی ہے۔ حجم ۴۰ صفحے قیمت ۴ر

منیجر صحیفہ سے طلب کرو

صحیفہ کی گذشتہ سالہ جلدیں

صرف دس بارہ رہگئی ہیں۔ ناول کا آغاز اسی سال سے ہوا ہے جو اصحاب سال حال سے خریدار ہیں اور ناول کے اوراق انکے پاس نامکمل ہیں وہ جلد طلب فرمالیں ان جلدوں کے مضامین بھی قابل دید ہیں بغیر انکے سال حال کی جلد کے بعض مضامین ناتمام رہینگے قیمت (۳) مع محصول۔

صحیفہ پریس

یہ کوئی تجارتی، بازاری پریس نہیں ہے۔ جس سے پیٹ پالنا مقصود ہو۔ بلکہ اوس کے قیام کی غرض یہ ہے کہ مذاق علمی کی اشاعت کیجاے۔ ناظرین صحیفہ اور دیگر حضرات اگر اپنی اپنی فرمائشیں روانہ کرکے اس کی ترقی میں ساعی ہوں تو سمجھا جائیگا کہ انہوں نے مذاق علمی کی اشاعت میں کافی حصہ لیا۔ کام حتی الوسع عمدگی سے کیا جاتا اور وعدے پر دیا جائیگا

منیجر صحیفہ پریس

معجزہ محبت

کے استدائی ۱۹۱۲ نسخے

جو شائقین کے رسائل کے ساتھ شائع ہوتے رہے ہیں صرف ایک روپیہ محصول میں اُن خریداران صحیفہ کو دے جارہے ہیں جنھوں نے شائقین سے خریداری متروکی ہے اگر پہ اس میں دفتر کا نقصان ہے کہ پوری کتاب کو توڑ کے آدھے اوراق ناظرین کے حوالے کئے جائیں۔ لیکن محض ان کے پاس ناظرین نے اس نقصان کو گوارا کرلیا۔ اس سلسلے میں اگر یہ حضرات توسیع اشاعت کی جانب التفات فرمائیں تو

سبحان اللہ

منیجر صحیفہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر۲ صحیفہ جلد۵

رابطہ

سواحل ہندوستان پر مسلمانوں کا تاریخی وطن

کراچی سے عجائب الہند سے اقتباسات پر روشنی

سواحل ہندوستان پر اسلامی تہذیب کی چھان بین کرتے ہوئے اتفاق سے کتب خانۂ آصفیہ میں ایک بیش بہا کتاب "عجائب الہند و برہ و بحرہ" ہماری نظر سے گذری جو ایک ایرانی النسل مسلمان جہاز ران "رزرگ بن شہریار ناخدا رام ہرمزی" کی تصنیف ہے اور یوریپ کی علمی غنا کی بدولت ۱۸۸۸ء میں پروفیسر "وان ڈر لائٹ" کے ضروری تحشیہ اور فرنچ ترجمہ کے ساتھ نہایت اہتمام سے بمقام "لیڈ" چھاپی گئی ہے سنہ کتابت ۳۴۰ھ درج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیگر گزشتہ نامور قوموں کی طرح عربوں میں بھی اسوقت ہندوستان عجائبات کا گھر شمار کیا جاتا تھا اور اسی لئے اس ادبی ذوق رکھنے والے جہاز ران نے اپنی بحری سیاحتوں میں سنے ہوئے عجائبات کا تحفہ مستند

عربوں کی خدمت میں پیش کیا ہے اور اپنے موضوع کے لحاظ سے بجائے عام تمدنی حالت کے (جو آج عجائبات سے زیادہ قابل تحقیقات شمار کی جاتی ہے) غیر معمولی واقعات کو اس رنگ میں پیش کرنا زیادہ مناسب خیال کرتا ہے جس سے سندباد جہازی کے سے قصوں کا لطف آئے۔ فی الواقع ایک جہازران سے اس تحقیق کی امید کسطرح کیجا سکتی ہے۔ ابوریحان جیسے محقق کے شایاں ہو لیکن بہرکیف اس کتاب سے ضمناً عربوں کی ہندوستان کے ساتھ تجارتی و بحری تعلقات کی تاریخ پر (جو مسلّماً تاریخ واقعہ ہے) بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسوقت جہازرانی اور تجارت کس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ بہت سے عرب ناخداؤں کے کارنامے معلوم ہوتے ہیں جنھوں نے اس زمانہ میں کمال فن اور نہایت شہرت و ناموری حاصل کی تھی۔ محمد بن بابشاد ایک جہازران کی نسبت لکھا ہے قد قیل ان بعض ملوک الہند صوّر محمد بن بابشاد فی النواحذ ۔ ۔ ۔

کی جاسکتی ہے۔ اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس انداز سے امن و امان کے ساتھ جہازوں کے ذریعہ سے اسلام کا اثر پھیلا کرتا تھا چنانچہ متعدد نو مسلموں کے حالات لکھے ہیں جس میں بلاد زنگ کے ایک امیر کے اسلام لانے کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔

سب سے زیادہ اہم تاریخی واقعہ جس سے دعوت اسلام کی تاریخ میں ایک قیمتی اضافہ ہوتا ہے وہ جزیرہ سیلون کی سفارت کا حضرت خاتم المرسلین علیہ السلام کی نبوت دریافت کرنے کے لئے جانا ہے سراندیب کے جوگیوں میں سے ایک فرقہ پیکورنامی کے حالات بیان کرتے ہوئے جس کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کو چاہتے ہیں اور اُن کی طرف بہت میلان رکھتے ہیں۔ اس نے مندرجہ ذیل روایت درج کی ہے۔

وکان اہل سرندیب لما بلغہم خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فارسلوا رجلا فہما منہم وامروہ ان یسیر الیہ فیعرف امرہ ما یدعو الیہ فعاقت الرجل عوایق و وصل الی المدینۃ بعد ان قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و توفی ابوبکر رضی اللہ عنہ و وجد القائم بالامر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فسالہ عن امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشرح لہ وبین و رجع فتوفی الرجل بنواحی

اس کے مضافات کے لوگ جب انکو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت خبر ہوئی تو انھوں نے اپنے ایک سنجیدہ شخص کو سفارت کے طور پر روانہ کیا تاکہ وہ حضرت علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ور آپ کے حالات اور دعوت سے واقف ہو۔ اس سفیر کو رکاوٹیں پیش آئیں تا آنکہ وہ مدینہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اور حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد پہنچا جبکہ خلیفہ وقت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے چنانچہ آپ سے اُسنے حضرت علیہ السلام کا حال پوچھا اور حضرت عمر نے اُس سے تمام حالات بیان کئے جس کے بعد وہ سفیر واپس لوٹا اور راستہ میں

بلاد کمران وکان مع الرجل غلام له هندی فوصل الغلام الی سرندیب وشرح لهم الامر ووقف علیه من امر النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر رضی الله عنه وانهم وجدوا صاحب النبی صلی الله علیه وسلم عمر بن الخطاب وصفه لهم تواضعه وانه کان یلبس مرقعة ویبیت فی المساجد (صفحہ ۱۵۶)

بلاد کمران کے قرب وجوار میں اسکا انتقال ہوگیا۔ اس شخص کے ساتھ ایک ہندوستانی غلام بھی تھا جو سرندیب میں واپس آیا اور یہاں اُس نے تمام حالات بیان کئے اور احوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کو واقف کرایا اور بیان کیا کہ ہم نے عمر بن الخطاب سے ملاقات کی اور ان کو نہایت متواضع پایا وہ پیوند زدہ کپڑے پہنتے ہیں اور مسجدوں میں ہی سو رہتے ہیں۔

یہ روایت بالکل قرین صدق بالمعلوم ہوتی ہے۔ شاید ناظرین ہمارے مضمون کے سلسلہ میں ا ، کہ مصنف تحفۃ المجاہدین نے ملیبار میں اسلام پہنچنے کا زمانہ تیسری صدی ہجری قرار دیا تھا جس میں حضرت ختم المرسلین علیہ السلام کے زمانہ میں ہی راجہ ملیبار کے اسلام لانے کا بیان تھا مصنف تحفۃ المجاہدین کے قابل تعریف اصول تحقیقات کو تسلیم کرنے کیساتھ ہی ہم نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ وہ گو مالک بن دینار کا زمانہ تیسری صدی ہجری قرار دیا جائے مگر اسلام اس سے پہلے ساحل ہند پر داخل ہوچکا تھا ملیبار اور سیلون کی تاریخ ایک حد تک ملی جلی ہوئی ہے اور ایک عرصہ تک ملیباری راجہ ہی سیلون پر حکمران ہوگئے تھے۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری میں ملیباری راجہ ہی سیلون میں حکمران تھے پس جو روایت اس جہاز ران نے اہل سیلون سے سنکر بیان کی ہے اور مصنف تحفۃ المجاہدین کے زمانہ میں سنا سو

برس کے امتداد سے مالک بن دینار کے واقعہ سے مل کر مخلوط ہو گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل دو الگ الگ واقعات ہیں۔ اور جس طرح مالک بن دینار کا واقعہ بجائے خود بالکل ثابت ہے اسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ اس سیلونی یا ملیباری سفارت کے واقعہ کو (جو واقعہ مالک بن دینار سے علیحدہ ہے) صحیح نہ تسلیم کیا جائے جبکہ سواحل ہند پر آثار صحابہ کرام تواتر سے ثابت ہیں اور فرشتہ کی شہادت بھی اس طرح موجود ہے "ہر آئینہ حاکم سراندیب بیشتر از زمان دیگر مواضع ہندوستان بر حقیقت اسلام مطلع شدہ در عہد صحابہ کرام مقلد قلادۂ شریعت مصطفوی گردیدہ بود" ہمکو اس کامیابی سے دلی مسرت ہوتی ہے کہ جو قیاسات ہم نے اپنے مضمون کے سلسلہ میں ابتداً قائم کئے تھے زیادہ تفتیش سے ان کے متعلق اس طرح قوی تاریخی شہادت بہم پہونچ رہی ہے۔

مصنف تحفۃ المجاہدین اور ابن بطوطہ نے سواحل ہند پر اسلامی آبادی کے متعلق جو لکھا ہے اس کی مزید تصدیق اس کتاب سے ہوتی ہے سواحل ہند خصوصاً ساحل بمبئی و سندھ کے شہروں میں بکثرت مسلمان تاجروں کے توطن کا حال معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مصنف نے بھی تصریح کی ہے کہ ہندو راجا مسلمانوں کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آتے تھے اور درباری مراسم وغیرہ کی پابندی سے ان کو معاف رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں کی اندرونی حکومت انہی کے قاضی وغیرہ کیا کرتے تھے۔

کولمبی میں ناگ سانپ نکاذ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہاں ایک مسلمان شخص موجود ہے جسکو ہندی میں نجی بولتے ہیں۔ یہ شخص پابند صلوۃ ہے اور ناگ کے کاٹے ہوئے پر کچھ پڑھکے پھونکتا ہے

اگر زہر پوری طور سے سرایت نہ کر گیا ہو تو اس کا پڑھنا اثر کرتا ہے ہندو مصنف پڑھنے والوں کا بھی ذکر کر کے لکھا ہے کہ بہ نسبت ان کے اس مسلمان شخص کے پڑھنے میں تاثیر زیادہ ہے۔

بہر حال اس سے پوری طور سے ثابت ہو جاتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں کولم ملی میں مسلمان موجود تھے۔ اس کتاب میں ایک بات قابل تعجب یہ بھی ہے کہ جا بجا تصویریں بھی دی گئی ہیں!! اور اسی طرح ان ہولناک آفات و مصائب کی تصویر بھی کھینچ جاتی ہے جو اسوقت کے غیر دخانی جہازوں کو پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ ۳۰۶ھ میں تین بڑے جہازوں کی تباہی کا حال لکھا ہے جن میں بارہ سو آدمی سوار تھے اور جو سیراف (اسوقت کے مشہور بندرگاہ) سے ساحل ہند پر آرہے تھے کنارے کے قریب پہونچکر سمندر میں طوفان پیدا ہو جانے کی وجہ سے باستثنائے (۳۳) آدمیوں کے جو ایک کشتی میں سوار ہو کر ساحل پر آلگے سب کے سب غرقاب فنا ہو گئے۔ ایک جہاز کے ربان (ناخدا) کا نام احمد لکھا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ ان جہازوں کی تباہی کی وجہ سے سیراف اور صیمور (بندرگاہ سندھ) کے شہر ماتم سرا بنگئے تھے اور ان کی تجارتی حیثیت میں زوال آگیا تھا کشتی میں سوار ہو کر بچنے والوں کی تصویر بھی دی ہے۔

غرض یہ ایک مختصر نمونہ ہے ان تاریخی فائدوں کا جو اس کتاب سے سرسری نظر میں حاصل ہوئے۔ اگر زیادہ اطمینان اور اس کے مندرجہ مقامات وغیرہ کے ناموں کی تصحیح اور ان کے موجودہ ناموں سے مطابقت کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کیا جائیگا تو اور زیادہ فوائد اس سے حاصل ہو سکتے ہیں لیکن ہمکو یورپ کا سا سامان تحقیقات اور فراغ خاطر کہاں نصیب

محمد مرتضی

ترانہ حمد

کیا ہم کریں تجسس کیا ہی نشان تیرا
سارا جہان تو ہے سارا جہان تیرا

ہو جا فنا تو ایسا ذات بقا سے ایدل
مٹ جائے ذات تیری گم ہو نشان تیرا

بت خانہ میں وہ رکھا کیا مسجد میں کیا ہی رکھا
جو کچھ ہے دل میں تو ہے دل ہی مکان تیرا

مومن ہو یا ہو کافر کرتے ہیں دل میں دونوں
کوئی یقین تیرا کوئی گمان تیرا

کعبہ کو کیوں میں جاؤں جلوہ وہاں ہے کسکا
قبضہ میں ہے بتوں کے یارب مکان تیرا

ہیں ختم دو جہاں میں با وصف بے زبانی
شان کلام تیری لطف زبان تیرا

جان صمیم تن سے جسدم جدا ہو یارب
لب پر ہو ذکر تیرا دل میں ہو دھیان تیرا

محمد عبدالرزاق صمیم وکیل بھنی

مرثیہ

اغنیا کو نہیں حاصل نرو دولت کے مزے
متوکل کو جو ملتے ہیں قناعت کے مزے

دیکھو اشرار کا کیا حال گناہوں سے ہوا
پوچھو ابرار سے کیسے ہیں عبادت کے مزے

جنکو غیرت نہیں ذلت میں بسر کرتے ہیں
شرفا جانتے ہیں غیرت و عزت کے مزے

مبتلا رنج و مصیبت میں ہیں جو کاہل ہیں
محنتی سے تو ذرا پوچھئے راحت کے مزے

جو نہیں ہارتے ناکامیوں پر بھی ہمت
کچھ انہیں لوگوں کو معلوم ہیں جیت کے مزے

جنکی نیت ہو بری ہوتے ہیں وہ رسوا بھی
پاک طینت ہی کو ملتے ہیں نجات کے مزے

کسی ناکارہ کے کام آ تو کچھ لطف ملے
کیا کہیں تم سے کہ کیا کیا ہیں اچھے کام مرا ہے تا مے

بخل سے زیست کی ملتی نہیں کچھ بھی لذت
کر بخشش تو ہوں معلوم سخاوت کے مزے

ذلتیں پاتے ہیں ارذال خیانت کے سبب
کچھ شریفوں ہی کو ملتے ہیں امانت کے مزے

عیش و راحت کی وہی قدر کیا کرتے ہیں
یاد رکھتے ہیں جو ایام مصیبت کے مزے

نوکری کی وہی کرتے ہیں مذلت کو پسند
جنکو معلوم نہیں کچھ بھی تجارت کے مزے

کرتے ہیں آپ جو دلجوئی احباب ذہین
آپ کے دل سے کوئی پوچھے مروت کے مزے

ذہین حیدرآبادی

غزل

اُسی پر آفت کی مار دیکھی اسی کا دل بیقرار دیکھا
اُسی پہ وحشت سوار دیکھی جسے محبت شعار دیکھا

دم اپنا امید پر ہے قایم - مگر ہیں ناکامیاب دایم
نہ چشم الطاف یار دیکھی نہ بخت کو سازگار دیکھا

نگہ ہے تیری کہ کوئی نشتر - ادا ہے تیری کہ تیز خنجر
جو یہ کلیجے کے پار دیکھی تو اوس کو دل میں دوسار دیکھا

اسی پہ نخوت کہ ہم ہیں کامل - اسی پہ دعوے کہ ہم ہیں قاتل
تمھارے خنجر کی دھار دیکھی - تمھارا پر زور وار دیکھا

خدا کے جو کچھ ہیں کارخانے بشر بھلا کسطرح سے جانے
نہ زندگی پائدار دیکھی نہ موت پر اختیار دیکھا

ہاتھ تمنا کو کھلتے پایا خوشی ڈالی کو ہلتے پایا
نہال دل میں بہار دیکھی بغل میں جب گلعذار دیکھا

کارزینہ ہے عشقبازی نہیں ہے کچھ اسکی چارہ سازی
قضا اُسی سے دوچار دیکھی بتوں پہ جسکو نثار دیکھا

[illegible] اخیر لے بھلا ہماری
نہ صورت انتظار دیکھی نہ شوق عشاق زار دیکھا

[illegible] یہ بس فتنہ گر سے آنکھیں کہ روتی ہیں عمر بھر سے آنکھیں
نہ شکل پھر ایکبار دیکھی نہ یار کو ہمکنار دیکھا

صلہ محبت کا خوب پایا کہ عمر بھر رنج ہی اُٹھایا
جگر کی حالت فگار دیکھی بغل میں دل داغدار دیکھا

نکر مسرت پہ ناز بازغ نہیں ہے کوئی الم سے فارغ
یہ زندگی مستعار دیکھی زمانہ ناپائدار دیکھا

سوز	قاصد سے تو پوچھا تھا کہ بھیجا ہی تو کسکا	دہشت سے اُسے نام مرا یاد نہ آیا
〃	قاصد احال دل زار سنایا نہ سنا	راست کہہ ہم سے تو اے یار سنا یا نہ سنا
〃	یہ سب باتیں ہیں قاصد یار میرے گھر نہیں آتا	نہ دیکھوں جب تلک آنکھوں سے کچھ باور نہیں آتا
〃	کہا اے قاصد کذاب کا ہوا کیا ماجرا اُس سے	میں تیرے منہ کے صدقے کیا کہا اور کیا سنا اُس سے
〃	مری حالت یہ ہے درد جدائی سے کہ اب یارب	مرا پیغام بر دیکر اسے پیغام روتا ہے
〃	نہیں پرواہ ہے قاصد کی مجھے اب	کہ میرا دل ہی میرا نامہ بر ہے
قایم	مرا پیغام بر طرز ادائے راز کیا جانے	خدا جانے کہ یہ کیا بولے وہ طنّار کیا کہے
ممنون	صبا پیغام یہ کہئے ہمارا ہم سفیروں کو	سنا جایا کرو آواز گاہے ہم اسیروں کو
جرأت	گر سرگزشت میری اس سے نہ کہیگا	یہ بوجھ تیرے سر پر اے نامہ بر رہیگا
〃	تھا ہی دھڑکا خدا جانے کہ کیا لائے پیام	جا کے وہاں سے جو نہ آیا نامہ بر اچھا ہوا
مصحفی	کہتا ہی مجھے راہ میں خط اسکا گم ہوا	قاصد کی بات کا مجھے ہرگز یقیں نہیں
〃	میں سر کو اپنے رکھکر زانو پہ خوب رویا	خط کا مرے تو قاصد الٹا جواب لایا
〃	قاصد کبھی ہمارا اس یار تک نہ پہنچا	الٹا ہی خط پھر آیا دلدار تک نہ پہنچا
〃	گلی سے یار کی قاصد مرا شتاب آیا	جواب صاف ملا خط کا یہ جواب آیا
〃	ایسا بھی اتفاق زمانے میں کم ہوا	قاصد کو موت آئی جو نامہ رقم ہوا
〃	اے مصحفی قاصد کو کہاں بھیجوں کہ خط میں	اس شوخ نے گھر کا تو پتا بھی نہیں لکھا
مومن	جاں لب ہوں خبر دوست سنا دی قاصد	لب ہلانے میں ترے کام مرا رہتا ہے
غالب	تجھے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم	میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے
〃	دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر	
ظفر	مجھے خط ہے کوئی دیکھ لے نہ اے صنم	
شہید	بوے خوش لگا رہے	
میر	ہم گرتے	

میر	غنچۂ گل کی طرح دیوانگی میں ہاتھ کو	گر نکالا بھی گریباں سے تو دامن میں رہا
درد	اندلوں کچھ عجب ہے میر احوال	دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے
سوز	دل آشفتہ عاشق ہے کہیں ہوش کہیں	سر کی دستار کہیں پاؤں کی پاپوش کہیں
جرأت	خاک جمعیت خاطر ہو بقول جرأت	جی کہیں دل ہے کہیں ہم ہیں کہیں یار کہیں
مصحفی	ہر غنچہ ہے دلبستگی طبع کا مکتوب	ہر گل ہے پریشانی خاطر کا رسالہ
〃	یہ چاک گریبان تو دامان سے گزرا	میں شوریدہ اب ایسے گریباں سے گزرا
〃	کدھر جائیے اور کہاں بیٹھئے	بہلتا نہیں دل جہاں بیٹھئے
〃	وہی دست اور وہی گریباں چاک	جب تلک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں
غالب	بوے گل نالۂ دل دود چراغ محفل	جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
شہید	گریوں ہی جنوں دست بدامان رہیگا	دامن ہی رہیگا نہ گریبان رہیگا
〃	آشفتہ سر سلسلۂ مویان جنوں ہوں	سر روز ازل طالب افسر نہوا تھا
〃	جمع کب رہتے ہیں فصل گل میں عاشق کے حواس	پھول ادھر پھولے کہ پھولے دست و پائے عندلیب

(۵) پشیمانی وندامت (۱۳)

قایم	دینے تو دیا ہے دل کو لیکن	چارہ نہیں اب سوائے افسوس
〃	شکوے اغیار سے نے یار کی بیزاری سے	جو ہوا ہم پہ سو اس دل کی گرفتاری سے
〃	درس کیا دیجے چور کو قایم	بند گھر کا ہی جبکہ در نہ کیا
	ٹھہرے ہے ناصح	یہ بھی تھا مقتضائے عہد شباب
	اری کی	اپنے ہاتھوں سے اپنی خواری کی
		ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا
		مرتے مرتے نہیں آتی
		کیا خاک مسلماں ہونگے
		ہنسا کرتے ہم

مومن	اگر نہ دام میں زلف سیہ آجاتے	تو یوں خراب و پشیماں رہا نکرتے ہم
″	جہاں نے جوں خاک ہمکو روندا نہ ہمتی تھی	ہوئی ہے مٹی خراب کیا گیا نہ تمسی ملتی نہ ایسی بنتے
شہید	جب تک نہ مدد ہو تری اے اشک ندامت	ہرگز نہو اپنا چمن حسن عمل سبز
″	کیا میں آیا تھا کرنے کو یا رب	اور چلا ہوں یہاں سے کیا کر کے

(۶) پند ناصح (۹)

سوز	خدا ہی کی قسم ناصح نہ مانوں گا کہا اب تو	نہ چھوٹے گا ترے کہنے سے میرا دل لگا اب تو
″	ناصح کیا فائدہ بکنے سے	دل پر نہیں اختیار چپ رہ
جرأت	ناصحو آپ میں جرأت نرہا	اب سمجھ کر اُسے سمجھائیگا
″	نہ مانی دل نے اپنی اور ہمنے بات ناصح کی	ہمیں کہ کہ کے ہارا وہ اسی کہ کہ کے ہارے ہم
″	کرو منع ناصح کو ہم سے نہ بولے	کہا نکلا یہ مجھوا رسیدا ہوا ہے
مصحفی	مصحفی سود نصیحت کا نہیں عاشق کو	میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے
حسن	بات کا میری کچھ خیال نہیں	ناصح اپنی ہی گائے جاتا ہے
غالب	حضرت ناصح جو آئیں دیدہ و دل فرش راہ	یہ تو مجکو کوئی سمجھائے کہ سمجھائینگے کیا
ظفر	میرے سمجھانے کو آتے حضرت ناصح ہیں آج	دیکھئے کیا مجکو سمجھاتے ہیں سمجھانے تو دو

(۷) پاس خاطر (۳)

قایم	آپ جو کچھ قرار کرتے ہیں	کہئے ہم اعتبار کرتے ہیں
″	زباں ہماری شکایت سے پاک ہے ورنہ	ہم اک گلے کے ترے سو جواب رکھتے ہیں
شہید	تجھے نگاہ مروت اگر نہیں تو نہو	ہمیں تو مد نظر پاس آشنا ہے

(۸) پاس وضع

میر	اب بھی دماغ رفتہ	
درد	کر زندگی ہوا	

قایم	وضع دوراں گو خوشا مدوں سے قایم تو ہو	ہر کس و ناکس سے دب چلنا یہ اپنی خو نہیں
״	گر سبک مجکو زمانے نے کیا ہے لیکن	یہ بھی ہے شکر کسی دل پہ تو میں بار نہیں
״	گہ پیر شیخ گاہ مرید مغاں رہے	اب تک تو ابر و سے رہے ہم جہاں رہے
مصحفی	مر جائینگے اے باد صبا دور چمن سے	پر تیری طرح خاک اڑانیکے نہیں ہم
شہید	نہ اپنی وضع ہم بدلیں نہ خو بدلیں نہ دل بدلیں	اگر قسمت گوئی بدلے تو بے پرسش بدلتے ہیں
״	دانہ و آب مقدر ہے تجھے مثل گہر	ابر و کر نہ تلف گرچہ ہو بھوکا پیاسا

(۹) پست ہمت (۱)

ظفر	کبھی رتبہ بلند اُنکا نہو جو پست ہمت ہیں	دکھاے گر بلندی لاکھ وہ اپنی عمارت کی

(۱۰) پیری (۱۳)

تاباں	سفیدی جو آئی ہے داڑھی میں تیری	سمجھ بے خبر تار و پود کفن ہے
قایم	موت سے غافل نہ رہ اے پیر ہمیں ایسے نادان سمجھ	یک بیک ہو جاتی ہے ظاہر شب مہتاب میں
جرأت	ہوئی پیری میں اس گھر کی سی حالت خانہ ترکی	در و دیوار گر کر جس مکاں کا اُٹھ نہیں سکتا
״	صبح پیری کا گر نہو تا خوف	تب مزہ تھا شب جوانی کا
مصحفی	خاک میں ملتا ہے پیری میں جوانی کا مزہ	کہنہ ہوتی ہے تو لونی لگتی ہے دیوار کو
نصیر	تمنا عشق کی رکھنا غلط تھی ہے پیری میں	کوئی افسردہ خاکستر سے ہوتا ہے شرر پیدا
ذوق	عہد پیری نے بھلایا دوڑ چلنا کودنا	ہاے طفلی کھیلنا کھانا اچھلنا کودنا
״	ہو جاتی ہے زیادہ گرانبار گناہ	پیری میں ہو خمیدہ نہ کیوں زیر بار پشت
	کوہ ماتم ہوں سر پشت خم دیکھے	سر اکو جیسے تھکا اونٹ دمبدم دیکھے
		دیکھو لڑکوں کی طرح کیوں ہوا چھلے پھرتے
		سر سبز ہے پھر خشک ہی انجام میں شاخ
		ہیں تیرا صورت پل کیوں ہوا

ایک بوڑھا
اور
تین لڑکیاں

جس طرح شجاعت، فیاضی، رحمدلی، ایفاے عہد، پاس وفا وغیرہ عربوں کی سرشت میں داخل ہے اسیطرح شاعری بھی اُن کی خمیر میں شامل ہے۔ یہ بات مردوں ہی تک محدود نہیں بلکہ عورتیں بھی موزونیت و زبان آوری کو ساتھ لئے ہوے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتی تھیں۔ دنیا کی دوسری کوئی قوم اس خصوصیت میں عربوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی سیکڑوں شاعرہ عورتیں ایسی گزری ہیں جن کے کلام سے ادب اور محاضرات کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اِن کتابوں میں عجب عجیب پرلطف حکایتیں بھی ہیں جن میں ایک فریدا رلطیفہ ہم ناظرین صحیفہ کی دلبستگی کیلئے ذیل میں حوالۂ قلم کرتے ہیں۔

ہارون الرشید کو ایک رات نیند نہ آئی۔ پریشان ہوکر ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ کہ کسی طرح دماغ کو سکون حاصل ہو اور نیند کا خمار سر پر چھا جاے۔ مگر بیچینی میں کمی نہ ہوئی۔ صبح ہوتے ہوتے اُس نے اصمعی کو بلا بھیجا اور کہا کہ اسوقت مجھے عورتوں کے متعلق ایسے حالات و اشعار سناؤ جو تمہارے نزدیک بہتر سے بہتر ہوں۔ اصمعی نے کہا کہ ایک مرتبہ میں بصرہ کو جارہا تھا اثناے راہ میں تین لڑکیوں کے اشعار مجھے بے انتہا پسند آے۔ وہ گوش گزار کرتا ہوں۔

گرمی کا موسم تھا اور رستہ میں دھوپ کی بے انتہا تمازت محسوس ہو رہی تھی میں مجبور ہو گیا کہ کوئی سایہ دار مقام ڈھونڈھوں اور وہاں جا کے سو رہوں - چاروں طرف نظر دوڑائی - دور پر ایک سائبان سا دکھائی دیا - میں دوڑا ہوا وہاں گیا - دیکھا کہ صاف ستھری جگہ ہے وہاں چھڑکاو کیا گیا ہے - ایک تخت بچھا ہوا ہے جس پر جالی لگی ہوئی ہے اور اندر سے بھینی بھینی خوشبو بھی آ رہی ہے -

میں بہت خوش ہوا اور بے تحاشا تخت پر بیٹھ گیا - تھوڑی دیر دم لیکے چاہتا تھا کہ سو جاوں اتنے میں ایک نوجوان خوب صورت لڑکی کی سریلی آواز کان میں آئی جو اپنی سہلیوں سے کہہ رہی تھی - آج ہم صبح سے رنگ رلیوں میں مصروف ہیں - ہماری دل لگیوں میں یہ بات بھی ہو تو اچھا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک - ایک ایک شعر کہے - جسکا شعر اوروں سے بڑھا ہوا ہو اُسے تین سو دینار دئے جائیں -

یہ بات دوسری لڑکیوں نے منظور کر لی اور شعر بازی شروع ہوئی - سب سے بڑی لڑکی نے سبقت کر کے یہ شعر پڑھا:-

عجبت له ان زارنی النوم مضجعی
ولو زارنی مستیقظا کان اعجبا

اگر (میرا عاشق) نیند میں میری خوابگاہ کو دیکھے تو تعجب کریگا اور اگر (وہ) بیداری میں دیکھیگا تو اُسکو اور زیادہ تعجب ہوگا

اس کے بعد منجھلی نے یہ شعر پڑھا:-

وما زارنی فی النوم الا خیالہ
فقلت له اهلا وسهلا ومرحبا

حالت خواب میں مجھ سے صرف اُسکا خیال ہی ملا ہے جسکو میں نے مرحبا کہا ہے اور اُسکا خیر مقدم ادا کیا ہے

آخر پر سب سے چھوٹی نے کہا:-

بنفسی واهلی من اری کل لیلة
ضجیعی وریاه من المسک اطیبا

میرا اور میرے خاندان کا سپر قربان جسکو میں ہر رات دیکھوں کہ وہ میرے پہلو میں ہے اور اُسکی بو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے

یہ سن کے میں نے چپکے سے دل میں کہا کہ لطافت و حلاوت اِن پر

ختم ہوگئی۔ کس غضب کا چلبلا شعر کہا ہے جسکا جواب نہیں ہوسکتا۔
اس کے بعد میں تخت سے اُٹھا اور چل چلاو کی تیاری کی۔ ناگاہ دروازہ کھلا۔ ایک لڑکی باہر آئی اور بولی "بڑے میاں! تھوڑی دیر کے لئے تخت پر بیٹھ جائے۔ آپ سے کچھ کہنا ہے۔" میں بیٹھ گیا اُس نے میرے ہاتھ میں ایک کاغذ دیا۔ میں نے کھول کے دیکھا نہایت مرغوب خط تھا۔ اُسکے الف بہت سیدھے۔ واو مدور، اور ہ مجوف تھیں۔ مضمون یہ تھا "خدا شیخ کی عمر میں برکت دے۔ ہم تین بہنیں ہیں۔ اور صبح سے اللے تللے کر رہی ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک نے ایک ایک شعر کہا ہے۔ اور تین سو دینار اس شرط پر رکھ چھوڑی ہیں کہ جس کا شعر سب سے بڑھا ہوا ہوگا وہ تین سو دینار کی مستحق ہوگی ہم نے آپ کو حکم بنایا ہے ہم ممنون ہونگی اگر آپ ہمارا فیصلہ کردینگے"
میں نے قلم دوات منگائی اور اُس پر ایک قطعہ لکھا جس میں میں نے چھوٹی لڑکی کے شعر کو ترجیح دی۔ لڑکی خوشی سے بیتاب ہوگئی اور وہ قطعہ لیکے کوٹھے پر دوڑی۔ اوپر جاتے ہی مسرت کا غلغلہ بلند ہوا۔ تالیاں بجنے لگیں اور لڑکیاں مارے خوشی کے ناچنے لگیں۔
چونکہ منزل کھوٹی رہی تھی۔ میں تخت سے اُتر کے جانے لگا وہی لڑکی نیچے اُتری اور آواز دی "جناب اصمعی صاحب ذرا ٹھہر جائے" میں نے کہا تم نے کیسے پہچانا کہ میں اصمعی ہوں؟ بولی آپ کے اشعار کہیں چھپائے سے چھپ سکتے ہیں اگرچہ آپ نے اپنا نام نہیں بتا مگر ہمیں آپ کی نظم سے معلوم ہوگیا کہ آپ اصمعی ہیں۔
یہ سنکے میں لوٹ آیا اور پھر تخت پر بیٹھ گیا۔ اسوقت دروازہ کھلا اور بڑی لڑکی دو طبق لئے ہوئے نکلی۔ ایک میں حلوا تھا اور

دوسرا میووں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے میوہ اور حلوا کھایا اور اُسکی مہربانی کا شکریہ ادا کر کے جانا چاہتا تھا کہ پھر وہی چھوٹی لڑکی نکلی اور بولی "ذرا اور بیٹھ جائیے" میں نے دیکھا اُس کے ہاتوں مہندی رچی ہوئی ہے اور وہ زرد کرتی پہنے ہوئے ہے۔ مجھے اس کا حسن و جمال دیکھکے ایسا معلوم ہوا جیسے چاند بدلی سے نکل رہا ہے۔ اس نے تین سو دینار کی تھیلی میرے پاس لا کے رکھدی اور بولی "آپ کے فیصلہ کی بدولت یہ دینار اب میرے ہیں لیکن انہیں میں آپ کو نذر دیتی ہوں"

خلیفہ نے پوچھا "اچھا یہ بتاؤ تم نے چھوٹی لڑکی کے شعر کو کیوں ترجیح دے دی؟" اصمعی نے کہا: "امیر المومنین! بڑی لڑکی کے شعر میں شرط ہے اور وہ کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں۔ منجھلی نے خیال خواب کو باندھا ہے اور اسی خیال کی نسبت خوش ہے چھوٹی نے اپنے شعر میں حقیقی ہم صحبتی کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنے محبوب کی بوے مشک سونگھ رہی ہے اور اسپر اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو قربان کر رہی ہے۔ اور یہ جبھی ہوتا ہے کہ دوسرا بہت اعلیٰ و ارفع ہو اور اس کو جان و دل سے چاہا جا رہا ہو"

خلیفہ نے اصمعی کے فیصلہ کی داد تین سو دینار کے انعام سے دی۔ جسپر اُس نے کہا کیا مزے کی بات ہے کہ اشعار کے فیصلہ پر بھی تین سو دینار ملے اور اس فیصلہ کا قصہ سنانے پر بھی تین سو دینار فقط

سید جلال غفرلہٗ

مکالمہ

یہ دلچسپ اور معنی خیز و نصیحت آمیز نظم جناب مولوی سید نجم الدین صاحب
المعی نے "مدرسہ سلطانیہ" واقع محلہ چنچل گوڑہ کے سالانہ جلسہ عام منعقدہ ۱۳ف
میں پڑھی تھی۔ چونکہ اس نظم میں جن امور اور حالات کا نوٹ کھینچا گیا ہے
وہ تمام اہل ملک کے لئے یکساں حاوی اور قابل توجہ ہیں لہذا ہم "صحیفہ" کے
ذریعہ اُن اصحاب کو بھی اس سے محظوظ مناسب خیال کرتے ہیں جو شریک
جلسہ نہیں تھے۔

سید خوندمیر سکرٹری مدرسہ سلطانیہ

کل میں جو لگا کرنے ملامت کہ تو لڑکے!
عبرت کا نمونہ ہے ترا حال برا ہے

تو اُن کی ہے اولاد کہ قسام ازل سے
اعزاز شرافت جنہیں حصہ میں ملا ہے

اُگتے ہوئے پودے کے جو ایسے ہوئے پتے
اس باغ کا آگے کو نگہبان خدا ہے

بچپن ترا بھولا نہیں۔ تھا بسکہ تو اسّہ
آنکھوں ہی جو دیکھا ہے نہ کانوں ہی سنا ہے

مچلا کبھی تو اور جو ضد چڑھ گئی تجھکو
جو ہی سے دہلا۔ نہ بی شادی سے ڈرا ہے

پھر خیر جو خواہش تری پوری ہوئی ورنہ
ریں ریں کا ہے چرخہ کہ لگاتار چلا ہے

چونچال ہوا کچھ جو سمجھ آگئی تجھکو
شیطان کے بھی کاٹ کے تو کان رہا ہے

مارا جو یہاں اسکو تو نخہ اُس کا چڑایا
چھوٹا تجھے چھوٹا نہ بڑا تیر ارا ہے

ہمجولیوں کے ساتھ اگر کھیل ہے منظور
یہ ربط بڑھایا ہے کہ بیٹھوں میں گھسا ہے

نخلا نر ہے ایک نہ اک چھیڑ نکالے
لڑنا تجھے سوجھا ہی تو ناحق بھی لڑا ہے

نیرنگ زمانہ ہے فقط تیرا تلوّن
ہنستا تو ہے ہنستا ہے۔ خفا ہے تو خفا ہے

گھنٹی کبھی سادھی ہے تو گھر کر دیا سُنسان
جب شور مچا ہے فلک سر پہ لیا ہے

یوں آنکھ بچی اور ہوا گھر سے تو چمپت
پھر خاک اڑاتے ہوئے رستوں پہ ملا ہے

سر پر برہنہ۔ ترا پاجامہ کچھ ایسا
سوجاے سے نکلا ہے۔ گریبان پھٹا ہے

آلودہ گرد ایسا کہ منہ فق نظر آئے
تو نے کسی جوگی ہی کا یا سانگ بھرا ہے

لٹو نے لگایا ہے کہیں ڈور پہ تجھ کو
گر سر میں بھری تیرے پتنگوں کی ہوا ہے

تو وہ ہے سر راہ اگھوری کی طرح سے
کلا ترا چلتا ہے دکانوں پہ اڑا ہے

پیسوں کا اڑانا وہ چھنا چھن کہ زباں پر
سودے کا ہی میوے کا مٹھائی کا مزا ہے

مکتب میں کئی بار بٹھایا تجھے۔ لیکن
دل سے کبھی لکھا نہ توجہ سے پڑھا ہے

رکھتی ہے کتاب آگے پہ کیا کہتے ہیں اسکو
ہیں چھت کو نگاہیں تری یا تل نظر ا ہے

اس کان سنا بات کو اُس کان اڑایا
بس ناک میں اُستاد کی اک تیر دیا ہے

بیچ اوپچ کہاں اب تجھے دیتا ہے دکھائی
جب آنکھ میں ریعان جوانی کا نشا ہے

گھر کرنے لگی دل میں ترے نفس پرستی
آرایش و پوشش میں فقط دھیان ترا ہے

فیشن نے کہیں کا بھی تو رکھا نہیں تجھکو
ہر وقت ترا رنگ نیا ڈھنگ نیا ہے

کب دیتی ہے کچھ کام بنائی ہوئی صورت
جاہل ہے تو ہر ایک کی آنکھوں سے گرا ہے

مغرب کا اگر علم و ہنر سیکھے تو جانیں
اس وضع کی تقلید میں کیا تیرا بھلا ہے

جو کام کرے چاہیے انساں کو سمجھ لے
آیا وہ صلاحا و رواجا بھی روا ہے

اپنا تجھے افسوس نہ اوروں کی خبر کچھ
غفلت کا یہ گھولا ہے کہ گھٹی میں پڑا ہے

ناکس جسے ہم جانتے تھے۔ دیکھ رہی ہیں
باندھے ہوے اب تجھ سے برابر کا دھڑا ہے

دعواے شرافت ہی نہیں مایۂ عزت
تعلیم کی دنیا میں بندہی آج ہوا ہے

ہی علم جنہیں دولت و عزت بھی ہے انکو
طوطی اک اُنہیں کا ہی جواب بول رہا ہے

تہذیب نے تیری ترا اخلاق بھی کھویا
گفتار میں نرمی ہے نہ آنکھوں میں حیا ہے

مذہب کی سبک تیری نگاہوں میں حکومت
نیکی کی جزا ہے نہ گناہوں کی سزا ہے

تو نے عقائد کو نہ بے عقل لڑاے
پھر وہ بھی جو سمجھا ہے زمانے سے جدا ہے

بیزار مگر کام کی باتوں سے ترا دل
ہاں اور کوئی کام ہو مانا کہ برا ہے

از بسکہ خرافات میں دن کٹتا ہی سارا
پھر شب کی بھی امید تلافی تجھی کیا ہے

چھوڑے گی ترا ساتھ نہ قسمت کی خرابی
غرقاب ہے تو گردش ساغر میں گھرا ہے
اندھیر ہے! بے رات گئے گھر نہیں جاتا
جس گھر میں تجھے کہتے ہیں سب گھر کا دیا ہے
وہ جوہر قابل مری باتوں پہ یہ بولا
"جو آپ کا کہنا ہے درست اور بجا ہے
اے المعی الزام مجھی پر نہیں اس کا
باوا کا تغافل ہے یہ اماں کی خطا ہے"

غزل

ہماری اب یہہ نوبت ہوگئی ہے اُن کی الفت میں
بھٹکتے پھر رہے ہیں جا بجا صحرا و وحشت میں
مزہ یہ ہے خدا ملتا ہے اُس بت کی محبت میں
عجب بازیچۂ عشق مجازی ہے حقیقت میں
کرو جو کچھ ستم کرتے ہو ہم پر سب یہ زیبا ہے
مگر اتنا بتا دو کیا یہی ہوتا ہے الفت میں
نہ دیکھا قتل گہ میں دیر تک جب ہمنے قاتل کو
گلا خود رکھدیا خنجر پہ ارمان شہادت میں
پرستش کر رہے ہیں ہم کسی کی کچھ سمجھکر
بتا دینگے تمتحیہ طعنہ زن کو کل قیامت میں
کرشموں سے اداؤں سے لبھا لیتے ہیں عاشق کو
بلا کی شوخیاں ہیں ان حسینوں کی طبیعت میں
اگر زاہد کو تھا انکار مے سے مست پوچھو تو
وہ پھر کس واسطے آیا تھا ہم رندوں کی صحبت میں

مست حیدرآبادی

بمبئی کا نواح

ماخوذ از حالات بمبئی

کرجت وہ مقام ہے جہاں بمبئی سے پونہ کو آتے وقت ڈبوں میں روشنی کر دیجاتی ہے اور ٹرین کے پیچھے ایک انجن زیادہ قوت والا لگایا جاتا ہے کیونکہ یہاں سے لینا ولی تک چڑھاو کا حصہ زیادہ ہے جسکو ایک انجن نہیں طے کر سکتا کرجت میں ان پہاڑی انجنوں کا معتد بہ اسٹاک ہر وقت تیار رہتا ہے۔ یہ انجن قوت میں معمولی انجنوں سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں ان کے پہیے بھی چھ کے بجائے آٹھ ہوتے ہیں۔

بمبئی کا گرد و نواح حد تک تک سرسبزی میں گھرا ہوا ہے۔ ریل کی سڑک کے دورویہ باغ ہی باغ نظر آتے ہیں۔ زمین عموماً ریتلی ہے جس میں جابجا چھوٹے بڑے ٹیلے "وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بہم" کی یاد دلاتے ہیں ان ٹیلوں پر بہت سے چھوٹے بڑے تاڑ کے درخت اوگے ہوئے بہت بھلے معلوم ہوتے اور ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے کسی مٹی کے تودے میں عود بتیاں لگی ہوئی ہیں۔

بمبئی سے دس بارہ میل ادھر سمندر کے آثار شروع ہو جاتے ہیں تھوڑی تھوڑی دور پر کنٹے اور تالاب ملتے جاتے ہیں۔ زمین بھی نمناک ہے۔ یہاں سے ایک خاص قسم کی بدبو دماغ کی ضیافت کرنے لگتی ہے کچھ تو اس وجہ سے کہ اس مقام پر دباغت و بوٹ سازی کی بڑی بڑی فیکٹریاں شروع ہوتی ہیں۔ کچھ اس سبب سے کہ سمندر کے کناروں پر مختلف الاقسام، پانی میں ملی رہتی ہیں۔ اور کچھ اس باعث کہ مغربی سمندر

باعث کہ مغربی سمندری ہوا کے قافلے دکن کو جاتے ہوئے شہر کی عفونت کو بدرقہ بنا کے اسی سمت سے گزرتے ہیں۔ اس فضا کی ہوا گو ناگوں عفونتوں سے متکیف رہتی ہے۔ مسافروں کا شامہ جواب تک بالا گھاٹ کے پہاڑوں اور وادیوں کی پاک وصاف چھنی ہوئی ہوا سے اپنے مشام مبارک کی تواضع میں مصروف رہتا ہے اس بدبو سے حد درجہ منغض ومتنفر ہو جاتا ہے۔

چونکہ منزل وپنج منزل عمارتیں جو دیہاتیوں کی توجہ کو وقف حیرت کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوتی ہونگی اُن کا سلسلہ یہاں سے شروع ہو جاتا ہے جسطرح حیدر آباد کی آبادی سکندر آباد، بلارم تک چلی گئی ہے۔ اسیطرح بمبئی کی آبادی بھی دس بارہ میل تک طول میں چلی گئی ہے۔ جگہ جگہ پر لوکل اسٹیشن بنے ہوئے ہیں جن کے نام وار۔ بائی کلہ۔ کھاٹ کوپر۔ پریل وغیرہ ہیں جہاں دس دس منٹ کے فصل سے لوکل ٹرینیں آتی جاتی رہتی ہیں اور جن میں کاروبار کی کثرت آدمیوں کو کھچا کھچ بھر دیا کرتی ہے۔ لوکل ٹرینوں کی آمد ورفت اور اُن کی جھنجھناہٹ وسنسناہٹ بھی بجائے خود ایک تماشا ہے ایک ایک ٹرین میں کم وبیش ایک ایک ہزار آدمی بیٹھے رہتے ہیں۔ ان میں اکثر مضافات کے رہنے والے ہوتے ہیں۔ جن کو مختلف کاروبار صبح ہوتے ہی بمبئی پہونچنے کی ضرورت محسوس کرا دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے بمبئی کی مردم شماری رات کی بہ نسبت بڑھ جاتی ہوگی۔

ریل کی سڑک بوری بندر کے اسٹیشن پر منتہی ہوتی ہے۔ لوں تو بمبئی میں اصلی ریلوے اسٹیشن دو ہیں۔ کلابا اسٹیشن۔ اور بوری بندر اسٹیشن۔ جسکو وکٹوریہ ٹرمنس بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں مختلف ریلوے کمپنیوں کے اسٹیشن ہیں۔ لیکن ان میں بوری بندر کا اسٹیشن بہت بلند، عظیم الشان، اور قابل دید ہے۔ اس کی عمارت لوہے اور پتھر سے بنائی گئی ہے بیرونی رخ پر پتھروں میں اعلیٰ درجہ کے نقش ونگار بنائے گئے ہیں

اس کی عظمت اسی سے ثابت ہو سکتی ہے کہ اُس کے فوٹو کارڈوں پر چھاپ کے فروخت کئے جاتے ہیں۔ اس اسٹیشن میں آٹھ پلیٹ فارم ہیں۔ مختلف سمتوں پر روانہ ہونیوالی گاڑیاں مختلف پلیٹ فارموں پر کھڑی ہوتی ہیں پبلک کی سہولت کے لئے ایک بہت بڑے بورڈ پر ہر گاڑی کے روانہ ہونے کا وقت جلی حروف میں لکھا رہتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ وہ کس پلیٹ فارم پر کھڑی ہوگی اور کس حصّہ ملک کی جانب سفر کریگی مگر افسوس ہے کہ یہ سب کچھ بورڈ پر انگریزی حروف میں ہوتا ہے جو لوگ انگریزی سے نابلد ہوں وہ اس آسانی سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے البتہ اُن کو "اِن کوئری آفس" سے فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ اِن کوئری آفس ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جسکو دارالاستفسار کہہ سکتے ہیں۔ یہاں دو آدمی خاص اس غرض سے متعین رہتے ہیں کہ مسافروں کو استفسارات کے جواب دیں اور مختلف ریلوے معلومات میں رہنمائی کریں۔ مسافرین اور لوکل ٹرمینوں کے منتظر و نیز مال و اسباب کو جنوبی ہند میں روانہ کرنیوالوں کا یہاں ایک میلہ سا لگا رہتا ہے جن کے غل غپاڑے سے کان پڑے آواز نہیں سنی دیتی۔ کاروبار کی کثرت سے ہر شخص اپنی اپنی دھن میں لگا رہتا ہے کسی کو کسی سے بغیر ضرورت کے تعرض کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ الغرض یہ اسٹیشن اچھا خاصا لوحفان بے تمیزی ہے۔

میں اس اسٹیشن پر ٹرین سے اتر کے وکٹوریہ میں سوار ہوا۔ وکٹوریہ یہاں کی ایسی ہی سواری ہے۔ جیسے حیدرآباد میں جھٹکے ہیں۔ مگر جھٹکوں سے اس کو کوئی نسبت نہیں کیونکہ وہ تو اسم بامسمّیٰ جھٹکے ہیں۔ اور یہ ایک گھوڑے کی بہ برنا رگی ہے جس میں چار آدمی نہایت آرام و اطمینان سے بیٹھ سکتے ہیں بوری بندر کا اسٹیشن صرف اپنی عظمت اور خوبصورتی کے لحاظ سے ہی قابل دید و بے نظیر نہیں ہے۔ بلکہ جائے وقوع کے اعتبار سے بھی ایک اہمیت رکھتا ہے

کیونکہ اول تو یہ سمندر سے بہت قریب ہے "اپالو" نامی مشہور تفریح گاہ یہاں سے دو چار سو قدم بھی نہیں ہے پھر یہ جس محلہ میں واقع ہے وہ محلہ شاندار عمارتوں وسیع سڑکوں پر رونق شاپوں اور صحت و صفائی کے لحاظ سے بمبئی بھر میں منتخب ہے اس لئے جب وکٹوریہ اسٹیشن کی بلڈنگ سے باہر نکلی تو جو منظر مجھے نظر آیا وہ عجیب و غریب اور اپنی کیفیتوں، نوعیتوں اور حالتوں میں بالکل مختلف ہے۔ لفظوں میں اتنی قوت نہیں ہے کہ پوری طرح اس کا سماں دکھلا سکیں۔ تاہم کوشش کیجاتی ہے کہ بمبئی کی ایک ہلکی سی جھلک ہمارے ناظرین کو ضرور نظر آجائے۔

میں نے دیکھا کہ نہایت وسیع و فراخ لمبی لمبی سڑکیں دور دور تک چلی گئی ہیں جن پر ٹرام گاڑیاں، موٹریں، سیکلیں، بگیاں، وکٹوریہ فٹنیں، باربرداری کی کھاچریں اس کثرت و سرعت سے آتی جاتی ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہیں ایک دوسرے سے ٹکرا نہ جائیں یا پیادہ رو اُن کی جھپٹ میں نہ آجائیں۔

مختلف وضع و ہیئت، مختلف رنگ و روغن اور مختلف تراش خراش کے آدمیوں کا انبوہ کثیر اور ازدحام عظیم ہے کہ سڑکوں پر ہر چہار طرف امڈا ہوا اور پھیلا ہوا ہے۔ اس ازدحام میں کم و بیش دنیا کی تمام قوموں کے قایم مقام موجود ہیں۔ عرب، ایرانی، افغانی، چینی، جاپانی، ترکی گجراتی، مرہٹے، بوہرے، پارسی، انگریز سب کے سب کاروبار کی لپیٹ میں آکے سیارہ وار انسانی کوشش و حرکت کر رہے ہیں۔ اپنے مطلب اور اپنی دھن کے سوا کسی کو کسی سے غرض نہیں۔ بمبئی کی ہر گلی اور ہر سڑک میں لوگوں کی یہی کھما کھمی اور گڑبڑ پائی جاتی ہے۔ دیہاتیوں یا چھوٹے شہروں کے رہنے والوں کو ہر گلی میں ایک ایک میلے کا دھوکھا ہوتا ہے مگر دراصل یہاں کی معمولی حالت ہے جس میں کسی میلے یا تہوار کے موقع پر کوئی فرق نہیں ہوتی۔ چنانچہ دسہرا میرے سامنے گزرا جسمیں کوئی

غیر معمولی گڑبڑ اور اہتمام نہیں پایا گیا۔ نظر اُٹھا کے اوپر دیکھنے سے عالم بالا کی حالت اور بھی حیرت انگیز دکھائی دیتی ہے۔ پانچ پانچ چھے چھے منزلہ سر بفلک کشیدہ عمارتیں بادل تک پہونچنے کی کوشش کر رہی ہیں اِن کے نیچے جاکر اوپر کی منزل کو دیکھنا ٹوپی یا شملے کی عزت لینا ہے۔ ان عمارتوں کے چہرے مختلف قسم کے کالے، پیلے، نیلے، سفید، مصنوعی اور اصلی پتھروں سے اتارے جاتے ہیں اِنمیں رنگ برنگ کے شیشوں اور قسم قسم کی چوب تراشیوں کا کمال دکھانے والے دروازے اور کھڑکیاں نصب رہتی ہیں یہ عمارتیں خوبصورتی اور کاریگری میں موجودہ فن تعمیر کی ترقی کو دوبالا ثابت کرنے میں پوری کامیاب ہوتی ہیں۔ شام کیوقت جب اِن کے مختلف درجوں میں برقی رنگ برنگ کی نفیس روشنی جگمگانے لگتی ہے تو عجب دلفریب حسن پیدا ہوتا ہے۔ خصوصاً اُن تاجروں کی کوٹھیوں میں جو الماریوں اور آئینوں سے دوکانوں کو سجائے رکھتے ہیں نظر خیرہ ہونے لگتی ہے قلعہ کے محلہ میں جہاں نئی صناعی و کاریگری کے نمونے فیشن کے مطابق بکثرت مہیا کئے گئے ہیں اس روشنی سے دیوالی یاد آجاتی ہے۔

بمبئی کی آبادی جس خطہ پر بستی ہے وہ دراصل ایک چھوٹا سا جزیرہ نما ہے جس کے تین طرف سمندر ہے اس جزیرہ نما کی وسعت کم اور آبادی زیادہ (یعنے دس لاکھ کے قریب) ہے اس وجہ سے یہاں کی زمین بہت قیمتی ہے اور عمارتیں جاگیروں کا حکم رکھتی ہیں۔ ایک ایک عمارت کا سالانہ کرایہ پچاس پچاس ہزار یا اس سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔ تنگی جا کا نتیجہ ہے کہ عمارتیں ہوائی قلعوں میں مداخلت بیجا کرتی جارہی ہیں اور سمندر کی ساحلی عملداری میں بھی تصرف شروع ہورہا ہے۔ چھوٹی پہاڑیوں کو جو آبادی میں بعض جگہ واقع ہیں سرنگوں سے اڑا اڑا کے صاف میدان بنایا جارہا ہے۔ جگہ کی تنگی

اور عمارتوں کی بلندی کے باعث بمبئی کی آبادی میں کبھی تیز ہوا مجھسے نہ ٹکرائی البتہ غربی ساحل پر کچھ کچھ تموج کے آثار محسوس ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ گنجان محلوں اور گلیوں میں چوطرف تعفن اپنا ڈیرا جمائے رکھتی ہے۔ یہ تعفن مختلف بدبوؤں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ کچھ تو غلاظت انسانی وحیوانی اور کچھ غلاظت جمادی (یعنے گرنیوں اور کارخانوں کے دھوئیں اور کوئلے) اور کچھ غلاظت نباتی (یعنے اشیائے خورونوش کے پکنے اور گلنے سڑنے کی) اور کچھ غلاظت مختلفہ (یعنے روغنوں تیلوں دوائیوں کلوں وغیرہ) کی بدبو کے اس کے عناصر اربعہ ہیں۔ اگرچہ صفائی کا خاص اہتمام ہے اور بڑے بڑے محلوں میں ایک چھوٹے انجن کے ذریعہ سے مہریاں صاف کیجاتی ہیں تاہم یہ بدبو دور نہیں ہوتی۔ گنجان محلوں میں ہر طرف منوں کوڑا پڑا رہتا ہے۔ اسی سبب سے طاعون ملعون کو بمبئی کیساتھ خاص الفت ہوگئی ہے اور وہ بھی اُسکو اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتی۔

گرنیوں کی کثرت سے بمبئی کے سر پر ہمیشہ ہلکا سا دھواں چھایا رہتا ہے اور یہ دھواں قریب قریب کے سمندری کناروں تک پہونچتا ہے۔ اس کی پوری کیفیت دیکھنے کے لئے وال کیشر کے مقام پر چڑھنا چاہئے جہانسے بمبئی کا منظر نہایت خوشنما اور اسطرح نظر آتا ہے جیسے آئینہ میں صورت

دوکانوں پر اردو میں کم اور گجراتی اور انگریزی میں زیادہ سائین بورڈ اور اشتہارات لگائے جاتے ہیں۔ ایک ایک عمارت کے مختلف درجوں میں کئی کئی اشتہار نظر پڑتے ہیں۔ ٹرام گاڑیوں پر مدامی خوشنما اور مضبوط اشتہار نصب ہیں۔ اس سے آنے جانیوالوں کی نگاہوں میں فوراً اشیاء مشتہرہ کے نام سما جاتے ہیں۔ ٹرام گاڑیوں کے برقی تار جن کی کشش پر ٹرام کی نقل وحرکت کا دارومدار ہے سڑکوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ بعض بڑی بڑی سڑکوں پر جہاں مختلف سمتوں سے ٹرامیں آتی

تقاطع واقع ہوا ہے یہ تار اسقدر گنجان ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ساکنین زمین کے سروں پر جالا تانا گیا ہے کہ مبادا قلت جا سے گھبرا کے قلم و آسمانی کیطرف پرواز کر جائیں - ٹرام کی ٹیریاں جن پر ٹرام گاڑیاں دوڑتی ہیں ریل کی ٹیری کی طرح سطح زمین سے اونچی نہیں بلکہ بالکل مساوی ہیں - دوسری گاڑیوں کو ان پر سے گزرنے میں کوئی رکاوٹ دقت نہیں ہوتی - یہاں کے گاڑی چلانے والے اپنے فن میں بڑی مہارت رکھتے ہیں ورنہ بمبئی کے سے غدار شہر میں تصادم کے واقعات روزانہ سیکڑوں واقع ہو جاتے مجھے وکٹوریہ میں بیٹھے بیٹھے اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں کسی گاڑی یا راہرو سے ٹکرا نجائے بعض تنگ گلیوں میں وکٹوریہ اسطرح بھی گزری کہ اُس کے پہیوں سے چار چار انچ پر راہروں کے قدم تھے - گاڑی ہانکنے والونکو منٹ بھر میں بیسیوں دفعہ "اے یو" - "اے یو" کی صدا لگانی پڑتی ہے پیدل چلنے والے حیدرآباد والوں کی طرح اڑیل اور سرکش نہیں ہیں فوراً باز و ہٹ جاتے ہیں - اور گاڑی والوں کے حقوق راہروی کی ترجیح کا پورا لحاظ رکھتے ہیں - گاڑی والوں کے پاس شرح کرایہ کی ایک چھوٹی سی کتاب ہوتی ہے جس میں اُن کا فوٹو بھی چسپاں رہتا ہے - کرایہ دریافت کیا جاے تو فوراً وہ کتاب مستفسر کے حوالہ کر دیتے ہیں - یہ بہت اچھا طریقہ ہے اِس سے بڑھا لکھا اجنبی دھوکا نہیں کھا سکتا - گاڑی والوں کو ایک خاص قسم کی خاکی وردی پہننی لازمی ہوتی ہے - سروں پر سرخ ترکی ٹوپی ہوتی ہے - اگر ہمارے یہاں بھی اِسکا رواج ہو جاے تو اچھا ہے - جھٹکے والوں کے میلے کچیلے چیتھڑوں سے جھٹکے میں بیٹھنے والوں کو نفرت نہوا کریگی -

یہاں کی عام زبان گجراتی اور مرہٹی ہے - اس کے بعد اردو کا نمبر ہے - چونکہ اقطاع عالم سے ہر ملک کے مسافر آتے جاتے ہیں

اس لئے یہاں کے کاروباری باشندوں کو اشارہ بازی و کنایہ فہمی میں بھی اچھا خاصا دخل ہے۔

ہوٹل اور چاء خانے رستہ میں کثرت سے نظر آتے ہیں۔ اِن میں چاء، کافی، آئسکریم، سوڈا، لیمونیڈ، برف، شربت، شراب، تمام اقسام کے بسکٹ اور انگریزی مٹھائیاں وغیرہ موجود رہتی ہیں۔ بعض چاء خانوں میں کھانے کا بھی پورا انتظام رہتا ہے گلیوں کے چاء خانے معمولی اور غلیظ ہوتے ہیں جن کے سامنے رستہ پر ہی سیکڑوں آدمی بنچیں بچھا کے بیٹھے رہتے ہیں اور چاء، کافی، پان، سگرٹ، کے ساتھ گپ بازی کا لطف اٹھاتے ہیں۔ سگرٹ کا رواج زیادہ نہیں ہے۔ عام طور پر بیڑی استعمال کی جاتی ہے جسکا تمباکو سگرٹ سے زیادہ نفیس ہوتا ہے۔

اڈیٹر

غزل

خلاف طبع نازک کرتے ہیں جو کام کرتے ہیں
تمہارے چاہنے والوں کو ہم بدنام کرتے ہیں

نہ فکر ہجر میں ہیبت نہ ذکر وصل میں لذت
نہ ہنسکر صبح کرتے ہیں نہ رو کر شام کرتے ہیں

نہ رونے کا طریقہ ہے نہ ہنسنے کا سلیقہ ہے
غرض ہر کام بے اندیشۂ انجام کرتے ہیں

نظر بازی کسی کی چشم فتاں سے کچھ آساں ہے
بڑی تم پر سے وحشی ہرن کو رام کرتے ہیں

یہ مستی اور پھر یہ بت پرستی حضرت کیفی
بھلے مانس اسی پر دعوی اسلام کرتے ہیں

کیفی حیدرآبادی

استفسارات

سلسلہ کے لئے نمبر ۶ جلد ۴ ملاحظہ ہو

جوابات

استفسار نمبر ۶ کے جواب میں ناسخ کے اس شعر کا مطلب ؎

تین تریبنی ہیں دو آنکھیں مری اب الہ آباد بھی پنجاب ہے

میں اپنے خیال کے موافق پیش کرتا ہوں اس شعر میں لفظ تریبنی ہے جسکو غلطی سے تریھینی لکھدیا گیا ہے۔ یہ ایسا لفظ ہے جس کی معنی سمجھ میں آجانے سے شعر کا مطلب صاف ہوجاتا ہے۔

تریبنی دراصل ایک سنسکرت لفظ تریبنڑی کی ہندی صورت ہے۔ ترکے معنی تین اور بینڑی گندھی ہوئی زنانی چوٹی کو کہتے ہیں۔ ان معنی کے خیال سے ہندی شعرا کی تریبنی ایک ایسی جگہ سے مراد ہے۔ جہاں تین دریا ملکر چوٹی کی طرح لہراتے ہوئے بہتے ہوں۔ ہندوستان میں یہ مثال الہ آباد میں نظر آتی ہے جہاں ہندوستان کے دو مشہور دریاؤں گنگا اور جمنا کا میل ہوتا ہے اور ایک چھوٹی سی ندی سرسوتی بھی ان میں آکر مل جاتی ہے۔

اسی سین کا ذکر مولانا جامی نے بھی رامائن کے فارسی ترجمے میں اُس جگہ کیا ہے جہاں رامائن کے ہیرو۔ رام، لچھمن اور سیتا بن میں پھر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

روان رام و لچھمن چوں بجمن و گنگ میانش جانکے چوں سرسوتی رنگھا

اس لئے ناسخ الہ آباد میں آنکھوں کی روانی یا غم کی کہانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ترمنی یعنے گنگا، جمنا، سرسوتی، تین دریا اور دو میری آنکھیں مل جانے سے اب الہ آباد بھی پنجاب یعنے پانچ دریاؤں والا ہوگیا۔ مطلب آنکھوں کی گریہ وزاری یا آنسوؤں کی روانی دکھانا ہے۔

خادم چند لعل چاول والہ (دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر ۳ صحیفہ جلد ۵

ضعیف الاعتقادی

ذیل کا مضمون جس اہم عنوان پر لکھا گیا ہے اُس سے مسلمانوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔ جہالت نے عموماً مسلمانوں کو اس مرض میں مبتلا کر دیا ہے جس کے کارن وہ شرک و کفر کی کھائی کے کنارے آ لگے ہیں اور اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ ہم اُس کی وجہ سے دین و دنیا کی کیسی بربادکن آفتوں میں وہ پھنس گئے ہیں۔ یہ مرض زیادہ عورتوں میں پایا جاتا ہے اور انکی وجہ سے جاہل مردوں کی طبیعتوں میں بھی سرایت کر جاتا ہے۔ ہر شخص کو چاہئے ایسے مفید مضامین کو خود بھی پڑھے اور اپنے گھر کی عورتوں کو بھی پڑھکر سنائے اور اچھی طرح اُن کو سمجھائے۔

یہ ایسا عالمگیر مرض ہے کہ ہر زمانے میں ہر ملک میں ہر قوم و ملت میں عورت، مرد، جوان، بوڑھے، کم و بیش سبھی کسی نہ کسی قسم کے توہم میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ عقلاً و نقلاً اس کی لغویت چودھویں رات کی چاندنی اور دوپہر کی دھوپ کی طرح روشن و ظاہر ہے۔ ہمارے ضعف اعتقاد نے ہمکو وہ روز بد دکھایا ہے کہ العیاذ باللہ۔ یکے نقصان مایہ دیگر شماتت ہمسایہ۔ کبھی پتھر کو پوجا۔ کہیں مٹی کے

ڈھیر کو سجدہ کیا - کسی کے آگے ناک رگڑی ہاتھ جوڑے قدموں پر سر رکھا -
غرض جو نہ کرنا تھا کیا جو نہ سننا تھا سنا جو باتیں خاص خدا کے قبضۂ اختیار میں ہیں
اُن کو بندوں سے طلب کرنے لگے غیب کی خبریں پوچھیں اولاد مانگی - رزق مانگا
خزانۂ غیب طلب کیا - رفع ضرر کے گنڈے باندھے - موت کو ٹالنے کی تدبیریں
ڈھونڈیں - شرک کیا - بدعت کی - خدا کو بھولے - رسول کو بھولے - دو جہان میں
ذلیل ہوئے - قرآن مجید میں جابجا صراحت کے ساتھ ان تمام باتوں کا ذکر ہے
کما قال اللہ تعالیٰ - عندہ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا ہو ویعلم ما فی البر والبحر
دوسری جگہ فرماتا ہے - وللہ غیب السموات والارض یخلق ما یشاء ویہب لمن یشاء
اناثا ویہب لمن یشاء ذکورا ویجعل من یشاء عقیما - اور ایک جگہ فرماتا ہے "عندہ
علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا
وما تدری نفس بای ارض تموت" ان آیتوں کا خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ خدا کے
سوائے کوئی عالم الغیب نہیں ہے - وہ جسکو چاہتا ہے اولاد دیتا ہے - بانجھ
کرتا ہے - پانی کو وہی برساتا ہے - رحم کے اندر کا حال جانتا ہے - کوئی
نہیں جانتا کہ کل اس پر کیا گذرنے والی ہے اور کہاں مرنے والا ہے - پیغمبر کو
حکم ہوا تم کہدو کہ ہم غیب کا حال نہیں جانتے - ہمارے پاس خدا کے
خزانے نہیں ہیں - ہم اپنے آپ کو نفع نہیں پہنچا سکتے اگر ہم کچھ بھی قدرت رکھتے تو
کبھی ہم کسی قسم کے رنج و تکلیف میں مبتلا نہ ہوتے اور بہت سے اپنی بہتری کے کام
کر لیتے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے - قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ
لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء - دیگر - لا اقول لکم عندی
خزائن اللہ ولا اعلم الغیب بلکہ یوں ارشاد ہوا - انما الغیب للہ فانتظروا انی
معکم من المنتظرین - یعنے خدا کے سوا کوئی غیب دان نہیں ہے اس کے
منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ ہوں جب پیغمبروں کا یہ حال ہے ہم دوسروں سے
کیا توقع رکھیں - کون ہے جو غیب کی خبر بتا سکے اور ہمارے ضرر کو دور کر سکے

اور ہم کو لاولا دے سکے ہماری بلاؤں کو ٹال سکے بلکہ خدا نے ایسی باتیں ہی پوچھنے کو منع فرمایا کہ جس کے ظاہر ہونے سے رنج پہنچے جیسا کہ فرمایا ہے یا ایہا الذین امنوا لاتسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم" یعنے اے لوگو ایسی باتیں نہ پوچھو جن کا اظہار تمھیں برا لگے۔

الغرض جب لوگوں کی طبیعتیں بودی اور اعتقاد ضعیف پائے گئے تو چالاکوں اور بدمعاشوں نے اُن کو دھوکا دینے کے لئے طرح طرح کے حیلے پیدا کئے۔ کوئی نجومی بنکر غیب کی خبریں بتانے لگا اور رشوتی طالع کو دفع کرنیکی تدبیر سکھانے لگا۔ کوئی جوگی کا سوانگ لایا۔ کوئی ننگا مزدوب کی طرح بنکر یا کوئی فقیر خدا پرست بنکر لوگوں کو پھانسنے کے لئے رشتہ تسبیح سے دام و کمند کا کام لینے لگا۔ کوئی کیمیاگر بنکر آنکھوں میں خاک ڈالنے لگا کوئی ملا بنکر موت سے بچنے کے کنڈے باندھنے لگا۔ غرض یہ سب مکار گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر ایک کے ہاتھ سے بچے تو دوسرے نے پھندا مارا۔ دوسرے سے بچے تو تیسرے نے جال لگا ان سب سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ ؎

اے بسا ابلیس آدم صورت است پس بہر دستے نشاید داد دست

ہم ان میں سے ہر ایک کا حال آیندہ بیان کرینگے۔

گزشتہ سال جو سورا اتفاق سے ہمارے شہر میں طغیانی ہوئی تو اب بیسیوں پیشین گوئی کرنے والے پیدا ہو گئے تاکہ ہم کو ڈرا کر اپنا پیٹ بھریں۔ اس سے پیشتر کسی نے ندی کے آنے کی خبر ندی تاکہ ہم ہوشیار ہو جائے اب ہم حضرت نجومی کی پوتی بچارتے ہیں اور پہلے انہیں کا حال بیان کرتے ہیں۔ اور دلائل سے نجوم کی لغویت کو ثابت کرتے ہیں۔

نجوم محض دھوکے کی ٹٹی ہے اگرچہ اسوقت بہت سے منجمین ایسے ہیں کہ اُن کا مقصود کبھی دھوکا دینا نہیں ہے۔ لیکن فی الحقیقت وہ خود دھوکے میں مبتلا ہیں جو نجوم کو سچا سمجھکر اس پر عامل ہیں۔ کیونکہ اصل واضع نے یہ علم

دھوکا دینے کے لئے وضع کیا ہے یا خود اس کے ضعف اعتقاد کا نتیجہ ہے جیسا کہ آگے ہم اُس کی لغویت اور عدم ضرورت کو ثابت کرینگے۔

اب سنئے حضرت منجم ستاروں کے وکیل، سورج کے پوتے، چاند کے بیٹے زہرہ کے طبل چی، مشتری کے دستار بند، عطارد کے قلمدان بردار، مریخ کے داروغۂ سلاح خانہ، زحل کے چیلے، راس و ذنب کے خاکروب، یہ سچ سہی مگر درحقیقت کچھ بھی نہیں۔ لوگوں کی قسمت کا حال تو بتاتے ہیں لیکن خود بھیک مانگ کر کھاتے ہیں۔ دو دو پیسے لیکر زائچہ کھینچتے ہیں۔ دوسروں کیلئے آسمان کے تارے توڑ لاتے ہیں مگر خود خاک اڑاتے ہیں اُنکی تو وہی مثل ہے

تو کار زمیں را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پرداختی

استغفر اللہ

تو نخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نجومی بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

سعدی علیہ الرحمہ نے گلستان میں نجومی کی ایک حکایت اچھی لکھی ہے۔ جسکے مکان میں ایک غیر شخص اُسکی بی بی کے پاس آیا تھا اور اُن حضرت کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ آخر میں یہ شعر لکھا ہے۔

تو چہ دانی کہ در نہان تو چیست چوں ندانی کہ در سرائے تو کیست

یہ حضرت تو بغیر ساعت کے بات ہی نہیں کرتے ہر کام کی ساعت مقرر ہے شادی کریں تو اُن سے اجازت لیں۔ لڑکا پیدا ہوا تو اُن سے پوچھکر نام رکھیں غرض اُن اجازت کے بغیر پتا نہ ہلائیں جہاں اِن کے خلاف حکم کیا نحوست میں گرفتار ہوئے اور اگر کچھ بھینٹ چڑھا دی تو خیریت ہے۔ ورنہ خیر نہیں سبحان اللہ۔ کالے چوٹ کنوڈے بھینٹ۔ گھر جلے کسی کا تاپے کوئی۔

اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ ستاروں کی حرکت اختیاری تو نہیں ہے یعنے شعور و ادراک کے ساتھ جب چاہیں حرکت کریں اور جب چاہیں ٹھہر جائیں اور جس طرف چاہیں حرکت کریں اور جسطرف چاہیں نہ کریں بلکہ اُن کی

حرکت اضطراری ہے یعنے بلا شعور و ادراک انکا مقتضا ہی یہ ہے کہ ایک طریق معین پر ہمیشہ حرکت کرتے رہیں تو پھر ایک بار نیکی کرنا اور ایک بار بدی کرنا کیا معنے اس میں تو اُن کا اختیار ثابت ہوتا ہے اور یہ باطل ہے۔ مثلاً آگ اپنے فعل میں اختیار نہیں رکھتی ہے اُسکا کام ہی یہ ہے کہ جس چیز کو جلاتا ہے ہمیشہ جلاے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایکبار جلاے اور ایک بار نہ جلاے۔ پس اِن سیاروں کی حرکت سے جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ خط استوا کے قرب و بعد کے لحاظ سے بمناسبت عرض بلند و طول عام اثر ہوتا ہے زید و عمر کی ذات سے کچھ خصوصیت نہیں ہے مثلاً اگر کسی شہر میں اسوقت گرمی کی فصل ہے تو ہر گھر میں ہوگی جاڑا ہے تو ہر گھر میں ہوگا صبح ہے تو ہر گھر میں ہے شام ہے تو ہر گھر میں ہے۔ پھر زید کے لئے سعادت اور عمر کے نحوست کیا معنے خدا کی ایک مخلوق کو بے خطا بلا سبب بغیر کسی دلیل کے منحوس کہدینا کسقدر بری بات ہے۔ مریخ نحس اصغر کیوں ہے زحل نحس اکبر کیوں ہے یہ تو نحس نہیں ہیں مگر منجم خود بدبخت منحوس ہے خفاش آفتاب کو منحوس سمجھے ہے آفتاب منحوس نہیں ہوسکتا ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ
راست خواہی ہزار چشم چناں — کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

اب میں اس خیال باطل کی تکذیب میں ایک دلیل پیش کرتا ہوں۔

فرض کرو کہ کسی وقت ایک ہی سکنڈ میں کسی شہر میں ایک ہزار لڑکے تولد ہوے اور وہ وقت باعتقاد منجمین نہایت سعد بلکہ اسعد تھا تو چاہئے کہ وہ ہزار لڑکے اوس شہر کے بادشاہ ہو جائیں یا اگر وہ ساعت نحس اکبر تھی تو وہ ہزار کے ہزار خاکروب ہو جائیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر یہ کہا جاے کہ بیشک اگر اُس ساعت میں جتنے لڑکے ہوئے وہ سب ایک ہی حالت میں رہینگے تو جب بھی حضرت منجم کا وجود بیکار

ہوا۔ کیا فقیر ہونے والے کو یہ امیر بنا دینگے۔ مثلاً زید کے نام والے کو اسوقت بارھویں مشتری آٹھواں منگل قدم پر ساٹھ سے ساتی آئی تو بتاؤ منجم صاحب معلوم کر کے کیا کرینگے اُن کے اعتقاد کے بموجب جو دو گھڑی بعد قبر کھدنی تھی دو گھڑی پہلے کھدوا دینگے اور ستارہ کو رشوت دیکر ملک الموت کو پلٹا دینے کے بہانے سے اپنا پیٹ پالینگے ایسے پیٹ پالنے پر لعنت ہے یوں پیٹ پالنا تو کتا بھی جانتا ہے۔ ونعوذ باللہ من ذالک الاعتقاد فاتقوا اللہ یا اولی الالباب لعلکم تفلحون۔

اب منجم صاحب یہ کہیں گے کہ امور غیر اختیاری میں ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ امور اختیاری میں اگر ہم سے پوچھکر نیک ساعت میں کوئی کام کیا جائے تو اُس کا نتیجہ نیک ہوگا۔ یہ بھی خام خیالی ہے ہم اس کے جواب میں بھی لاعلم کہینگے اور سعادت ونحوست کی دلیل طلب کرینگے وہ اپنا سالہا سال کا تجربہ پیش کرینگے جو ایک قسم کا حصر استقراری ہے اسکی تردید میں ہم بھی اپنا تجربہ اس کے خلاف میں پیش کرینگے۔ مثلاً کسی منجم سے چار ساعتیں سعد اور چار ساعتیں نحس لکھوالی جائیں اور ان آٹھوں ساعتوں میں آٹھ کام کئے جائیں اس کے بعد دیکھ لیا جاے کہ نیک ساعت میں کئے ہوے کتنے کام خراب ہوے اور بد ساعت میں کئے ہوے کتنے کام درست ہوے کبھی نیک کا نمبر بڑھ جائیگا اور کبھی بد کا۔ اگر اس کو امر اتفاقی قرار دیا جاے تو وہ بھی اتفاقی ہے جو وہ یقینی ہے تو یہ بھی یقینی ہے۔ فما ہو جوابہم فہو جوابنا۔

پس خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو بیجا صرف کرنا کسقدر کفران نعمت ہے ہمکو سمجھنا چاہئے کہ چاند سورج اور ستارے خدا نے کس لئے بناے ہیں۔ یہ سب ہمارے فائدے کے لئے ہیں۔ اِن کے پیدا کرنیکی غرض خدا خود ارشاد فرماتا ہے۔ جعل لکم النجوم لتھتدوا بہا فی ظلمت البر والبحر

اور نیز فرماتا ہے - ہوالذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورًا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب - یعنے تارے رات کو خشکی اور تری میں راستہ معلوم کرنے کے لئے ہیں - اور چاند سورج روشنی حاصل کرنے - اور ماہ و سال کا حساب جاننے کے لئے ہے نہ انکی سعادت ونحوست طلب کرنے کے لئے ہیں

ترا تیشہ دادہ کہ ہیزم شکن نگفتا کہ دیوار مسجد بکن

ہمکو چاہئے کہ راسخ الاعتقاد بنیں اور گمراہی سے بچیں - ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

چاند، سورج، اور ستارے اس لئے نہیں ہیں کہ ہم اُن کو سعد و نحس سمجھکر اُن کی تعظیم کریں یا اُن سے ڈرا کریں چنانچہ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ السلام کا قصہ قرآن میں اسطرح مذکور ہے - فلما جن علیہ اللیل رأی کوکبا قال ہذا ربی فلما افل قال لا احب الآفلین فلما رأی القمر بازغۃ قال ہذا ربی فلما افل قال لئن لم یہدنی ربی لاکونن من القوم الضالین فلما رأی الشمس بازغۃ قال ہذا ربی ہذا اکبر فلما افلت قال یا قوم انی بری مما تشرکون انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین یعنے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ستارون اور چاند سورج کو دیکھا تو اُن کی بہت عظمت دل میں سمائی یہاں تک کہ اُن کے معبود ہونے کا خیال پیدا ہوگیا - لیکن جب تامل فرمایا تو معلوم ہوگیا کہ اُن کا طلوع و غروب اور اُنکا تغیر ہی اُن کے حدوث کی دلیل ہے اُن کو خود اپنی حرکت وسکون میں کچھ اختیار نہیں ہے تو دوسروں کے لئے یہ کیا کر سکتے ہیں سبحان اللہ ما خلق ذالک الا بالحق یفصل الایات لقوم یعلمون - اب اس کے خلاف میں کہنا یا سُننا شرک ہے، کفر ہے، کذب، افترا ہے کما قال فمن اظلم ممن افتر علی اللہ کذبا لیضل الناس بغیر علم یعنے بغیر علم لوگوں کو گمراہ کرنے والے سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے - فاتقوا اللہ یا اولی الالباب لعلکم تفلحون -

نظم

زبون و خوار ہو انسان کی حالت — ضعیف الاعتقادی کی بدولت
قوی ہوں دست و پا تو فائدہ کیا — اگر ہم رکھتے ہیں ضعف عقیدت
نہ جبتک اعتقاد اپنا ہو واثق — نہ کام آئیگی ہرگز کوئی قوت
ہر اک ناقص کو ہم سمجھینگے کامل — کرینگے ہر کسی سے خوف و دہشت
ضعیف الاعتقادی ہی کے باعث — کرینگے غیر خالق کی عبادت
مزاروں کی پرستش ہم کرینگے — خلاف دین و آئین شریعت
پھرینگے باندھتے چلے ہر اک جا — رہیگی شیخ چلی کی سی حالت
ہر اک ننگے کو ہم جانینگے مجذوب — لنگوٹی والے کو پیر طریقت
کرینگے بھنگڑوں سے التجا ہم — برآئے تا ہماری ہے جو حاجت
نجومی سے کبھی پوچھینگے جاکر — ہم اپنے نیک و بد کی سب حقیقت
کبھی ہم عاملوں کے پاس جاکر — ہوں خواہشمند افسوں و عزیمت
پئے رفع ضرر صدقے اُتاریں — کہ تا روہو ستاروں کی نحوست
یہ باتیں ہیں خلاف عقل ساری — جو سمجھو تو سراسر ہے حماقت
نکلتا ہے کہیں صدقوں سے کچھ کام — ستارے بھی کہیں لیتے ہیں رشوت
نجومی سے عبث ہے پوچھنا حال — کوئی کیا غیب کی جانے حقیقت
اگر جانا بھی ہم نے حال تو کیا — پڑیگی بلکہ دونی اور مصیبت
رہیں ہم کل کے غم میں آج ہی سے — غم فردا میں کھوئیں آج راحت
مٹا دیں دل سے یہ ساری خیالات — بسر ہو عمر تا باعیش و عشرت

اگر اپنی بھلائی چاہتے ہیں ؎
نہ رکھیں لمعہ ہم ضعف عقیدت ؎

لمعہ حیدرآبادی

سواحل ہند میں مسلمانوں کا توطن

ملیبار کوارٹرلی ریویو کے گزشتہ نمبر میں ملیبار کے ماپلے مسلمانوں کی نسبت ایک بسیط مضمون چھاپا گیا تھا۔ مضمون نگار نے بھی اپنے مضمون کے شروع میں تسلیم کیا ہے کہ "جنوبی ہند کے مغربی حصہ میں اسلام کی ایک خاص تاریخ ہے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں کی نسبت بہت بڑا فرق رکھتی ہے اس سے پہلے کہ اسلام فاتحانہ حیثیت سے ہندوستان میں داخل ہو اس نے صلح و امان کیساتھ یہاں اپنا گھر بنا لیا تھا۔

جو نئی باتیں اس مضمون سے دریافت ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ "کولیڈی کے قریب ایک پتھر پر یہ کندہ ہے۔ علی بن عبدالرحمٰن نے اس جہان فانی کو چھوڑ کر عالم بقا کو سدھارا۔ ۱۶۶ھ" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی میں مسلمان ملیبار میں آگئے تھے۔ اس مضمون سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تحفۃ المجاہدین کے مصنف کا نام شیخ زین الدین ہے۔ یہ ہمکو معلوم ہے کہ شیخ زین الدین مشہور شافعی فقیہ ابن حجر مکی کے (جنکو شافعی ثانی کہا جاتا ہے) شاگرد اور ملیبار میں آکر متوطن ہو گئے تھے اور بہت سی فقہی کتابیں انکی یادگار موجود ہیں۔ پس اس نامور فقیہ نے تاریخی تصنیف سے ثابت کر دیا ہے کہ فقہا جب تاریخ پر توجہ کریں تو وہ اسکو اعلیٰ پیمانہ پر لکھ سکتے ہیں۔

چیرامن پیرومل نومسلم راجۂ ملیبار جس کی قبر شحر یا ظفار میں ہونے کی روایت تحفۃ المجاہدین میں ہے۔ اس کے متعلق مسٹر لوگن نے ایک عرب سے سنا ہے کہ اس راجہ کی قبر ظفار میں ہے اور اس کے سنگ مزار پر یہ کندہ ہے۔ تاریخ ورود ظفار ۳۱۳ھ اور وفات ۳۱۶ھ نام عبدالرحمٰن سامری

محمد مرتضیٰ

"اپنی آپ مدد کرو"

یہ پر حکمت مقولہ سموئل کی تحریر سے ہے۔ عقلمند اپنے تمام کاموں کی بنیاد اعتماد علی النفس کے اصول پر رکھتے ہیں۔ اسی کی چمکدار روشنی سے زندگی کی گہری تاریکیوں میں واضح اور صاف راستہ پاتے ہیں۔ اور منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہیں۔

جو آدمی ہر ایک کام میں اپنی ہی ذات پر اعتماد رکھتا ہے وہ اسبات کا مستحق ہے کہ دوسرا اس کی عزت کریں، اُس کی کوششوں کا اور نیز اُسکی ذاتی فضیلت کا اعتراف کریں۔ ایسا شخص جبتک کہ اس کی قوت ارادیہ اس کی مدد کرتی رہے کسی مددگار کی بے توجہی اور کسی دوست کی کنارہ کشی سے ہراساں نہیں ہوتا۔

جو شخص اپنے آپ کو کسی کام کے کرنے پر قادر تصور کرتا ہے وہ اُس کام کے کرنے پر اکثر قادر ہوتا ہے۔ اور جو شخص اپنے کو کسی کام کے کرنے میں عاجز تصور کرتا ہے وہ لامحالہ اُس کام کے کرنے سے عاجز رہتا ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے خیالات کو اعلیٰ رکھے۔ اپنے آپ کو ضعیف و عاجز تصور نہ کرے۔ دوسروں کی امداد و اعانت پر بھروسہ نہ کرے، بلکہ ہمیشہ یہ خیال اپنے نصب العین رکھے کہ میں جو چاہوں کرسکتا ہوں، اور مجھکو ہر مفید اور نافع کام بے کھٹکے کرنا چاہئے اسی اصول کی طرف قرآن شریف میں اشارہ کیا گیا ہے کہ لیس للانسان الا ما سعی۔ ایک فارسی شاعر کہتا ہے

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

اعتماد علی النفس یا اپنے آپ پر بھروسہ کرنا یا خود کو کسی کام کے قادر تصور کرنا اور غیر کی امداد و اعانت سے اپنے کو مستغنی سمجھنا ایک

ایسی کیفیت یا حالت ہے کہ جس شخص میں پائی جاے وہ سعید کہلانے اور جس شخص میں وہ نپائی جاے وہ شقی کہلانے کا مستحق ہے۔

یہ حالت یا کیفیت فطرتاً خدا کی طرف سے اس کی طبیعت میں ودیعت کی جاتی ہے یا کسب و اکتساب سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان میں بہت سے ایسے صفات ہیں جو مجاہدہ اور ریاضت سے اور نفس کو انکا عادی بنانے سے طبیعت میں پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کی بھی حالت ہے

اس مقام پر ایک مثال دیجاتی ہے جس سے اچھی طرح سمجھ میں آجائیگا محض اعتماد النفس کی صفت پیدا ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ جنکو قدرت نے سعادت اور خوشحالی کے اسباب سے بہرہ ور کیا ہے بدبخت ہیں۔ اور بہت سے لوگ جنکو مبدأ فیاض نے اور ذرائع فارغ البالی اور خوشحالی سے تو محروم کیا ہے مگر ایک اعتماد علی النفس کی گراں بہا صفت سے ممتاز و سرفراز فرمایا ہے خوشحال اور نیک بخت ہیں۔ ایک مالدار شخص ہے جس کے لئے ہر طرح اسباب آسایش و تنعم مہیا ہیں۔ مگر با این ہمہ وہ زمانہ کے ذرا سی ناسازگاری سے اسقدر پریشان ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو بدبخت اور شقی تصور کرنے لگتا ہے۔ صرصر حوادث کے ہلکے سے ہلکے جھونکے کی بھی وہ مقاومت نہیں کرسکتا اور خود کو بالکل بے بس و بیکس پاتا ہے ایسا شخص واقع میں بدنصیب ہے کیونکہ اسمیں اپنے آپ پر بھروسہ کرنیکا مادہ نہیں ہے اسکے برخلاف ایک شخص ہے جو بالکل مفلس اور محتاج ہے زمانہ نے اور کسی طرح سے اوسکی مدد نہیں کی لیکن اعتماد علی النفس کا گرانمایہ وصف اسکی طبیعت میں ودیعت کر دیا ہے جس کے باعث وہ سیکڑوں مخالفتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے اپنے زور بازو سے روٹی پیدا کرتا ہے۔ خود کو خوشحال اور

دوسروں کی امداد و اعانت سے مستغنی تصور کرتا ہے یہ شخص درحقیقت سعید اور خوش نصیب ہے کیونکہ اسمیں ایک بہت بڑا جوہر ہے جس سے ہزار نقصانات کی تلافی ہو سکتی ہے - یہ ایسی مثال ہے کہ ایسی ایسی سیکڑوں غالباً ہر شخص آئے دن اپنے پیش نظر رکھتا ہوگا -

ایک فلاسفر سے پوچھا گیا کہ خوش نصیب کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ شخص جو اپنی ذات میں آثار سعادت دیکھے - آثار سعادت کے دیکھنے سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنے میں اسقدر قوت پائے کہ بغیر کسی کی معاونت کے عمدہ کام انجام دے سکے اُس کو اپنے آپ پر اسقدر بھروسہ ہو کہ جس کام کے کرنے کا وہ ارادہ کرے اس کو بدون کسی کی مدد کے پورا کر سکے -

کسی کام کے انجام دینے میں اپنی ذات پر اعتماد کرنا جیسا کہ ایک شخص کی ذات میں مستحسن ہے - اسی طرح کل افراد قوم میں ایسے خیال کا جاگزیں ہونا اور بھی زیادہ مفید ہے کیونکہ کسی مفید خیال اور رائے میں کل افراد کا متحد اور متفق ہونا قوم کو فائدہ رسانی کا بہترین ذریعہ ہے - عرب کا ایک مشہور شاعر اس اعلیٰ وصف کے متعلق کہتا ہے -

وانما الرجل الدنیا و واحدہا　　من لا یعول فی الدنیا علی احد

دنیا کا ہیرو اور فرد فرید وہ شخص ہے　　جو دنیا میں کسی شخص پر بھروسہ نہ کرے

یہاں یہ سمجھ رکھنا چاہئے کہ اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ کسی کام میں لوگوں سے کوئی مدد نہ لی جائے - کیونکہ یہ بالکل محال ہے - انسان مدنی الطبع ہے معاونت اور مشارکت ہر کام میں انسان کے لئے نہایت ضروری ہے ورنہ کارخانہ عالم کی مشین رک جائیگی اور اس کے کل پرزے کام دینے سے جواب دیدینگے - آپنے آپ پر بھروسہ کرنے کے یہ معنے ہیں کہ اکثر و بیشتر انسان اپنی ذات پر اعتماد

کرے اور بقدر ضرورت دوسروں سے بھی مدد لے دوسروں پر تکیہ کر کے
اور خود اپاہج بنکے بیٹھا نہ رہے بلکہ جو کچھ کرے اپنے بل بوتے پر کرے۔

سید جلال

غزل

رہا کرتا ہے افسردہ مرا ہر انجمن میں دل — اٹھی جا کے بہاروں میں اپنا کس چمن میں دل
بہاریں لوٹتا ہے گلرخوں کی ہر چمن میں دل — کبھی اس انجمن میں دل کبھی اس انجمن میں دل
شگفتہ اسقدر رہوتا ہے اسکی انجمن میں دل — نہیں پھولا سماتا ہے خوشی سے پیرہن میں دل
دمِ مضطر ہوں نہ چین آئیگا مجکو بعد مرنے بھی — عجب کیا ہے اگر تڑپے یونہی میرا کفن میں دل
اثر جاتا ہے کوئی شعلہ رویوں کی محبت کا — جلا کرتا ہے مثل شمع اپنا انجمن میں دل
عجب تسخیر دیکھی ان پری زادوں کی باتوں میں — اڑا لیتے ہیں یہ عاشق کا اپنے اک سخن میں دل
کبھی انسان سے گھر کی محبت چھٹ نہیں سکتی — جو میں ہوں وادی غربت میں ہے میرا وطن میں دل
خوشی کیسی کہاں کی شادمانی اسکو الفت میں — گھرا رہتا ہے اپنا ہر گھڑی رنج و محن میں دل
اسے میں نے تجلی میں بہت یارب چھپایا تھا — پڑا کسطرح سے اس کی نگاہ سحر فن میں دل
دمِ اظہار شوق اسبات کا رہتا ہے اندیشہ — نہ کہدے آرزو اس سے کہیں دیوانپن میں دل
کسی صیاد سے دشوار تھی اس کی گرفتاری — تعجب ہے پھنسا کسطرح زلف پرشکن میں دل
جلایا ہے بہت ظالم نے اسکو آہ سوزاں سے — عجب کیا ہے لگادے آگ اگر چرخ کہن میں دل

شہ محبوب کو اسے **واصفی** رکھے خدا زندہ
کہ ہے اس کی بدولت چین سے اپنا وطن میں دل

رباعی

اک عمر حسینوں سے ہم آغوش رہے — پینے پہ جو آئے تو بلا نوش رہے
کرتے رہے جو جی میں سمائی اپنے — جب تھک گئے سب کر کے تو خاموش رہے

" کب تک ہم دوستی نبا ہیں تیری — تو خیر کو ہم خیر ہی چاہیں تیری
او شعبدہ گر آنکھ ملا دیکھ ادھر — پہچانتے ہیں ہم بھی نگاہیں تیری

میر سعادت علی **اول** حیدرآبادی

باعفت وصال کا آئیڈیا (تصویر)

مشرقی شاعری میں جہاں زنانہ عصمت کے پاکیزہ سے پاکیزہ آئیڈیل موجود ہیں یہ بات سخت اعتراض کے قابل ہوتی اگر اس میں مردوں کے باعفت وصال کا آئیڈیا نہ ملتا۔ اس کمی کو عربی خاتم الشعرا ابو فراس نے پورا کر دیا ہے جس کی نسبت انوری کا یہ شعر مشہور ہے۔

شاعری دانی کدامی قوم کرد ذکر آنکہ بود　　آخر شاں بو فراس و اول ہشاں بحتری

اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بیتیں جو عربی شاعری کے باپ امرالقیس کے مشہور معلقہ کی نظم سنکر جس میں اس نے وصال یار کی نہایت صفائی کے ساتھ تصویر کھینچی ہے تڑپنے لگتی ہیں۔ کہاں تک اس خیال عفت کی قدر کرینگے لیکن وہ دل جس میں انسانی اعلیٰ ترین جذبات کا دریا موجزن ہے اس "شان یوسفی" کی نظم سنکر مرحبا کہنے لگیگے۔

فیا نفس مالاقیت من لذع الہوی	اے میرے نفس تو نے سوز عشق سے کیا کچھ سہا!
ویا قلب ما جرت علیک النواظر	اور اے میرے دل تجھ پر میری آنکھیں کیا کچھ مصیبت کھینچ لائیں۔
ویا عفتی مالی ومالک کلما	اور اے میری عفت! تجھے ہوا کیا ہے کہ جب میں
ہممت بامر دنی منک زاجر	کچھ ارادہ کرتا ہوں تو تیری جھڑکیاں مجھ اپنے ارادہ سے ہٹا دیتی ہیں
کان الحجا والفضل والعون والتقی	گویا کہ عقل سلیم، فضل، عفت، تقوے،
علی لربات الخدور ضرائر	میری سوکنیں ہیں جو مجھے پردہ نشینوں کی صحبت سے متمتع ہونے نہیں دیتیں
وہن وان جانبت ما یتغیہ	جب سے کہ میں جوان ہوا ہوں یہ پردہ نشین عورتیں مجھ سے یاری نہیں
حبائب عندی ما تکنت اثائر	لیکن جو بات وہ مجھ سے چاہتی ہیں میں اس سے کنارہ کش ہوں
وکم لیلۃ حضت الاسنۃ نحوہا	ایسی کئی راتیں گزری ہیں جن میں ان کے پاس نیزوں کی زد سے
وما بدأت حین ولا نام سائر	بچتا ہوا پہنچا ہوں ایسی راتیں جس میں کسی کی آنکھ لگی ہو اور کسی شب رو کو
تقول اذا ابتہا متدرعا	وہ مجھ سے کہتی ہے جب میں اس کے پاس زرہ پوش ہو کر

انا ایر شوق انت ام انت ثائر	آپ کو اشتیاق ملاقات کھینچ لایا ہے یا آپ بدلہ لینے کیلئے آئے ہیں
فقلت لہا کلا ولکن زیارۃ	میں نے اس سے کہا نہیں نہیں بدلہ لینے نہیں بلکہ ملاقات کے
تخاض حقوف دونہا والمخاذر	جس میں ہلاکت اور خوف کی پروا نہ کرکے ہر قسم کی پرخطر گھاٹیاں طے کرکے آیا ہوں اسلئے کہ تم مسلح دکھائی دیتی ہو
فلما خلونا یعلم اللہ وحدہ	جب ہماری خلوت ہوئی تو خدا سے کہ شریک خوب جانتا ہے
لقد کرمت نجری وعفت سرائر	کہ میرا کرتہ شریفانہ رہا اور میرے باطنی جذبات باعفت رہے
وبت یظن الناس فی ظنونہم	میں نے رات اس حالت میں بسر کی کہ لوگ میرے بارہ میں
ولی بما یا برجم الناس طاہر	طرح طرح کے گمان کرتے تھے لیکن میرا دامن لوگوں کی بدگمانیوں سے پاک رہا

محمد مرتضیٰ

غزل

پوری نہ ہو گر دسترس عیش پس غم — نکلے مری کچھ تو ہوس عیش پس غم
غم عیش سے وابستہ ہے اور عیش ہے غم سے — لازم ہیں غم و عیش پس عیش پس غم
ہے غم ہی پس غم تجھے ۔ یہ کہتی ہے تقدیر — دل کہتا ہے دوڑے فرس عیش پس غم
یوں دونوں سدھارے مرے دلسے دم آخر — آگے نفس غم نفس عیش پس غم
پھر دل میں سمانے لگی دھن بزم طرب کی — پھر ہونے لگی باز پس عیش پس غم
مشتاق تھے مدت سے اسی آواز کے صدشکر — آئی تو ۔ صدائے جرس عیش پس غم
کیا یاد نہیں ہیں اُسے تکلف کے ایام — پھولا ہے جو اتنا نفس عیش پس غم
وصل اسکا ہوا ۔ ہجر گیا ۔ اب مرا سینہ — ہے طائر دل کو قفس عیش پس غم
کس شوق سے رس چوس رہی ہے گل دل کا — لیتی ہے مزے اب مگس عیش پس غم
حق تو یہ ہے ۔ وہ اچھے ہیں اچھا ہے غم اُنکا — جنکو نہیں رہتی ہوس عیش پس غم
جس عیش میں یاد آئیں غم و رنج کے صدمے — وہ غم ہے ۔ نہیں دسترس عیش پس غم
دونوں ہوئے رخصت نہ خوشی ہی نہ الم ہی — تجھے تھے رہیگا نفس عیش پس غم
غم آتے ہی رخصت تو ہوا عیش الٰہی — پھر خیر سے ہو باز پس عیش پس غم

رکھوں نہ ہوس عیش کی میں ایک بھی باقی
اب کے ہو اگر دسترس عیش پس غم

استفسارات

سلسلہ کے لئے نمبر ۶ جلد ۴ ملاحظہ ہو

جوابات

استفسار نمبر ۶

تین تریبی ہیں دو آنکھیں مری اب الہ آباد بھی پنجاب ہے

الہ آباد میں۔ گنگا اور جمنا دونوں ندیاں ملکر بہتی ہیں۔ اور تریبنی نام ایک اور ندی بھی اس میں شامل ہوگئی ہے جسکی وجہ سے ان متفقہ ندیوں کا نام ہی تین تریبنی ہوگیا ہے شاعر نے اپنی دو آنکھوں کو (جو اعتبار آرزوانی اشک کی وجہ سے ندیوں سے کم نہیں) اسمیں شامل کرکے ۵ ندیاں بنائیں اور اسی اعتبار سے کہتا ہے کہ اب الہ آباد بھی پنجاب ہے اسلئے کہ مثل پنجاب کے الہ آباد میں بھی پانچ ندیاں بہتی ہیں۔

استفسار نمبر ۱۰

مرجا رقیب رشک سے گو ہے وصال آج ہے اسکی چشم شوخ ادا میرے واسطے

میں خیال کرتا ہوں کہ یہ معما اسم (مومن) کا ہے مصرعہ ثانی میں لفظ میرے سے مراد (من) ہے اس کی ضمیر کا مرجع الفاظ مرجا اور وصال کی طرف ہے۔ اور دونوں الفاظ کی چشم یعنے ان کے ابتدا سے (م) اور (و) ہیں جنکا مجموع (مو) ہوا۔ اور (من) کے ساتھ ملکر (مومن) ہوگیا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ۔ شوخ نگاہی ہائے چشم فرگاں کی وجہ سے ہے تو چشم شوخ ادا سے (مو) مراد ہے اور (میرے) من اور دونوں ملکر مومن

بانی نغ حیدرآبادی

استفسار نمبر ۷ و ۸ و ۹ کی جانب کسی صاحب نے ابتک توجہ نہیں فرمائی یہ امر علمدوست ناظرین صیغہ کے لئے موجب افسوس ہے۔

اڈیٹر

باب التکار

(۱) تمنائے ملاقات (۳۴)

میر	روزانہ ملوں یارسے یا شب ہو ملاقات	کیا فکر کریں ہیں کہ کسی ڈھب ہو ملاقات
〃	آ کو بھی تو پاس ہمارے بھی نازسے	کرنا سلوک خوب ہے اہل نیاز سے
درد	میں نہیں کہتا کہیں تم اور مت جایا کرو	بندہ پرور اسطرف کو بھی کبھی آیا کرو
〃	ہرچند یہ تمنا درخور نہیں ہماری	نزدیک تو جو آوے کیا دور ہے کرم سے
〃	تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا	تری آرزو ہے اگر آرزو ہے
〃	جو ملنا ہے مل پھر کہاں زندگانی	کہاں میں کہاں تو کہاں نوجوانی
〃	جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی	ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی
سوز	کہاں نصیب کہ اُس شوخ سے کلام کروں	جو حال دل ہے اسے کہکے میں تمام کروں
〃	کیوں مشق و مہرباں کسی کے	ہم سے بھی اگر ملو تو کیا ہو
〃	مرے گھر میں الٰہی ایک شب وہ ماہتاب آوے	کہ اس دل کو ہو آرام اور ہمسایوں کو خواب آوے
〃	تجھ بن ہے عذاب زندگانی	ہے میری خراب زندگانی
〃	جو پہلے ہمسے الفت تھی وہ اب اُسمیں نہیں باقی	کہاں ہر روز کا ملنا کہ ہر دم کی ہے مشتاقی
جرأت	بھلا دیکھو تو ہم تم ایک ہی بستی میں بستے ہیں	سو تس پر یہ غضب ہے دیکھنے کو بھی ترستے ہیں
〃	شکل دکھلائے کہیں تو ہمیں ؟	قتل کر جائے نہیں تو ہمیں
〃	آنے کی خبر ہے اُس کے لیکن	آتا نہیں اعتبار دل کو
〃	اس کے آنے میں اب جو دیر ہے کچھ	یہ بھی قسمت کا اپر پھیر ہے کچھ
〃	جواب بھی آن پہنچو تم تو پیارے خیر ہے ورنہ	قلق سے دل کے یہاں پہنچی ہے نوبت تلملانے کی
〃	کیا دیر ہے چمن میں ہوا ہے بہار ہے	ساقی پہنچ شتاب کہ تیری پکار ہے
〃	آہیں مت بھر اسے لے آتے ہیں	اتنی حامی نہیں بھرتا کوئی
〃	کوئی یہاں اس کوئے آئے بلا تے	بہانے سے کسی اور آشنا کے

مصحفی	اب ملاقات کی وہ شکل نہیں	دیکھ لیتے ہیں گاہ گاہ کہیں
〃	ملے نہ آکے کبھی مصحفی سے تم افسوس	امید وار تمھارا امید وار رہا
〃	صرف مشتاق ہیں اک تیری ملاقات کے ہم	آرزومند نہیں اور کسی بات کے ہم
〃	آؤ کبھی چمن میں ان کو بھی منھ دکھاؤ	مدت سے گل چمن میں مشتاق رنگ و بو ہیں
〃	آنکلے ہو آخر تو ادھر راہ کرم سے	نزدیک ہے بندہ کا بھی گھر دیکھتے جاؤ
〃	یار آکر رہے قریب مرے	ایسے ہیں اب کہاں نصیب مرے
〃	جاؤں بے تقریب کیونکر اسکے پاس	کچھ تو ملنے کا بہانہ چاہیے
حسن	دن کی راتیں ہوئیں وعدہ میں ہوئے رات کے دن	کوں سے ہوں گے الٰہی وہ ملاقات کے دن
غالب	مرے دل میں ہے شوق وصل یار و شکوۂ ہجراں	خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی
مومن	اب بھی نہیں جاتی ترے آجانیکی امید	گو پھر گئیں آنکھیں پہ نگہ جانب در ہے
〃	آتا نہیں ہے تو تو نشانی ہی بھیجدے	تسکین اضطراب دل زار کے لئے
شہید	ہر روز میں کوچہ میں ترے آتا ہوں سو بار	ہوتی نہیں افسوس ہے اک بار ملاقات
〃	یوسف کو جا کے مصر میں دے کوئی یہ خبر	گریاں ہے تیری ہجر میں چشم پدر ہنوز
〃	ترے فراق میں جینا مجھے ہوا دشوار	کہ ایک ایک دن اک ایک سال ہی ہے تو

(۲) تلاش یاران گزشتہ (۳۹)

میر	مثل نسیم ہر سحر تیری کروں ہوں جستجو	خانہ بخانہ در بدر شہر بشہر کو بکو
سودا	نہ پھر ملک عدم سے کوئی یاں آیا سودا	جاتا ہے اُنکی خبر لینے کو ناچار مجھے
درد	آہ وہ لوگ جو دیتے تھے خبر غیب کی	ڈھونڈھتے پھرتے ہیں انکو لوگ وہ کیا ہو گئے
سوز	کہیو اے باد صبا بچھڑے ہوئے یاروں کو	راہ ملتی ہی نہیں دشت کے آواروں کو
قایم	بھٹکا پھروں یہاں میں اکیلا ہر ایک سمت	اے ہمرہاں پیش قدم تم کدھر گئے
〃	روئے اس عمکدہ میں آج کس کسکو یہاں	دیکھتے نظروں کے آگے اک خدائی کھو گئی
جرأت	ہم اسطرح رہے یاراں رفتگان سے دور	غریب جوں کوئی رہجاے کارواں سے دور
〃	یاراں گزشتہ کی کہانی رہی جرأت	ساتھ اپنے جو کھاتے تھے انہیں خاک نے کھایا

ممنون	بھری آتی ہے چھاتی یاد میں یاران رفتہ کی	یہ دل اور اسقدر صدمے بھلا کس کس کا غم کھچے
مصحفی	یاران رفتہ ہمسے منہ ایسا چھپا گئے	معلوم بھی ہوا نہ کدھر کارواں گئے
〃	سوتے ہم رہ گئے افسوس ہائے	قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
〃	مجلس ہستی میں جو آئے تھے یار	یہ نہیں معلوم وہ کیا ہو گئے
〃	یاران عدم سنتے نہیں بات کسیکی	کسطرح ہم ان قافلے والوں کو پکاریں
〃	روتا پھروں نہ کیونکر میں قافلے میں ہر سو	منزل پہ میرے ساتھی مجھے بچھڑ گئے ہیں
〃	کیا مصحفی میں روؤں یاروں کی صحبتوں کو	بن بن کے کھیل ایسی لاکھوں بگڑ گئی ہیں
نصیر	ہرگز مراجعت نہ عدم رفتگاں سے کی	حیراں ہے چشم نقش قدم انتظار میں
〃	ہاتھ دھو بیٹھے نہ جبتک زندگی سے تبتک	نقش پائے رفتگاں کا کیا کوئی پائے کہیں
〃	کیا جانے کیا عدم میں تماشہ ہی جو وہاں	یہاں سے گیا ہے آہ سو جا کر نہیں پھرا
〃	مدت ہوئی میں کنج قفس میں ہوں تڑپتا	مرغان ہم آواز تم آواز سنا دو
〃	نصیر اس رہ گزر میں جستجو کر بیٹھ مت تبتک	ملے شاید سراغ نقش پائے رفتگاں کا
〃	کیا جانے اب کدھر وہ گئے حیف اے نصیر	یاران رفتگاں کی نہیں کچھ خبر مجھے
〃	یاران رفتگاں کی خبر پوچھ مت نصیر	ملک عدم کی راہ میں سارے بچھڑ گئے
افسوس	اے ہمرہو کدھر کو گئے آہ تم بغیر	نالاں ہیں دشت میں جرس کارواں ہنوز
ظفر	یاران رفتگاں کا کھلے حال کسطرح	بھیجا نہیں کسی نے بھی لکھکر عدم سے خط
〃	جو پہلے تھے یار اپنے اب انکو کہاں ڈھونڈیئے	باقی ہے نشاں کسکا ہم کسکا نشاں ڈھونڈیں
〃	جو گیا پھر کر نہ آیا آہ کسی سے پوچھئے	رہتے ہیں کس حال میں ملک عدم کے آدمی
〃	کہاں ہیں وہ اگلی ملاقات والے	عنایا تنا والے مدارات والے
شہید	رفیق خواب عدم سے چونکے نہ ایسے مدہوش سو رہے ہیں	
	سرھانے اُن کے بہت میں بیٹھا بہت میں اُن کو پکار آیا	
〃	حسرت آباد جہاں صورت عبرت ہی شہید	جائے فریاد ہے یاران کہن کا نہ کور

میر	فکر تعمیر میں نہ رہ منعم	نرد گانی کی کچھ خبر بھی ہے
〃	رہ گزر سیل حوادث کا ہے یہ صنا دہر	اس خرابی میں نکرنا قصد تم تعمیر کا
〃	در و دیوار افتادہ کو بھی کاش اک نظر دیکھیں	عمارت سازِ دوم گھر جو اب تعمیر کرتے ہیں
درد	منعم ایسے قصر لاکھوں لگ گئے ہیں خاک میں	جز خرابی کے بتا کیا فائدہ تعمیر سے
جرأت	بنا دانی نکر یہاں نکر منعم گھر بنانے کا	کہ ہے یہ رہ گزار دہر رستہ آنے جانے کا
ظفر	پائداری نہیں ہی کو کہ ہے سست بنا	کیوں محل اپنے بناتے ہیں یہ غافل مضبوط
〃	ترا ہے ناز بیجا پائداری پر عمارت کی	رہے قایم یہاں منعم سدا تعمیر کسکی ہے
〃	مسکن اس دار فنا میں کر نہ مانند حباب	ڈال پانی میں نہ بنیاد مکاں بے فائدہ
〃	عاقبت سیچے زمیں سے تم رہو گے غافلو	یہاں بنا تے ہزار اپنے مکاں رہ جائینگے
شہید	بکھر ہستی میں مکاں کی ہی بنا مثل حباب	گھر قیامت تک یہاں کسکا بنا رہجائیگا
〃	یہاں بھائی انہیں سیل فنا مثل حباب	بھر ہستی میں جو تعمیر مکاں کرتے ہیں
〃	خانہ آباداں یہ قصر و خانقہ کسواسطے	ایک دن تو چھوڑنا ہی اس خراب آباد کو
〃	ہمکو منظور رہے یہاں قصر و مکاں کی تعمیر	عمر جوں سایۂ دیوار ڈھلی جاتی ہے

(۴) ترک قبول احسان (۱۶)

میر	گل پژمردہ ہم کو نہیں ممنون	ہم اسیروں کا گوشۂ دستار
〃	بہت چاہا تھا ابر تر نے لیکن	نہ منت کش ہوا گلشن ہمارا
سودا	غنچہ کو دل کے یہاں ہی دم سمیٹ	شرمندہ اس چمن میں نہیں ہیں نسیم کا
درد	آزاد کسی کی بھی اٹھاتے نہیں منت	دیکھا نہ کسی سرو کو تہ بار ثمر کا
سوز	دلا جوش اسفندیار اپنی سینے میں کہ پھر تم	نہ ہو ممنون ساغر کا نہ منت وار مینا کا
قایم	صندل ہے گو صداع کو نافع پر اے طبیب	اتنا کسے دماغ کہ اب درد سر کرے
غالب	درد منت کش دوا نہ ہوا	میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا
〃	دیوار بار منت مزدور سے ہے خم	اے خانماں خراب نہ احساں اٹھائیے
شہید	حکم غیرت ہے کہ دے دے جان اپنی مگر	در پہ جائے نہ کسی کے پئے درماں محتاج

برامکہ کی فیاضی

برامکہ[1] کی فیاضی کے کارنامے اگرچہ ایسے ہیں کہ آج کل کی اقتصاد پسند طبیعتیں اُن کی قدر تو کیا کریں گی اُن کو صحیح باور کرنے میں بھی متامل ہوں گی اور اس وجہ سے اُن کا [illegible] زیادہ سود مند نہیں ہو سکتا۔ تاہم بعض واقعات ایسے دلچسپ و لطیف ہیں کہ [illegible] اُردو خوانوں کو محروم رکھنا ناانصافی ہوگی۔ ہم ایک حکایت درج ذیل کرتے ہیں۔ جس سے یہ اندازہ لگانا مقصود ہے کہ اسوقت علم و کمال اور زبان آوری کیا قدر کی جاتی تھی اور اس زمانہ میں کیا حالت ہو گئی ہے۔

ایک برمکی امیر سیر و شکار کے لئے بغداد سے باہر نکلا ہے اور کسی جنگل میں پڑاو ڈالے پڑا ہوا ہے۔ اس اثنا میں جنگل کیطرف اُس کی نگاہ اُٹھ گئی دیکھا دور سے ایک وحشی بدو سانڈنی ہنکاتا مارا مارا چلا آتا ہے۔ سمجھا کہ اسی سے ملنے کو آتا ہے خدام کو ہدایت دی کہ "میرے سوا کوئی اُس سے نہ بولے"۔

بدو قریب آگیا تو دیکھا کہ ایک لشکر عظیم چھاؤنی چھائے ہوئے ہے۔ ہزاروں کی خیمے لگے ہوئے ہیں۔ اِدھر اُدھر سیکڑوں گھوڑے اور اونٹ نظر آرہے ہیں چاروں طرف غل غپاڑہ سنائی دیتا ہے۔ ہر جگہ بھیڑ سی لگ رہی ہے۔ سمجھا کہ ہو نہو خلیفہ کا کیمپ ہے۔ نیچے اتر پڑا۔ سانڈنی کو ایک درخت سے باندھا اور امیر کے سامنے آکے کہا: "السلام علیک یا امیر المومنین"

امیر: (جواب میں) ذرا سنبھلکے اور زبان سنبھالکے کہو"

بدو: "خیر۔ السلام علیک یا امیر"

امیر: "ہاں اب تم نے ٹھیک کہا وعلیک السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کہو کہاں سے آنا ہوا"

---

[1] وہ فیاض و عالی صفات ایرانی اصل خاندان جو خلفائے عباسیہ کے دربار میں روز افزوں عروج و ترقی کر کے وزارت کا مالک مختار ہو گیا اور جو اپنی بے نظیر فیاضی اور بذل و عطا کی بدولت خلیفہ ہارون کی رشک و حسد کے باعث تباہ و برباد ہوا۔

بدو: "سرزمین قضاعہ[1] سے چلا آتا ہوں"

امیر: "کسی عالی رتبہ خاندان سے تعلق رکھتے ہو یا اسفل سے؟"

بدو: "میرا خاندان اسفل نہیں ہے"

امیر: "کس غرض کے لئے آٹھ سو کوس سے آنا ہوا؟"

بدو: "اُن حاتم سیرت عالی نژاد بزرگوں سے ملنا مقصود ہے جنکی سخاوت سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے"

امیر: "وہ کون بزرگ ہیں؟"

بدو: "برامکہ"

امیر: "برامکہ تو ہزاروں ہیں۔ اور اُن میں چھوٹے بڑے عام و خاص سبھی ہیں" تم نے اپنی حاجت براری کے لئے کسی خاص شخص کو انتخاب کیا ہے یا نہیں"

بدو: "کیوں نہیں۔ میں نے ایسے شخص کو تاکا ہے جو اُن سب میں زیادہ کشادہ دست و فراخدل ہے"

امیر: "وہ کون ہے؟"

بدو: "فضل بن یحییٰ بن خالد برمکی"

امیر: "فضل ابن یحییٰ۔ وہ تو بڑا جلیل القدر، عظیم المرتبت، ذی شوکت امیر ہے اس کے دربار میں یا تو علما فضلا بار پا سکتے ہیں یا شعرا اُدبا وغیرہ۔ بتاؤ تم کیا ہو؟ عالم یا فقیہہ؟"

بدو: "میں نہ عالم ہوں نہ فقیہہ"

امیر: "تو ادیب ہوگے"

بدو: "ادیب بھی نہیں ہوں"

امیر: "شاید ایام العرب[2] جانتے ہوگے"

بدو: "یہ بھی نہیں جانتا"

---

[1] ایک قبیلہ کا نام ہے [2] وہ حالات و واقعات جو اسلام سے پہلے عرب میں واقع ہوئے ۱۲

امیر: "تو پھر کسی کی سفارش لائے ہوگے"

بدو: "میرے پاس کوئی سفارش بھی نہیں ہے"

امیر: "پھر کس برتے پر تم فضل سے ملنا چاہتے ہو۔ تم نے اُسکی شان و شوکت اور عظمت و جلالت کو دیکھا نہیں ہے اور لاعلمی سے اُس کے دربار کا رخ کیا ہے"

بدو: "میں اُس کی فیاضی کے بھروسہ پر یہاں تک آیا ہوں اور دو مدحیہ شعر سنانے کی خواہش رکھتا ہوں"

امیر: "تو وہ شعر ہمیں سناؤ۔ اگر فضل تک پہونچانے کے قابل ہوں گے تو ہم تمہیں اُس کے پاس پہونچا دینگے۔ ورنہ اپنی طرف سے کچھ دیکے یہیں سے رخصت کر دینگے گو تم کچھ بھی دینے کے مستحق نہ قرار پاؤ"

بدو: "بہت اچھی بات ہے لو سنو"

الم تر ان الجود من عهد آدم	کیا تم نہیں جانتے کہ آدم (علیہ السلام) کے زمانے
تحدر حتی صار منصبه الفضل	سخاوت ٹپکتی رہی اور فضل اُس کو چوستا رہا
ولو ان اُما مسها جوع طفلها	اگر کسی ماں کو اس کے بچے کی بھوک محسوس ہو تو
غذته باسم الفضل لاغتذا الطفل	فضل کا نام غذا کا کام دیتا ہے اور لڑکا سیر ہو جاتا ہے

امیر: "مرحبا۔ خوب کہا۔ لیکن اگر فضل نے کہا کہ اس مضمون کو تم سے پہلے ایک اور شاعر موزوں کر کے انعام پا چکا ہے تو تم کیا کروگے"

بدو: "میں اور دو شعر سناؤنگا (تامل کر کے) لیجئے۔

قد کان آدم حین حان وفاته	آدم (علیہ السلام) قحط کے زمانہ میں بخشش کیا کرتے تھے
اوصاک وهو یجود بالحو بار	جب وفات فرمانے لگے تو تجھکو وصیت کی
بنیه ان ترعاهم فرعیتهم	کہ اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرے پس تو نے اُنکی
وکفیت آدم عولة الا بناء	پرورش کی اور حضرت آدم کبار الطفال سے سبکدوش کر دیا

امیر: "ماشاء اللہ یہ بھی خوب کہا۔ مگر اس پر بھی فضل نے امتحان لینے کی نیت سے کہا کہ یہ مضمون پیش پا افتادہ ہے تو تم کیا کہو گے؟"

بدّو: "میں اور دو شعر سناؤنگا (سوچکر) سنئے" ۔

ملت جہاتہ بفضل وزن نائلہ	فضل کے کارپرداز اُس کی سخاوت کو تولنے سے عاجز آگئے
وطل کتابہ احصارہا یہب	اور اُس کے متصدی اُس کی بخشش کا حساب کرنے سے قاصر رہے

امیر: "بارک اللہ! یہ بھی اچھے شعر ہیں ۔ پھر بھی اگر کہا جائے کہ یہ شعر چراسے ہوئے ہیں دوسرے شعر پڑھو"

بدّو: "تو میں اور دو شعر سناؤنگا (غور کرکے) ملاحظہ کیجئے ۔

وما الناس الا اثنان صب باذل	لوگ دو قسم کے ہیں خرچ کرنے والے اور بخشش کرنیوالے
وانی لذاک الصب والباذل الفضل	پس میں تو خرچ کرنیوالا ہوں اور فضل بخشش کرنیوالا ہے
علی ان لی مثلاً اذا ذکر الوریٰ	مگر فرق یہ ہے کہ خلایق میں میری بہت سی نظیریں ہیں
ولیس لفضل فی سماحتہ مثل	اور فضل کی کوئی نظیر سخاوت میں نہیں ہے

امیر: "سبحان اللہ یہ بھی خوب موزوں ہوئے ہیں ۔ لیکن ان پر بھی پہلا ہی جواب ملے تو"

بدّو: "اور دو شعر سناؤنگا (متامل ہوکے) سماعت فرمائے ۔

حکی الفضل عن یحییٰ سماحۃ خالد	فضل نے (اپنے باپ) یحییٰ سے (اپنے دادا) خالد کی سخاوت بیان کی
فقامت بہ التقویٰ وقام بہ العدل	پس یحییٰ کیوجہ سے تقویٰ قایم ہوا اور خالد کی بدولت عدل
وقام بہ المعروف شرقاً ومغربا	البتہ فضل کے باعث مشرق ومغرب میں سخاوت قایم ہوئی
ولم یک للمعروف بعد ولا قبل	جو اسی پر ختم ہوگئی نہ اُس کے پہلے تھی نہ بعد ہوگی

امیر: "آفریں ہے تمھاری طبیعت پر ۔ لیکن اس پر بھی فضل یہ بول سکتا ہے کہ کسی کو بڑھانا کسی کو گھٹانا ہمیں پسند نہیں ۔ نیز ان اشعار میں ہماری کنیت کے ساتھ تعریف کی گئی ہے نام نہیں ہے"

بدّو: "تو میں اور دو شعر پڑھونگا جن میں نام ہوگا اور وہ یہ ہیں ۔

الا یا ابا العباس یا واحد الوریٰ	اے ابوالعباس! اے یکتائے خلایق
ویا ملکا خذ الملوک لہ النعل	اور اے ایسے بادشاہ کہ بادشاہوں کے چمڑے سی تیری جوتیاں بنتی ہیں
الیک تسیر الناس شرقاً ومغربا	مشرق اور مغرب سے (کھچ کھچ) لوگ تیرے پاس آتے ہیں

فرادی وازواجا کانہم نخل | تنہا اور جوق جوق بھی اسطرح جیسے شہد کی مکھیاں

امیر: "جزاک اللہ خوب کہا۔ مگر پھر بھی وہ فرمائش کریگا کہ ایسے شعر سناؤ جن میں نہ کنیت ہو نہ نام نہ قافیہ ہو"

بدوی: "جناب عالی! اگر وہ ایسی فرمائش کریگا اور اسطرح سے میرا امتحان لیگا تو میں اُسکو چار شعر سناؤنگا۔ مگر وہ شعر ایسے ہونگے کہ اب تک کسی عربی کے خیال میں آئے ہونگے نہ عجم کے اس پر بھی اگر وہ کفایت نکریگا اور زیادہ سنانے کی فرمائش کرتا چلا جائیگا تو پھر میں ایک کام کروں گا۔ وہ یہ ہوگا کہ اپنی اونٹنی کے چاروں پاؤں ایک رسی میں باندھ لونگا اور انہیں فضل کے منہ میں ٹھونس دونگا۔ پھر اُسکے انعام کی پروا نہ کرکے فضل کے پاس واپس چلا جاؤں گا"

امیر تھوڑی دیر تک سرنگوں رہ کے بولا: "اچھا وہ چار شعر بھی سنا دو" بدوی نے اشعار پڑھے۔

ولا ئمۃ لامتک یا فضل فی الندی | اے فضل سخاوت کے بارہ میں تجھے بہت سی ملامت کرنیوالوں کی ملامت کی

فعلت لہا ہل یقدح اللوم فی البحر | گویں نے اسکی کہا۔ کیا سمندر کو ملامت کی جاسکتی ہے (کہ وہ کیوں موتی پیدا کرتا ہے)

اتنہین فضلاً عن عطایاہ للوری | کیا تم فضل کو خلائق کی داد و دہش سے روکتے ہو

فمن ذا الذی ینہی السحاب عن القطر | (ایسی تلخ کا میابی نہیں ہوسکتی) بھلا بتاؤ تو ابر کو بارش کی کون روک سکتا ہے

کان نوال الفضل فی کل بلدۃ | ہر شہر میں فضل کی بخشش وہی کام کرتی ہے جو

تحدر ماء المزن فی فہم قفرۃ | صحرائے بے برگ و گیاہ میں ابر سفید کی بارش

کان وفود الناس فی کل وجہۃ | لوگوں کی جماعتیں ہر ہر گوشہ سے فضل کی طرف

الی الفضل لاقوا عندہ لیلۃ القدر | اس شوق و رغبت سے آتی ہیں گویا اُس کے پاس لیلۃ القدر جا رہی ہے

اِن اشعار کو سنکر امیر سرنگوں ہوگیا اور تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر سر اٹھا کے تبسم ہوا اور کہا: "یا اخ العرب! فضل ابن یحییٰ میں ہی ہوں۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو"

بدوی: "(حیران اور ہکا بکا ہو کے) واللہ فضل بن یحییٰ آپ ہی ہیں"

فضل : "ہاں ہاں میں ہی ہوں"

بدوی : "تو میں اپنی بدزبانی کی معافی چاہتا ہوں"

فضل : "خدا تمھیں معاف کرے - اب بتاؤ کہ تم کو کس چیز کی ضرورت ہے"

بدوی : "مجھے دس ہزار درہم کی ضرورت ہے"

فضل : "بس اتنا ہی؟ تم نے مجھے اور اپنے آپ کو حقیر کیا - خیر میں تمکو دس دس ہزار (یعنے ایک لاکھ) درہم دیتا ہوں"

جسوقت مال حاضر کیا گیا اور اہل دربار نے دیکھا کہ ایک بدو چند اشعار سنا کے اتنا روپیہ لئے جا رہا ہے تو انھیں بہت تعجب ہوا - یہانتک کہ ایک مصاحب سے رہا نہ گیا اور فضل سے مخاطب ہو کے کہنے لگا :-

"خداوندا بے ادبی معاف - یہ سخاوت نہیں اسراف ہے - بھلا اس کے کوئی معنے ہیں کہ ایک کمینہ عرب ادھر اُدھر کے سنے سنائے اشعار آکے آپ کے سامنے پڑھ دے اور ایک لاکھ روپیہ اٹھا لیجائے - ہم سے تو یہ دیکھا نہیں جاتا"

فضل : "یہ شعر اسی کے ہیں - علاوہ بریں وہ ہمارا نام سنکے سرزمین تضاعہ سے آٹھ سو کوس طے کرکے چلا آرہا ہے"

مصاحب : "میں تو نہیں سمجھتا کہ یہ شعر اس کے ہوں - اگر ایسا ہی ہے تو آپ اُسکا امتحان اسطرح پر کریں کہ کمان میں تیر جوڑ کے اُسے نشانہ پر کھ لیں اگر اس نے کوئی برجستہ شعر کہکے اس تیر کو اپنے سے ٹالدیا تو بہتر ورنہ مال واپس لوٹا لیں"

یہ بات فضل کے ذہن میں آگئی اور اُس نے اُس پر عمل کیا فوراً بدوی نے یہ شعر پڑھا -

لقوسک قوس الجود والوتر والمندی	تیری کمان بذل و عطا کی کمان ہے
وسہمک سہم العز فارم به فقری	اور تیر تیرعزت کا تیرہے پس اُس سے میرے افلاس کو نشانہ بنا

یہ سنکے فضل متبسم ہوا اور چند شعر پڑھے - جنکا مطلب یہ ہے کہ اگر مال

و دولت پر میرا قابو ہو جائے اور اس صورت میں اس کو میں غریبوں پر نہ وقف کر دوں تو میرے دست و پا شل ہو جائیں اور میں حرکت نہ کر سکوں - میں جو کچھ سخاوت کر چکا ہوں اُس کی جزا خدا اسے ملنے والی ہے - پس بخل میرے لئے کوئی خوبی نہیں نہ بذل بربادی ہے - مجھے کوئی ایسا بخیل بتاؤ جسنے بخل سے شرف و عزت حاصل کی ہو اور کوئی ایسا سخی دکھاؤ جو اپنی سخاوت سے بھوکوں مر گیا ہو"

یہ کہکے حکم دیا کہ ایک لاکھ درہم اُس کو یہاں تک لانے کے صلہ میں دئے جائیں اور ایک لاکھ اس غرض سے کہ وہ ہمارے منہ میں اونٹنی کی ٹانگیں نہ ٹھونسے

جب بدوی مال لے کے جانے لگا تو بے اختیار اُسکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے - فضل نے پوچھا اب تم کیوں رو رہے ہو - کیا مال تمکو تھوڑا ملا ہے بدوی بولا "نہیں بلکہ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ ایک دن ایسا بھی آئیگا کہ زمین تجھ سے سخی کو اپنے میں چھپا لیگی - اور مٹی سارا جسم کھا لیگی - گھوڑے یا اونٹ کا مر جانا یا مال کا کھو جانا کوئی مصیبت نہیں - البتہ مصیبت وہ ہے کہ کوئی ایسا صاحبدل مر جائے جس کی موت - خلق کثیر کی موت ہو"

اڈیٹر

ترانۂ محمد

سنتے تھے لامکاں ہے یارب مکان تیرا ڈھونڈھا جو اپنے دل میں پایا نشان تیرا
شمس و قمر ہیں تیرے اور بحر و بر ہیں تیرے ہے یہ زمین تیری یہ آسمان تیرا
ہو گبر یا ہو ترسا ہو شیخ یا برہمن سب کا ملاذ و مامن ہے آستان تیرا
دیر و حرم کو سمجھوں کیونکر جدا جدا میں یہ بھی مکان تیرا وہ بھی مکان تیرا
ہم سے کہے نحن اقرب جو یا ہیں تیرے یارب پایا نشاں تجھی سے اور بے نشان تیرا
ہم سے خطا و عصیاں تجھ سے عطا و احسان کیسا کریم ہے ہم پر اے مہربان تیرا
ہو تو جہاں پہ تیرا اُس کو کہاں ٹھکانا ساری زمین تیری سارا جہان تیرا
سب کچھ میں بھول جاؤں رہ جائے یاد تیری دائم رہے مرا سر اور آستان تیرا
یہ چاہتا ہے یارب تجھ سے ذہین خستہ ہو سر میں تیرا سودا ہو دل میں دھیان تیرا

ریویو

کلام فوق مولوی محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر کشمیری میگزین لاہور نے اپنی غزلوں اور قومی و ملکی نظموں اور مختلف افکار کو دیوان کی شکل میں مرتب کرکے چھاپا ہے اور ہر نظم اور ہر غزل کے عنوان پر اُسکی شان نزول بھی تحریر فرمائی ہے جس سے دیوان میں ایک طرح کی دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ اس طرز پر سب سے پہلے آزاد مرحوم نے استاد ذوق کا دیوان ترتیب دیا تھا۔ اِس کے بعد غالباً یہ دیوان سب سے پہلا دیوان ہے جو اس طرز پر شائع کیا گیا ہے۔ جناب فوق کے کلام میں ہم یہ بات دیکھکر نہایت محظوظ ہوے کہ انھوں نے اپنی شاعری کا موضوع صرف زلف و رخ اور خط و خال ہی کو نہیں بلکہ اُن جذبات کو بنایا ہے جو قومی ضروریات کو محسوس کرنے اور مختلف حالات کے طاری ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ لحاظ داغ کے شاگرد ہونے کے کلام میں سادگی اور طرز بیان کی صفائی جیسی کہ ہونی چاہئے۔ فوق میں بوجہ احسن موجود ہے ہمکو امید ہے کہ یہ دیوان جو بالکل نئی طرز پر مرتب اور مفید قوم و ملک نظموں پر مشتمل ہے پبلک میں قدر دانی کی نگاہوں سے دیکھا جائیگا قیمت اور مصنف کے پتہ سے دستیاب ہو سکیگا۔

صحیفۂ آصفیہ دو سو صفحہ کا ایک رسالہ ہے جسکو مولوی کمال الدین صاحب بی۔ اے مرید خاص مسیح قادیانی نے تصنیف فرما کر شائع کیا اور مفت تقسیم کروایا ہے۔ اِسکی ایک جلد بغرض ریویو دفتر میں بھی آئی ہے۔ اِس کتاب میں شروع سے اخیر تک حضور پر نور خلد اللہ ملکہ کو خطاب کیا گیا اور اول جلول کچھ نصیحتیں کیگئی ہیں اور اِس امر کو ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا ہے کہ پچھلے سال حیدرآباد میں جو طغیانی ہوئی تھی وہ مرزاے قادیانی پر ایمان نہ لانے کا نتیجہ تھی جس کی پیشین گوئی ایک عرصہ ہوا کہ مرزا صاحب کر چکے تھے بفحواے "الدین النصیحہ" اگر اس کتاب میں مذہب قادیانی کی اشاعت و تبلیغ کیلئے

مہذب پیرایہ میں کچھ لکھا جاتا یا اہل حیدرآباد کو مناسب حال مشورے دے جاتے اور لگتی ہوئی نصیحتیں کیجاتیں تو ہمکو اس کا خیر مقدم کرنے اور اس کی اشاعت میں اہلاً وسہلاً و مرحبا کی صدا لگانے میں عذر نہوتا۔ لیکن اس صحیفہ قادیانی میں الف ابجد سے تا ے تمت تک جس قسم کے استدلال سے کام لیا گیا ہے اس سے سوا اس کے کہ اہل پنجاب کی ضعیف الاعتقادی اور واہمہ پرستی کا ثبوت ملے اور کچھ حاصل نہیں۔ اگر کسی ملک کا کوئی اتفاقیہ حادثہ مرزا صاحب کی نبوت کو تسلیم کرنے کے لئے کافی ہے تو تعجب ہے کہ ابتک خواجہ صاحب نے کیوں ملک معظم ایڈورڈ ہفتم یا ولیسرائے ہند پر اپنا کوئی صحیفۂ الہامی نہیں اتارا اور کسلئے تبلیغ مذہب کا ناقوس ان کانوں میں نہیں پھونکا؟ طاعون، قحط، فقر و فاقہ، کشت وخون، فتنہ وفساد، اور مختلف آسمانی حوادث جسقدر ہندوستان اور اس کے اطراف وجوانب میں ایک زمانہ سے پھیلے ہوے ہیں اس کا عشر عشیر اور ایک شمہ بھی حیدرآباد میں موجود نہیں۔ آفات ارضی وسماوی سے جسقدر ممالک محروسہ سرکار عالی محفوظ ومصون ہے اُس کا نشان کسی اور جگہ بمشکل ملیگا۔ اہل حیدرآباد اپنے ظل سبحانی محبوب خلایق بادشاہ کے زیر سایہ جس آرام وآسایش کیساتھ بسر کر رہے ہیں اس کی نظیر کہیں اور بہت کم نظر آئیگی بظاہر ملغیانی قہرالہی کا نمونہ معلوم ہوتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو وہ رحمت خداوندی کا ثبوت دیتی ہے۔ حیدرآباد کی رونق ملغیانی کے بعد دوبالا ہوگئی۔ ملغیانی کے بعد جو جو کام ہوے یا ہونیوالے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیدرآباد کے فرس مسابقت و ترقی کے لئے رود موسی کی ملغیانی نے مہمیز کا کام دیا۔ جس کو دیکھکر بے اختیار رجی بول اٹھتا فعل الحکیم لایخلو عن الحکمہ۔ مناسب تو یہ ہوتا کہ پہلے خواجہ صاحب گھر کی خبر لیتے۔ پھر باہر پانوں پھیلاتے۔ تو درون در چہ کردی کہ بروں خانہ آئی بیچارہ حیدرآباد جن مصیبتوں میں گھرا ہوا اور جن افکار میں پھنسا ہوا ہے

اس کے لحاظ سے ناصح کی نصیحت اور واعظ کی پند سے بڑھکر اُس کو کسی غمخوار کی غمخوارگی کی زیادہ ضرورت ہے۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

دشمن جان | مولوی عبدالقادر صاحب وظیفہ یاب صوبہ دار نے تقریباً ساڑھے تین سو صفحوں کا ایک ناول تصنیف فرمایا ہے جسمیں شراب کی مضرتوں اور خانہ براندازیوں کا فوٹو قصہ کے پیرایہ میں کھینچا گیا ہے۔ کتاب کا پلاٹ غالباً کسی انگریزی تصنیف سے ماخوذ ہے لیکن قابل مصنف نے بہت سے ایسے مضامین اپنی طرف سے اضافہ کئے ہیں جس کی وجہ اس میں ایک مستقل تصنیف کی حیثیت پیدا ہوگئی ہے۔ کتاب میں جابجا حقایق وتصوف کی چاشنی دی گئی ہے اور ابنائے ملک کی آنکھوں سے تعصب مذہبی کی پٹی دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کا وہ حصہ جس میں مذاہب عالم کی حقیقت کو ایک ثابت کیا گیا اور خواجۂ شیراز کے اس شعر کی ؎ چراغ بتکدہ وشمع خانقا ویکست اگرچہ دیدہ دو آمد و لے نگاہ یکیست۔ تشریح کی گئی ہے نہایت دلچسپ اور مفید ہے۔ ام الخبائث دل ودماغ کو جیسا کچھ ناکارہ ومعطل کردیتی ہے اُس کا دردانگیز نقشہ اسی وقت بخوبی آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے جبکہ اِس ناول کو شروع سے لیکر اخیر تک ایک نظر گزار دیا جاے نوجوانان ملک کے سروں پر یہ بلاے بد جسطرح یوماً فیوماً مسلط ہوتی جاتی ہے اور اُن کی سوسائٹی میں طرح طرح کی ناقابل تدارک خرابیاں پیدا کررہی ہے۔ اُس کے نظر کرتے ایسی مفید تالیف کی ابنائے وطن کو سخت ضرورت تھی۔ یہ کتاب باعتبار اپنے اہم موضوع اور دلچسپ طرز بیان کے اس قابل ہے کہ ملک واہل ملک اسکو قدردانی کے ہاتھوں لیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں قیمت عہ مصنف ممدوح کے پتہ سے دستیاب ہوسکیگی۔

عزیز الآخرہ مولوی محمد عبد العزیز صاحب قادری وظیفہ یاب منیجر دار الطبع نے دیڑھ سو صفحوں کی ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ جس کے شروع میں اپنی سوانح عمری لکھی ہے اور باقی تمام کتاب پند و مواعظ سے مملو ہے انھوں نے اس میں کچھ تو اپنے تجربات لکھے ہیں اور کچھ مختلف کتابوں سے مختلف نصائح و حکم جمع کئے ہیں۔ چونکہ اس کتاب میں کسی ترتیب اور تبویب کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے اس لئے اُس کو مضامین مختلفہ کا کشکول قرار دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اسلوب بیان اور طرز تحریر بالکل پرانی وضع کا ہے جس کی وجہ سے کتاب عام پسند اور زمانۂ حال کے مذاق کے مطابق نہیں کہی جا سکتی۔ تاہم مصنف نے مفید نصائح کے فراہم کرنے میں جو محنت اٹھائی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کتاب اُن کتابوں سے بدرجہا بہتر و برتر ہے جن کی اشاعت سے ابنائے ملک کا شیرازہ اخلاق پراگندہ اور اردو لٹریچر گندہ ہو رہا ہے۔

العماد مولوی ملک نعمت اللہ صاحب ناظم دیوانی رائچور نے طبیعات پر دو جزو کا ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ اس رسالہ کو پڑھنے سے قدیم علم طبیعی سے اجمالی واقفیت پیدا ہو سکتی ہے۔ مبتدیوں کے لئے ہمارے خیال میں یہ رسالہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔ رسالہ ہذا میں مسائل اس طرز سے لکھے گئے ہیں کہ بہت جلد طالب العلموں کے ذہن نشین ہو سکتے ہیں ملک میں علمی مذاق پھیلانے اور اردو لٹریچر میں علمی مواد جمع کرنے کے لئے اس قسم کے رسائل اور کتابوں کی سخت ضرورت ہے۔

دلکش دو جزو کا ماہواری رسالہ ہے۔ جالندھر سے جناب سفیر محمد لودیا کے زیر ایڈیٹری نکلتا ہے۔ بارہ خریدار فراہم کرنے والے کو سینے کی ایک دستی مشین قیمتی آٹھ روپیہ کی اور دس خریدار بہم پہونچانے والے کو ایک گھڑی انعام میں دیجاتی ہے۔ اور پانچ خریدار مہیا کرنیوالے کو رسالہ

مفت نذر کیا جاتا ہے ۔ مضامین اگرچہ اعلیٰ پیمانہ پر نہیں ہیں لیکن بحیثیت مجموعی برے بھی نہیں ہیں ۔ نظمیں بھی شائع ہوتی ہیں ۔ قیمت سالانہ (عقاق)

دلگداز حیدر آباد سے رجعت قہقری کرنے کے بعد مولوی عبدالحلیم صاحب شرر نے اگلی سی آب و تاب کے ساتھ اس رسالہ کو نکالنے کا ارادہ کیا ہے چنانچہ ابتک اس کے دو نمبر شائع بھی ہو چکے ہیں پہلے اس کے ساتھ ناول اور تاریخ کا بھی ایک ایک جزو شائع ہوتا تھا لیکن اب یہ دونوں حصے اڑا دے گئے ہیں جس کی وجہ سے رسالہ صرف ایک جزو کا رہگیا ہے مضامین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے رسالہ کا اکثر و بیشتر حصہ جناب شرر کے جادو نگار قلم کے لئے وقف رہیگا رسالۂ دلگداز نے ہندوستان کی علمی دنیا میں جو لاندوال اور عالمگیر شہرت حاصل کی ہے اس کے لحاظ سے پبلک میں اس کو تعارف کرانے کی ضرورت نہیں ۔ اسے اڈیٹر کی منشیانہ مہارت اور ادیبانہ قابلیت اُس کی خوبی اور عمدگی کی کافی ضامن ہے ۔ قیمت عہ سالانہ

محمد عبدالباسط

ہوتا ہے۔ خانہ بدوش اقوام اُنکو نکالکر فروخت کیا کرتی ہیں۔ موم وگوند اور دوسرے اجناس بھی کم وبیش ہر کہیں پائے جاتے ہیں۔

متعدد قسم کی گھاس بھی بافراط پیدا ہوتی ہے۔ روسہ جس سے عطر نکالا جاتا ہے ضلع میدک میں کثرت سے اگتی ہے۔ منا کو پری اور موڈیم قسم کی گھاس سے رسیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ اگر انکا استعمال سائنٹفک اصول سے کیا جائیگا تو عمدہ کاغذ تیار ہوسکیگا۔ مذکورہ اشجار، اشار، اجناس کے علاوہ سیکڑوں اشجار دوسری قسم کے پیدا ہوتے ہیں اور پیدا ہونے کی قابلیت زمینوں میں موجود ہے۔

ٹسر، ریشم، موم، شہد، لاکھ وغیرہ کی پیداوار کو فروغ دیا جاسکتا ہے اگر صندل اور دوسرے بیش قیمت اشجار کے جنگل پیدا کئے جاسکتے ہیں جنگلات سے سرکاری آمدنی روز بروز ترقی پا رہی ہے ۱۳۱۸ فصلی میں کل آمدنی کی مقدار ۱۰ لاکھ تھی جس میں ۷ لاکھ تو بتوسط حکام مال ہوئے تھے باقی بتوسط سررشتہ وصول ہوئے ۱۶ سال کے بعد ۱۳۳۴ف ۱۰ لاکھ ہوئی جس میں بتوسط حکام مال ۷ لاکھ ہوئے باقی بتوسط سررشتہ وصول ہوئے جاگیرات وغیرہ کے معاوضہ کے بعد کل آمدنی سرکار کی مقدار ساڑھے دس لاکھ ہوئی۔

خاص خاص مدات کی تفصیل یہ ہے۔

چوبینہ	پانچ لاکھ چونسٹھ ہزار آٹھ سو پینسٹھ
بانس	ایک لاکھ چونتیس ہزار سات سو تیرہ

بنچرائی وگھاس ۱۳۱۸ف چرائی جانوروں کی تعداد ۵۹۶۷۶۸ تھی۔

معادن ۱۳۱۸ف حدود جنگلات میں جو معادن ہیں اُنکی آمدنی اسی سررشتہ کی ذریعہ وصول ہوتی ہے

گل موہر	پینسٹھ ہزار اکتیس
میوہ	دس ہزار

جڑی بوٹیاں	دس ہزار سات سو بیس
املتاس و دیگر تخم ہا	آٹھ ہزار دو سو ستر ہ
ہلیلہ و دیگر اثمار صحرائی	ایکہزار آٹھ سو باون
بید	ایک سو اسی

ڈویزنوں کے لحاظ سے آمدنی کی حالت حسب ذیل ہے ۔

ورنگل	تین لاکھ اکتیس ہزار
کریم نگر	ایک لاکھ تینتیس ہزار سات سو پچپن
لکشٹی پیٹ	ایک لاکھ چونتیس ہزار تین سو اٹھارہ
نرمل	ایک لاکھ تین ہزار پینسٹھ
محبوب نگر	تریانوے ہزار سات سو اکاون
نظام آباد	چھ سٹھ ہزار تین سو تینتیس
اورنگ آباد	باون ہزار نو سو ترسٹھ
گلبرگہ	پچاس ہزار دو سو چالیس

بڑے بڑے کاہکوں میں ضلع رائچور کی کمپنی معادن بھی ہے جو سالانہ تیس چالیس ہزار ٹنک چوبینہ خرید اکرتی ہے ۔ فروخت چوبینہ کے لئے مقامات ذیل پر سرکاری ڈپو قایم ہیں ۔ ورنگل، ایلندو، کریم نگر، نظام آباد ان مقامات کے ماسوا خود صحراؤں میں بھی چوبینہ فروخت ہوتا ہے ۔

سنہ ۱۳۲۲ف میں اخراجات سررشتۂ جنگلات کی مقدار ۱۲۱۱۵۰ تھی اب سنہ ۱۳۳۱ف میں اضافہ ہو کر ۱۳۰۰۰۰ ہو گئی ہے

آمدنی میں جو کثیر اضافہ نظر آتا ہے ۔ اُس کے بڑے وجوہات یہ ہیں کہ رقبۂ جنگلات بڑھا دیا گیا ۔ ریلوی لائن میں انزالیش ہونے سے وسائل رسل و رسایل میں آسانی پیدا ہو گئی ۔ گرنیوں کے قیام اور آبادی کی زیادتی سے چوبینہ کی مانگ بڑھ گئی ۔ سخت قوانین نافذ ہوے ۔ تاہم

آمدنی میں ابھی کثیر اضافہ گنجایش ہے - یہ کہنا بالکل درست امر ہے کہ سرکار عالی کے سررشتہ جنگلات کو ابھی سائنٹفک اصول پر نہیں چلایا گیا ہے - بیش قیمت درختوں کے بونے کا رآمد اجناس صحرائی کو بڑھانے - دوبارہ قدرتی پیداوار کو کمروز و خراب نہ ہونے دینے کے لئے اب تک بہت کم کام کیا گیا ہے - صحراؤں سے آبادی تک مسلسل سڑکوں کا بہت کم وجود ہے ان سب امور کے متعلق توجہ کی جاے تو بہت جلد اس سررشتہ کی آمدنی میں کثیر اضافہ ہو جائیگا -

ایک عرصہ سے یہ تجویز سرکار عالی میں زیر غور ہے کہ پاکھال یا امرآباد کے کسی محصورہ حصہ کو صاف کیا جاے اور اُس میں اقوام جرائم پیشہ آباد کئے جائیں -

چند سال پیشتر موضع لنگال میں جو امرآباد میں ہے امتحاناً چند جرائم پیشہ آباد کئے گئے ہیں - مگر غلطی یہ ہوئی کہ جنگل کو صاف کرنے - پانی اور حفظان صحت کا انتظام کرنے دواخانہ قائم کرنے کے بغیر آبادی بسا دی گئی - جس سے نوآبادوں کی صحت پر خراب اثر ہوا اور تجویز کو کماحقہ کامیابی نہیں حاصل ہوئی - حال میں اب ان سب امور پر توجہ ہوئی ہے -

سرکار عالی صحراؤں کے ماسوا پائگاہوں اور بعض دیگر جاگیرات وسمستانات میں بھی گھنے جنگل موجود ہیں جن سے وہ فائدہ اُٹھاتے ہیں راجہ صاحب پالونچہ کے علاقہ میں اعلیٰ درجہ کے ساگوان کا نہایت گھنا جنگل موجود ہے

زراعت

قلمرو آصفی باعتبار زراعت دو حصوں پر منقسم ہے یعنے - مرہٹواری و تلنگانہ - مرہٹواری - وہ حصہ جہاں زیادہ تر خشکی کی زراعت ہوتی ہے جس کے لئے بارش کے علاوہ مزید ذرائع آبرسانی مثل تالاب وغیرہ

کی ضرورت نہیں ہوتی - مرہٹواڑی میں کنڑے کا حصہ بھی شامل ہے -
تلنگانہ وہ حصہ ہے جہاں تری کی زراعت ہوتی ہے - اور چاول پیدا ہوتا ہے - جس کے لئے علاوہ بارش کے تالابوں وغیرہ کی ضرورت ہے
اضلاع مرہٹواڑی و تلنگانہ کے نام اُن کے مزروعہ و افتادہ زمینوں کا رقبہ و آمدنی حسب ذیل ہے -

حصہ مرہٹواری

صوبۂ اورنگ آباد

نام ضلع	رقبۂ مزروعہ	رقبۂ افتادہ قابل کاشت	سالانہ مالگذاری
ضلع اورنگ آباد	۲۳۴۷۱۰۴	۱۲۸۰۰۴	[illegible]
بیڑ	۱۸۳۷۳۷۷	۳۴۲۸۸	[illegible]
پربھنی	۲۲۶۰۴۹۰	۵۹۸۰۱	[illegible]
ناندیڑ	۱۴۳۲۷۴۱	۴۶۷۶۰	[illegible]
	صوبۂ گلبرگہ		
ضلع گلبرگہ	۱۷۴۷۷۳۷	۵۸۸۶۵۳	[illegible]
" رائچور	۱۹۴۳۵۶۵	۶۱۹۶۰۲	[illegible]
" عثمان آباد	۱۴۶۸۲۷۲	۱۱۷۰۲۹	[illegible]
" بیدر	۱۰۷۵۹۵۴	۱۹۲۹۷۸	[illegible]
	حصہ تلنگانہ		
	صوبۂ میدک		[illegible]
ضلع میدک	۴۱۰۷۱۶	۱۸۹۰۷۹	[illegible]
" نظام آباد	۴۱۳۱۵۹	۲۳۹۶۲۳	[illegible]

ضلع نلگنڈہ	۱۳۷۴۶۸۷	۷۷۵۴۶۳	۱۷۴۸۹ لاکھ
" محبوب نگر	۷۶۸۶۷۷	۴۸۳۶۶۳	۱۰۸۳۹ لاکھ
	صوبۂ ورنگل		
ضلع ورنگل	۹۴۱۰۷۸	۱۳۷۷۵۴۰	۱۳۷۹ لاکھ
" کریم نگر	۷۵۹۴۴۷	۸۸۳۱۳۱	۱۰۸۹ لاکھ
" آصف آباد	۶۵۰۴۱۴	۶۸۷۵۵۰	۱۰۸۹ لاکھ تخمیناً اس ضلع کی آمدنی کا حساب سرکار عالی کے پبلک کاغذات میں شائع نہیں ہوا ہے
میزان	۱۹۴۳۲۳۸	۶۴۲۳۱۶۴	دو کروڑ اکتیس لاکھ روپیہ

ممالک محروسہ سرکار عالی میں فصول کے نام حسب ذیل ہیں۔

آبی ۔ فصل دھان کی جو برسات میں بوئی جاتی ہے۔ اوائل ماہ امرداد سے اواخر مہر تک کاشت ہوتی ہے۔ اوائل بہمن تک فصل تیار ہو جاتی ہے۔ کنٹہ نالی، باؤلی نہر، و دیگر ذرائع آبپاشی سے مدد لی جاتی ہے۔ یہ فصل عموماً اضلاع تلنگانہ میں ہوتی ہے۔

تابی ۔ فصل دھان کی جو موسم گرما میں ذرائع آبپاشی کی امداد سے بوئی جاتی ہے یہ فصل بھی عموماً تلنگانہ میں ہوتی ہے۔

خریف ۔ دھان کے سوا دوسرے اجناس کی فصل جو شروع بارش میں بوئے جاتے ہیں اور اوائل سرما میں کاٹے جاتے ہیں۔ جن کے لئے پانی کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ فصل ہر حصۂ ملک میں ہوتی ہے۔ گرزمین کی مناسبت سے مختلف اجناس مختلف مقامات میں بوئے جاتے ہیں۔

ربیع ۔ دھان کے سوا دوسرے اجناس کی فصل جو موسم سرما میں بوئے جاتے ہیں۔ یہ فصل بھی ہر حصۂ ملک میں ہوتی ہے اور زمین کی مناسبت سے

مختلف اجناس کی کاشت ہوتی ہے

باغات - وہ زرخیز قطعات جہاں بارش و ذرائع آبپاشی کی امداد سے سال بھر مختلف اجناس ترکاری و میوہ وغیرہ کی کاشت ہوتی رہتی ہے اور جس پر مالگذاری اراضی زیادہ شرح سے لی جاتی ہے - باغات کہلاتے ہیں اور اُن میں جو فصول ہوتے ہیں اُن کو باغات کے فصول کہتے ہیں یہ بھی ہر ایک قطعہ ملک میں موجود ہیں -

مذکورہ بالا فصول میں جو جو پیداواریں ہوتی ہیں اُن کی اجمالی تفصیل حسب ذیل ہے -

اجناس آبی و تابی - چاول - ہمہ قسم ممالک محروسہ میں چاول باریک اور موٹا متعدد اقسام کا نہایت کثرت سے پیدا ہوتا ہے - باریک چاولوں کی (جنکا دانہ بڑا ہوتا ہے) شہرت دور دور تک ہے - اور بیرونجات میں بکثرت جاتا ہے ضلع میدک اور خاصکر تعلقہ میدک میں باریک چاول با فراط پیدا ہوتا ہے

اجناس ربیع - گیہوں دس سے زائد قسم کا - چنا - سفید جوار - مسور - کڑی - بٹانے - موٹ - اُڑد - تور - مکائی - السی - لال تل - رائی ارنڈی -

اجناس خریف - اڑد - تور - مونگ - کودوں - کودرو - سانوا - جوار زرد و سفید - باجرا - ولایتی مونگ - کلتھی - سفید تل - تل - نیل - اجوان - سرنجی - پھنا - کپاس -

اجناس باغات - نیشکر - آلو - اروی - بیگن - ولایتی بیگن - شلجم - چقندر - گوبھی - کرم کلہ - گول کدو - پھوٹ - ککڑی - کھیرا - مولی - گاجر - شکر قند - ترئی - کریلا - کرونده - حرفاریوڑی - انناٹہ - سیم - متھی - خرفہ - پالک - سویا - ماٹ - چوکا - انبوتی - منڈوہ - راجگیرہ - مشکی - جمگیرہ - چوڑ جو - پیاز - لہسن - دھنیا - پودینہ - ہلدی - مرچ - ادرک - خشخاش - کھرسنبل - کریا پاک - تمباکو -

کاسنی - پان -

مذکورۂ بالا پیداواروں میں سے مقدم پیداوار کی کاشت کا رقبہ سنہ ۱۹۰۱ء میں حسب تفصیل ذیل تھا -

جوار	۱۲۵۲۱	میل مربع
کپاس	۳۲۲۶	〃
باجرا	۲۴۸۸	〃
تل	۱۲۶۳	〃
گیہوں	۹۱۴	〃
ارنڈی	۸۸۳	〃
چنا	۷۶۸	〃
السی	۶۱۷	〃
تور	۵۶۱	〃
کسم	۵۳۱	〃
مکائی	۴۸۴	〃
مونگ	۳۰۷	〃
کودرو	۱۷۷	〃
مرچ	۱۴۳	〃
تمباکو	۱۱۲	〃

جوار اور باجرا کی پیداوار بوجہ اس کے کہ وہ لاکھوں باشندگان ممالک محروسہ کی غذا میں استعمال ہوتے ہیں - نہایت کثرت سے ہوتی ہے گیہوں اور کپاس کی بھی پیداوار کافی فراط ہوتی ہے - خاصکر کپاس کے رقبۂ کاشت میں گودا وری ریلوے لائن کے قیام کے بعد سے بے انتہا ترقی ہوئی ہے اور اب ممالک محروسہ سرکار عالی کا مقابلہ

ہندوستان بھر میں کوئی صوبہ اوس کی پیداوار میں نہیں کرسکتا - ضلع نانڈیڑ ضلع پربھنی میں اور خاصکر کھیلی واقع ضلع نانڈیڑ کی روئی بہترین قسم کی سمجھی جاتی ہے - اور زیادہ قیمت سے فروخت ہوتی ہے -

السی اور ارنڈ کی پیداوار بھی زیادہ رقبہ میں ہوتی ہے -

نیل کی کاشت کو جو پیشتر رقبۂ کثیر میں ہوتی تھی اور جسکی کاشت کے لئے رعایا نے اپنی زمینوں کو خراب کردیا - جرمن کے مصنوعی نیل کی بدولت سخت نقصان پہونچا ہے -

نمشکر کی پیداوار مرہٹواڑی میں زیادہ ہے ضلع نظام آباد اس کے لئے خاصکر مشہور ہے -

ولایتی ترکاریوں مثل شلجم - حقندر - آلو - گوبھی - کرم کلہ - نول کول - وغیرہ کی کاشت کو حیدرآباد کے قرب وجوار میں اچھی کامیابی ہوئی ہے - اور ایسے ترکاریوں کے لئے دوسرے حصص ہندستان سے درآمد کی ضرورت نہیں رہی ہے -

تمباکو اگرچہ مناسب مقدار میں پیدا ہوتا ہے مگر مصری و ترکی تمباکو کا مطلقاً مقابلہ نہیں کرسکتا - مزید پیداواروں کی تفصیل بلحاظ طوالت آپ نظرانداز کی جاتی ہے -

جسقدر زراعت ممالک محروسہ میں ہوتی ہے وہ سب قدیم طریقہ پر ہوتی ہے جدید علمی اکتشافات اور مشینری طریقوں کا علم تک نہیں - نہ جدید آلات کشاورزی سے کام لیا جاتا ہے نہ سررشتہ جات زراعت ہندوستان کے تجربوں سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے نہ یہ کوشش کی جاتی ہے کہ بہتر قسم کے تخم کاشت کے لئے منتخب کئے جائیں - البتہ کہیں کہیں بعض شوقین اور متمول زمینداروں کے پاس کچھ نئی چیزیں نظر آجاتی ہیں - ورنگل اور دوسرے ریلوے

لائن پر واقع شدہ آباد قصبوں میں دستی کلیں دھان وغیرہ کوٹنے کی بعض جگہ نظر آتی ہیں - جو زمین بنجر پڑی ہے وہ عمدہ ہے مگر ذرائع آبپاشی کی قلت اور وسائل رسل و رسائل کی کمی کی وجہ آباد نہیں ہوئی ہے - سنکونا (کونین کافی - چاء - انڈین - اور دوسری چیزوں کی کاشت کامیابی کے ساتھ ہوسکتی ہے مگر کوئی توجہ اس جانب مبذول نہیں کی گئی ہے - البتہ تجربتاً وقار آباد میں بعض معززین نے کافی کی کاشت کرائی تھی اور اوسکا نتیجہ قابل اطمینان ہوا تھا چند سال سے اورنگ آباد میں ایک چھوٹے سے پیمانہ پر مدرسۂ فلاحت کھولا گیا ہے - یہ مدرسہ ابھی تک بالکل ابتدائی اور معمولی حالت میں ہے اُس سے کسی قسم کے نمایاں نتائج حاصل نہیں ہوے ہیں مگر اب کوشش کی جارہی ہے کہ اُسکو فائدہ رساں بنایا جاے -

وصول مالگذاری کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف قسم کے طریقے رہے ہیں - ہز اکسلنسی سر سالار جنگ اعظم نے اپنے دور وزارت میں باقاعدہ سررشتہ بندوبست کی بنیاد برٹش انڈیا کی طرز پر قایم کی اور پہلے نواب محسن الملک مرحوم اور پھر اُنکی ترقی کے بعد دوسرے افسروں کے زیر انتظام اضلاع سرکار عالی کا بندوبست اراضی صوبۂ بیڑ کے رسموا ری طریقہ پر شروع کیا گیا -

سررشتہ بندوبست کے تفصیلی کاموں کے بتانیکے لئے یہ مختصر کتاب بالکل ناکافی ہے - مختصر یہ ہے کہ پہلے تعلقہ پٹن کا ۱۳۰۱ف سنہ میں اور باقی تعلقات ضلع اورنگ آباد کا ۱۳۰۹ف سنہ میں اور بعد ازاں دیگر مرہٹواڑی ضلعوں کا بندوبست کیا گیا - اسطرح سے کہ زمینوں کی پیمایش کی گئی اور وہ جدا جدا نمبروں میں منقسم کی گئی - ہر ہر نمبر کا امکان اراضی خصوصیات - ذرائع آبپاشی - وسائل رسل و رسائل کے لحاظ سے بعض اضلاع میں تیس سال تک اور بعض اضلاع میں

پندرہ سال تک کے لئے سالانہ معین طور پر مقرر کئے جاکر رعیت کو کاشت کے لئے دیا گیا۔ مقررہ لگان اضلاع مرہٹواڑی میں بجز شدید قحط کے ملتوی یا معاف نہیں کیا جاتا۔ اضلاع تلنگانہ میں تری کی زمینوں پر کمی یا کثرت بارش کی بنا پر ملتوی یا معاف کیا جاتا ہے۔ کاشت کار اپنے ذاتی مصارف سے کوئی ترقی اپنے مقبوضہ زمینوں کو دے تو لگان میں اضافہ نہیں کیا جاتا۔ ایک بندوبست کے اختتام پر نمبردار سابق ہی پھر حق قبضہ استحقاقاً حاصل کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اضافۂ لگان گوارہ جاری کیا جانے منظور کرے۔ اب ضلع آصف آباد کے سوا ممالک محروسہ میں بندوبست ہوچکا۔ صرف صوبۂ ورنگل و میدک کے چند اضلاع میں شنوائی نہیں ہوئی ہے۔

زمین کی مالک سرکار ہے مگر جب کاشت کار قابض اراضی باقاعدہ زرمالگذاری ادا کرتا رہتا ہے اسوقت تک اسکو اپنی مقبوضہ زمینوں پر باستثنائے حقوق آبکاری جنگلات معادن ہر طرح کا اختیار حاصل ہے۔ وہ اُن کو بیع، ہبہ، رہن کرسکتا ہے۔ اس کے ورثا کو بھی وہی حقوق حاصل رہتے ہیں۔ زرمالگذاری ادا نہ کئے جانے کی صورت میں سرکار زمین مع اشجار و ممکنہ موقوعہ سے کاشتکار کے حق مقابضت ضبط کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر بہت کم ایسی جبریہ کارروائی کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔

سرکار عالی کی قلمرو میں مالگذاری اراضی نہایت فیاضانہ اصول پر لی جاتی ہے اور بہت قلیل مقدار میں لگان لیا جاتا ہے۔ مرہٹواڑی میں خشکی کی زمینوں کا لگان (سے) سے لیکر ۱ر۲ مر تک فی ایکر لگایا جاتا ہے فی ایکر بالا وسط ۱۲ر۹ مر پڑتا ہے۔ تری اور باغات کی زمینوں میں فی ایکر ۵ سے لیکر ۴۰ تک اور بالا وسط ۱۵ ہے تلنگانہ میں خشکی کی زمینوں میں فی ایکر ۱ سے لیکر ۲ تک اور تری کی زمینوں میں ۵ سے لیکر ۶ تک ہے

اور بالا وسط خشکی کا ۱۲/۵ مرتری کا لعہ ہے - کل تلنگانہ کا بالا وسط لگان عصہ اور مرہٹواڑی میں بالا وسط عصہ ہے - کل ممالک محروسہ میں بالا وسط عصہ فی ایکر لیکر لیا جاتا ہے - اصول یہ رکھا گیا ہے کہ مصارف کاشت وضع کرنے کے بعد منافع کا نصف حصہ سرکاری حق کے طور پر وصول کیا جاے -

بندوبست کی بدولت سرکار کو صوبۂ اورنگ آباد میں فائدہ ہوا ہے مگر دوسرے صوبوں میں زیادہ مصارف اور بہت آہستگی سے کام ہونیکی وجہ کہا جاتا ہے کہ نفع ونقصان کے پلڑے بہ مشکل برابر ہو سکتے ہیں - البتہ رعایا کو بالعموم فائدہ ہوا ہے -

ضلع اورنگ آباد اور دوسرے اضلاع میں اختتام میعاد بندوبست کی وجہ اس کی تجویز ہو رہی ہے اور یہ امید کیجاتی ہے کہ ریل کے قیام اور زمین کی قدر وقیمت بڑھ جانے کی وجہ معقول اضافہ لگان میں ہو جائیگا -

جسطرح کل ہندوستان بھر میں مصنوعات تنزل اور آبادی کی افزونی کی وجہ زراعت کی جانب میلان بڑھتا جارہا ہے - اسیطرح دکن میں بھی زراعت کی رغبت زیادہ ہوتی جارہی ہے - منجملہ کل آبادی ۵۱۳۲۹۰۲ یا فی صد ۶۴ نفوس زراعت سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں - ان میں سے ۳۰۶۴۰۲۱ نفوس زراعت پیشہ افراد کے توابع ہیں - زراعت پیشہ آبادی کی مزید تفصیل حسب ذیل ہے -

پٹیل، پٹواڑی وملازمان دیہی	۳۹۵۸۱
مزارعین	۳۴۵۴۲۸۴
دیسمکھ	۹۸۷۷
جاگیرداران وانعام داراں	۹۴۰۰

مزدور (باغات میں) ۱۸۶۶۷۱
ایضاً (کھیتوں میں) ۸۳۶۹۷۲
کاشتکاران میوہ و ترکاری ۳۳۴۸۲
ایضاً ۸۵
ایضاً نیل مالک ۱۶
مزدور ۱۳
کاشتکاران کافی ۵۹
ایضاً چار ۳
متفرق اشخاص زراعت پیشہ ۴۹۸۵۱۷

اشخاص مذکورہ بالا کے ماسوا ۲۸۴۳۰۴ نفوس مویشی چرانے اور دوسرے پیشوں میں جو مویشی کے رکھ رکھاؤ سے متعلق ہیں مشغول ہیں۔

ہندوستان کے اور حصص کی طرح یہاں بھی اُن مقامات میں جہاں ریل آچکی ہے۔ خاصکر صوبہ اورنگ آباد میں ایسی زمین جو بلا تردد قابل زراعت ہو بمشکل کثیر قیمت پر میسر ہوتی ہے۔ البتہ بعض وقت دیوانی ڈگریوں وغیرہ سے جب کبھی وہ بیع کی جاتی ہیں تو فوراً مناسب قیمت پر بک جاتی ہیں۔ حالانکہ گزشتہ زمانہ میں رعایا حق حفاظت جب فروخت کرنا چاہتی تھی تو بمشکل فروخت ہوتی تھی اور اسی بنا پر وہ چاؤڑیوں میں بند کی جاتی تھی کہ فروخت سے باز آجائیں۔ مگر اس طبقہ کی مفلسی کا رونا برٹش انڈیا کے یہاں بھی ہے۔ کاشتکار کے پاس اسقدر سرمایہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ تخم وغیرہ خرید کر کاشت کرے مجبوراً فصل کی ضمانت پر قرض لیتا ہے اور کثیر سود اس قرض کے معاوضہ میں دیتا ہے۔ فصل تیار ہو جانے کے بعد سرکاری

لگان ادا کرنے کے لئے فوراً روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے - اور اسلئے براہ راست تجارتی منڈیوں میں تھوک فروشوں کے پاس فروخت کرنے کے عوض اپنے گانوں کے ساہوکار اوس کے من مانے قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں - اسطرح خود گھاٹے میں رہتے ہیں - مقدمہ بازی کا شوق بھی بیحد لگا ہوا ہے دس پندرہ روپیہ کی زمین پر سیکڑوں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں - برسوں مقدمہ لڑتے ہیں - اخیر عدالت مرافع تک پہونچتے ہیں - بجاے کاروبار و ترقی زراعت مقدموں میں مصروف رہتے ہیں - مقدمات کاشتکاران کی کثرت کا اندازہ اعداد ذیل سے ہو سکتا ہے -

۱۳۱۶ف میں کل مقدمات منفصلہ ابتدائی دیوانی ۱۷۷۱ میں سے ۵۳۲۶ مقدمات بمقابلہ کاشتکاران تھے جن میں ۲۳ فی صد متعلق بہ اراضی کاشت تھے اور ۱۲۶۳ ایسے مقدمات تھے جن کو ساہوکاروں نے کاشتکاروں پر دائر کیا تھا ۱۳۱۷ف میں کل ۱۹۳۶۷ مقدمات منفصلہ ابتدائی دیوانی میں سے ۷۳۶۷ مقدمات بمقابلہ کاشتکاران تھے جن میں ۳۷۷۶ فی صد متعلق بہ اراضی کاشت تھے - کبھی کبھی شادی بیاہ میں بھی فضول خرچی کرتے ہیں ان سب پر مستزاد یہ کہ ممالک محروسہ کے کاشتکاروں میں تعلیم اور جدید زراعتی اصولوں سے واقفیت برٹش انڈیا کے مزارعین سے بدرجہا کم ہے - ان سب باتوں سے ناڑواڑی اور کومٹی جو دیہات میں ساہوکاری کرتے اور تعلیم یافتہ ہوتے ہیں بہ خوبی فائدہ اٹھاتے ہیں - اور بتدریج سودی قرضہ کو بڑھاتے بڑھاتے زمین پر قابض ہوتے ہیں اور اصل کاروں کو ملازم یا اجارہ دار کر لیتے ہیں - کاشتکاروں کو ان آفات سے بچانے کے لئے برٹش انڈیا کی طرح یہاں کوئی قانون مانع انتقال اراضی

مروج نہیں ہے اور نہ کوئی کوارٹیو کریڈٹ سوسائٹیاں (مجالس امداد باہمی بہ قرض) موجود ہیں - جو کم سود پر قرض دیں - ساہوکاروں کی دست درازیوں کی بدولت اب خطرناک واقعات بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں ایسے متعدد واقعات حال میں ظہور پذیر ہوئے ہیں - جس میں کاشتکاروں نے غضناک ہو کر ساہوکاروں کو قتل کر ڈالا ہے -

مذکورۂ بالا حالت کے ساتھ اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت سے کاشت کار ایسے بھی ہیں جو کفایت شعاری اور سلامت روی کی بدولت خوش حالی سے گزران کرتے ہیں -

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ اگر مختلف قابضان زمین کی مختصر سی تفصیل کی جائے -

ممالک محروسہ سرکار عالی دو قسم کے حصص میں منقسم ہے - دیوانی صرف خاص - صرف خاص شاہی زمینات کو کہتے ہیں جن کی آمدنی کا تعلق حضرت بندگانعالی متعالی سے ہے - صرف خاص کا ایک ضلع اطراف بلدہ براہ راست شاہی نگرانی میں ہے اور اوس کے ماسوا بعض تعلقات ایسے ہیں جو عہدہ داران دیوانی کے زیر انتظام ہیں باقی کل علاقہ دیوانی کے نام سے موسوم ہیں - ان دونوں حصص میں دو قسم کی زمینیں ہیں - خالصہ - غیر خالصہ -

خالصہ وہ جن کی مالک بلاتعلقات غیر براہ راست گورنمنٹ ہے اور جن سے گورنمنٹ مالگذاری اراضی حاصل کرتی ہے -

غیر خالصہ وہ جو گورنمنٹ سے راست تعلق نہیں رکھتے اور جن سے دوسرے اشخاص زیادہ نفع حاصل کرتے ہیں -

اراضی خالصہ کو لگان پر حسب ذیل طریقوں سے لوگوں نے لیا ہے پورا ایک یا دو چار کھیت ایک شخص کے نام ہیں اور وہی مع اپنے

رشتہ داروں کے کاشت کرتا ہے زیادہ نمبر اسی طریقہ پر لئے گئے ہیں شکمی داری سے ایک ہی نمبر کو دو یا زیادہ اشخاص جس میں کاشت کرتے ہیں اور مالگذاری ادا کرتے ہیں۔

متعدد نمبر ایک شخص نے لئے ہیں اور ملازموں یا اجارہ کے ذریعہ کاشت کراتا ہے ایسے اشخاص دیسکھ کے نام سے موسوم ہیں۔

ممالک محروسہ میں بنگال یا صوبہ متحدہ کی طرح زمیندار نہیں ہیں جو سرکار اور رعیت کے بین وصول مالگذاری وغیرہ کے لئے واسطہ ہوتے ہیں بلکہ سب کے سب نمبردار بلا واسطہ اپنے دیہی پٹیل کے ذریعہ مالگذاری ادا کرتے ہیں البتہ دیسکھوں کو اُن زمینداروں کے مماثل خیال کیا جاسکتا ہے

اب کچھ عرصہ سے ساہوکار اور دوسرے پیشہ کے اشخاص بھی نمبر پٹہ لیتے اور اُن کو اجارہ پر دیتے یا ملازموں کے ذریعہ کاشت کراتے ہیں پٹیل، پٹواڑیوں کے پاس بھی جو عہدہ داران دیہی ہیں نمبر موجود ہوتے ہیں۔ اور وہ بالعموم طبقہ مزارعین کے ہی افراد ہوتے ہیں۔

نمبرداروں کا کثیر حصہ ہندو اقوام کا ہے مسلمان بہت کم کاشتکار ہیں اور جو کچھ ہیں اُن میں بہت سے ایسے ہیں جو نومسلم یا نومسلموں کی نسل سے ہیں تمام مالگذاران اراضی پر یہ امر لازم ہے کہ وہ زر مالگذاری کے علاوہ فی روپیہ اربیہی اور امور رفاہ عام مثل تعلیم، طبابت، سڑک، وغیرہ کے لئے دیں۔ یہ حقیقت نفس الامری ہے کہ اب تک لوکل فنڈ کا روپیہ اُن اغراض میں بہت کم صرف ہوا ہے جن کے لئے لگایا گیا تھا۔ اراضی غیر خالصہ حسب ذیل حصص میں منقسم ہے۔

جاگیر۔
اگرہار
انعام

مقطعہ

گزشتہ فرمانروایان آصفیہ یا سلطنت مغلیہ نے فوجی وسیول جانفشانیوں کے صلہ میں امرا کو مدد معاش کے طور پر یا فوجی و ملکی و مذہبی اعلیٰ خدمات کو انجام دینے کے معاوضہ میں ایک یا کئی دیہات عطا کئے ہیں وہ جاگیر کہلاتے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ اُن کے وارثوں کو ملتے آرہے ہیں امتداد زمانہ سے بہت سی مشروط الوقت جاگیریں بلا معاوضہ خدمات بحال ہیں جاگیرداروں میں سب سے مقدم جاگیرداران پائگاہ ہیں جن میں سے ہر ایک کے قبضہ میں سیکڑوں دیہات ہیں اور جن کے معاوضہ میں بہت سی فوج اُن کو مہیا رکھنے لازمی ہے۔

اگر ہا روہ دیہات ہیں جو ہندو راجاؤں یا مسلمانوں کے زمانہ میں منادر کے لئے جاگیر عطا ہوے ہیں۔ اور اُن کو فیاض سلطنت آصفیہ نے برقرار رکھا ہے

انعام وہ قطعات اراضی ہیں جو مختلف زمانوں میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہبی و دیہی رفاہ عام کی خدمات بجالانے کے لئے عطا کئے گئے ہیں اور اب بھی دراثتاً بحال ہیں مگر جو مذہبی انعام اب جاری ہیں۔ اُس کے قابض بہت کم اُن شرائط و خدمات کو پورا کرتے ہیں جو اُن پر لازمی ہیں۔

مقطعہ۔ جس میں ستان بھی شامل ہو سکتے ہیں وہ ایک یا زائد دیہات ہیں جو گزشتہ یا موجودہ زمانہ میں اُن کے مالکوں کو اس شرط پر دئے گئے ہیں کہ ان کی آمدنی میں سے ایک معین رقم سرکار کو سالانہ دیا کریں اور باقی آمدنی سے خود فائدہ حاصل کریں اور اپنے حسب مرضی اپنی جائداد کو ترقی دیں بنجر و ویران بے چراغ دیہات بھی اسی طرح دئے گئے ہیں۔ اور اُن مالکوں نے اس کو آباد کیا ہے مقطعہ میں داخل ہیں۔ ستانوں میں گدوال و پرسپا پالونچہ اناگندی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر ۴ صحیفہ جلد ۵

چند ضروری نوٹس

تعلیم جبری مارچ کے علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے مختلف نمبروں میں ایک مضمون نکلا ہے جسمیں مضمون نگار کمپلسری ایجوکیشن کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے۔ یہ وہ صدا ہے جسکو آج سے بیس سال پیشتر ملا عبد القیوم صاحب مرحوم حیدرآباد میں لگا چکے ہیں۔ صحیفہ کے ابتدائی نمبروں میں جنمیں ملا صاحب کی اجمالی سوانح عمری لکھی گئی تھی اُن کے اس کارنامہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملا صاحب نے اس مضمون پر ایک مبسوط اور مدلل رسالہ لکھا تھا اور سرکار نظام کے ملاحظہ میں پیش کیا تھا مگر ہمارے ملک کے نصیب ابھی تک سوے ہوے ہیں اسلئے سرکار کیطرف سے ابتک اس جانب کوئی توجہ نہیں ہوئی ہے۔ ملا صاحب نے اپنی پیہم کوششوں سے اس کارروائی کو ایک حد تک مکمل کر دیا تھا۔ اسوقت کے تمام عہدہ داروں نے جس میں مولوی مشتاق حسین صاحب (حال آنریری سکرٹری مدرسۃ العلوم علیگڈھ) بھی تھے اِس کے متعلق ملا صاحب کے موافق راے دی تھی۔ مگر بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر یہ تمام کارروائی معرض التوا میں پڑ گئی اور اس کے بعد سے پھر اس مسئلہ پر کوئی توجہ نہیں کیگئی اور نہ عہدہ داران تعلیمات میں سے کسی نے اس طرف سرکار عالی کو متوجہ کرایا۔ موجودہ زمانہ میں جبکہ معتمدی تعلیمات کی کرسی پر ایک ایسا شخص نظر آتا ہے جسکا نام نامی ہمدردی ملک و قوم کی لئے زبان زد عام و خاص ہو رہا ہے اور جس نے ملک میں بہت سی مفید اور نافع تجاویز کے اجرا کا

ارادہ کیا ہے۔ کیا اسبات کی توقع کیجاسکتی ہے کہ اس ضروری اور مہتم بالشان تجویز کیطرف عنان توجہ مبذول کیجائیگی؟ کیا ہم ڈاکٹر سراج الحسن صاحب ناظم تعلیمات سے امید کرسکتے ہیں کہ وہ اس تحریک کو سرکار میں دوبارہ پیش کرکے اس کے اجرا کے لئے ساعی ہوں گے؟

دنیا کے کم وبیش تمام متمدن ممالک میں ابتدائی تعلیم جبری اور مفت کردی گئی ہے۔

ہندوستان میں چونکہ فاتح ومفتوح قوم میں بدرجۂ غایت وطن مذہب اور قوم کا اختلاف تھا اس لئے گورنمنٹ ہند جبری تعلیم رائج کرنے کی جرأت نہیں کرسکتی تھی لیکن عرصۂ دراز کی تعلیم نے ہندوستانیوں کے عقول کو بہت کچھ روشن کردیا ہے وہ اپنے نفع ونقصان کو خوب سمجھنے لگے ہیں متمدن ممالک متمدنہ کی نظریں ان کے سامنے موجود ہیں جس سے جبری تعلیم کی ضرورت بخوبی انکے ذہن نشین ہوگئی ہے۔ اس بنا پر انہوں نے خود گورنمنٹ ہند سے اسکا مطالبہ کرنا شروع کردیا ہے اور دو سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ گورنمنٹ نے اس کے اجرا کا وعدہ بھی کرلیا ہے لوکل گورنمنٹوں سے رائیں موصول ہوگئی ہیں۔ اور عنقریب اسکے متعلق باقاعدہ کارروائی شروع ہونیوالی ہے۔ چنانچہ امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس رواں میں آنریبل مسٹر گوپال کرشن گوکھلے نے اس مضمون کا زبردست ریزولیوشن پیش کرنیکا ارادہ کرلیا ہے کہ "اس کونسل رائے میں اب وقت آگیا ہے کہ اس ملک میں جبری مفت ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا جاے اور یہ کہ سرکاری وغیر سرکاری ممبروں کا ایک مخلوط کمیشن اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے مقرر کیا جاے"

سرکار انگریزی کو اپنے یہاں جبری تعلیم کے رائج کرنے میں باوجود اختلاف قومیت بہت ساری دقتیں تھیں۔ اور اب بھی ہیں لیکن ہماری سرکار کا یہ حال نہیں ہے۔ یہاں باوجود اس اتحاد و یکجہتی کے جو حکمران کو محکومین کے ساتھ ہے جبری تعلیم نہایت سہولت اور آسانی کیساتھ جاری کیجاسکتی ہے۔ جبری تعلیم کے متعلق ملا صاحب نے جو اسکیم پیش فرمائی تھی وہ ملک کے موجودہ ضروریات اور حالات کے نہایت مناسب ہے اگر سرکار اسکی طرف التفات فرماے تو ملک کی نکبت وجہالت کا جھگڑا بہت جلد ختم ہوجائیگا۔ جب سرکار انگریزی نے باوجود ان تمام دشواریوں کے جو طرز حکومت کی وجہ سے اسکو لاحق ہیں اجراے تعلیم جبری کا ارادہ کیا اور اس کے متعلق کارروائی بھی شروع کردی ہے تو ہماری سرکار کو بدرجۂ اولیٰ

اس جانب متوجہ ہونا چاہیئے۔

صنعت وحرفت کی تعلیم اسی ماہ مولوی انشاء اللہ خانصاحب اڈیٹر وطن نے اپنے مشہور اخبار کے سلسل نمبروں میں اس امر پر نہایت مدلل اور مفصل بحث کی ہے کہ مسلمانوں کو صنعت و حرفت و تجارت کیطرف توجہ کرنیکی نہایت ضرورت ہے۔ انہوں نے اپنے پرزور دلائل سے ثابت کردیا ہے کہ آجکل کی یونیورسٹیوں کی تعلیم ہمارے حق میں نہایت مضر ہے۔ علیگڈھ کالج کا طرز تعلیم ایسا ہی رہے جیسا کہ اب تک رہا ہے۔ علیگڈھ کالج ایسے ہی طلبہ تیار کرے جیسے کہ اب تک تیار کرچکا ہے تو ہمکو کبھی اس امر کی توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ قومی تنزل و ادبار کی کشتی پار لگے گی۔ اڈیٹر صاحب وطن نے جو خیال اب ظاہر کیا ہے ملا عبدالقیوم صاحب مرحوم موجودہ تعلیم کی نسبت شروع سے رکھتے تھے۔ انہوں نے رسالہ تعلیم جدید میں اپنے اس خیال کو مفصل بیان کیا ہے اپنی کئی اسپیچوں اور مکالموں میں اس خیال کی تائید کی ہے۔ انہوں نے اپنے اخیر زمانہ حیات میں دائرہ المعارف کے زیر سرپرستی ٹیکنکل ایجوکیشن فنڈ کھولا تھا اور قریب ایک ہزار روپیہ کے جمع بھی ہوگیا تھا کہ اسی عرصہ میں انکا انتقال ہوگیا۔ اور ایک مفید اور ضروری تحریک معرض کہور میں نہ آسکی۔ موجودہ تعلیم سے سوائے اس کے کہ ہمارے حواسے جسمی و عقلی خراب و برباد ہوں۔ اور ہم کھرے کھوٹے کو غیروں کے محتاج ہوں۔ کچھ حاصل نہیں۔ اول طبق بعد سبق۔ ہمکو سبق سے پہلے طبق کی فکر کرنی چاہیئے۔ فلسفے زہراً فلسفی یہ۔ موجودہ تعلیم جسطرح علی قومیت کو نقصان پہونچایا ہے اور عالم معاش میں ہمکو ناکارہ و معطل کردیا ہے اور ہمارے خیالات اور ارادوں اور حوصلوں کو پست و سست بنادیا ہے اُسکی نظیر ہمارے قومی تنزل کی تاریخ میں بہت کم ملیگی۔ ایسی تعلیم سے جس میں انسان بھوکوں مرے وہ جہالت اچھی ہے جسمیں پیٹ بھر کھانا ملے۔ تعلیم کی یہ حالت دیکھکر بے اختیار جی یہ کہنے کو چاہتا ہے کہ ؎

مولوی انشاء اللہ خانصاحب نے اس مبحث پر جو مفید اور جامع مضمون اپنے اخبار کے کالموں میں تحریر فرمایا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر ایک مسلمان اس کو نہایت غور و تامل کیساتھ پڑھے۔ ہم صحیفہ کے اس نمبر میں ملا عبدالقیوم صاحب مرحوم کا ایک مقالہ

مضمون جو انہوں نے اس بحث پر علیگڈھ کالج کی طرز تعلیم سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا تھا۔ آخر میں وطن کے ہمنوا و ہمصفیر ہو کر درج کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ ہمارے مسلمان تو م اس اہم مسئلہ کیجانب اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے اور موجودہ طرز تعلیم کی اصلاح میں کوشش کرینگے

انجمن معارف وہ جماعت جو صحیفہ کو قایم کرنیوالی اور اسکو چلانے والی ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سال سے بالکل سوئی تھی۔ اس کے اجلاس موقوف ہو گئے تھے۔ وہ عملاً کوئی کام نہیں کرہی تھی۔ شکر ہے کہ اس میں پھر جان آئی اور وہ پھر حرکت کرنے لگی ہے۔ اس سال جو صحیفہ کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ اور دفعتہً اُس کی ترقی کی گاڑی چلتے چلتے رک گئی اس نے انجمن معارف کے ممبروں پر وہ کام کیا جو سوے ہوے پر پانی کے چھینٹے کرتے ہیں انجمن نے اب مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ صحیفہ کو عموماً ہندوستان اور خصوصاً دکن کا ممتاز اور برگزیدہ رسالہ بنائے اس کے نطاق اشاعت کو وسیع کرے۔ مضامین۔ لکھائی۔ چھپائی اور حجم کے لحاظ سے اسکو جلد کسی ممکن ترقی دے ہمکو امید ہے کہ اگر اس کے ارکان اپنے منتفقہ مساعی کو کام میں لائیں اور اپنے فرائض منصبی کو دلچسپی اور شوق کیساتھ انجام دینے کی کوشش کریں تو اسی سال رسالہ ترقی کے اس زینہ پر پہونچ سکتا ہے جو ہمارے نصب العین ہے۔

انجمن معارف نے سوائے صحیفہ اور دار الاخبار کے کوئی عملی کام نہیں کیا۔ تاریخ قیام سے ابتک جسکو چار سال کا عرصہ ہوتا ہے اسکی عملی رفتار بالکل سست رہی۔ لیکن ہم ناظرین کو خوشخبری سناتے ہیں کہ انجمن نے اپنے طویل خواب غفلت سے کروٹ بدلتے ہی ایک ایسے مفید اور عام ضروری اور مہتم بالشان کام کا اہتمام اپنے ذمہ لیا ہے جس سے نہ صرف صحیفہ کے اجرا میں مدد ملے گی اور انجمن کے مقاصد کو تقویت پہونچے گی بلکہ ملک کی خیرات نہایت باقاعدہ طور سے صرف ہونے لگے گی۔

خیراتی فنڈ کا قیام ہندوستان میں عموماً خیرات جس بیہودگی سے صرف ہوتی ہے وہ روشن خیال حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ خاصکر ریاست حیدرآباد میں لاکھوں ہزاروں روپیہ جس بیدردی کے ساتھ ننگوں، مستنڈوں، بھنگڑوں، اور چانڈو

بازوں کی نذر ہوتا ہے اُس سے کون ہے جو واقف نہیں۔ اس خرابی سے متاثر ہو کر بعض پر جوش اور ہمدرد حضرات نے یہ ارادہ کیا کہ یہاں ایک ایسے خیراتی فنڈ کی بنیاد ڈالی جائے جو ملک کی خیرات کو صحیح ملک و قوم کاموں میں صرف کرے۔ چنانچہ پائی فنڈ کے نام سے ایک فنڈ کھولا گیا اور اسکا اہتمام و انتظام مولوی عبد المجید خانصاحب اہلکار دفتر فینانس کے سپرد کیا گیا جو نہایت ہی متدین اور مستقل شخص ہیں۔ اگرچہ اس فنڈ کے محرک اور بانی مبانی انجمن کے بعض ارکان ہیں اور اُس کو قایم ہو کر ایک سال گزر چکا ہے لیکن انجمن عارف سے اس فنڈ کا تعلق باضابطہ طور سے نہیں ہوا تھا۔ اور ابتک یہ صاحب موصوف کی ذاتی اور شخصی کوششوں کے بل بوتے پر چلتا رہا۔ چونکہ زمانہ جمہوریت پسند ہو گیا ہے۔ اور کوئی قومی اور ملکی کام اسوقت تک وقعت حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ قومی اصول پر نہ چلایا جائے اسلئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ اُس کے کل کاروبار کو انجمن سے متعلق کر دیا جائے اور اسکو انجمن کی ایک شاخ بنا دیا جائے۔ انجمن نے جسکا یہ مقصد ہے کہ افراد ملک کو علمی اور عملی ترقیوں میں مدد دے اور ترویج معارف کی کوشش کرے۔ جسکی بسم اللہ اس نے صحیفہ کے اجرا سے کی اور بحمداللہ اس کو ابتک کامیابی کے ساتھ چلاتی رہی اس فنڈ کا اہتمام و انتظام اپنے ذمہ لے لیا۔

پائی فنڈ نے کیا کیا

اس فنڈ کے قیام کے وقت یہ طے کر دیا گیا تھا کہ اس کی دو سالہ آمدنی چندہ و بجائے زر یلوے میں دیجائیگی بنا بریں ۱۹۲۶ء تک جسقدر رقم جمع ہو گی وہ اس مفید دینی کام میں صرف کیجائیگی۔ مسلمانوں کے پاس چونکہ مذہب تمام دنیا کی چیزوں سے عزیز ترین چیز ہے اس لئے پائی فنڈ کے مصرف کی بابت ایک دینی کام ہونے ہم نہایت محمود سمجھتے اور تقاول نیک خیال کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ پائی فنڈ نے ایک فری ریڈنگ روم بھی کھول دیا ہے صحیفہ کے تبادلہ میں ہندوستان سے جسقدر اخبارات اور رسالہ جات آتے ہیں وہ کل کے کل دار المطالعہ میں بھیج دئے جاتے ہیں اسطرح ٹون لگے نہ پھٹکری ساتھ ہی متفرق اخبارات و رسالہ جات بغیر ایک پائی خرچ کے پائی فنڈ کو مفت ملجاتے ہیں۔ حیدرآباد میں چونکہ اخبارات کے مطالعہ کا شوق بہت کم ہے اور پبلک فری الٹیشن خال خال ہیں اسلئے پائی فنڈ کا انجمن معارف کے زیر اہتمام ایسے مفید کام کا آغاز کرنا اس کے نیک انجام کا پتہ دیتا ہے۔

پائی فنڈ کا آیندہ مصرف اگرچہ پائی فنڈ کے شرکا کی تعداد انگلیوں گنی جا سکتی ہے اور اُنکے چندہ کی مقدار کم از کم ایک پائی رکھی گئی ہے۔ لیکن اس کے مقاصد بسیط اور مفید خاص وعام ہیں کہ ہر شخص کو اُنسے ضرور دلچسپی پیدا ہوگی اور ہونی چاہیئے اسکا مقصد جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے یہ ملک کی خیرات مفید اور عمدہ طریقہ سے صرف کیجاے ظاہر ہے کہ ہمارے ملک کو تعلیم کی جسقدر ضرورت ہے اسقدر کسی اور چیز کی نہیں۔ اسلئے پائی فنڈ کا پہلا کام فی الحال کے بعد سے یہ ہوگا کہ وہ اپنے ملک کی تعلیم میں اپنی مجتمعہ رقم کا ایک بڑا حصہ صرف کرے۔ یہ امر کہ تعلیمی امور میں کس طریقہ سے رقم صرف کیجائیگی۔ انجمن معارف کے عواید پر موقوف ہے۔

انجمن معارف کی سہ ماہیہ رپورٹ انجمن سے اتنے اصحاب بھی درحقیقت روشناس نہیں ہیں جتنے کہ صحیفہ سے ہیں جسکی وجہ محض یہ ہے اب تک اُسکو عملی طور سے ملک میں روشناس ہونیکا موقع نہیں ملا۔ اب جبکہ اُس نے پائی فنڈ جیسے مہتم بالشان اور مفید کام کو اپنے ذمہ لیا ہے اور صحیفہ کو قومی اصول پر چلانے اور ترقی دینے کا عزم بالجزم کر لیا ہے۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اسکی تمام کارروائیوں کو پبلک کے روبرو لایا جاے اور ملک کو اُس کی کارگزاریوں پر آگاہ ہونے کا موقعہ دیا جاے۔ اس لئے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ہر سہ ماہی پر انجمن کی ایک مختصر رپورٹ ناظرین کے روبرو پیش کیا کریں۔

محمد عبد الباسط
معتمد انجمن معارف

علیگڈھ کالج اور تعلیم صنعت وحرفت

مولوی انشاء اللہ خانصاحب اڈیٹر وطن نے اپنے اخبار میں تعلیم صنعت وحرفت کیطرف مسلمانوں کو توجہ دلاتے ہوے علیگڈھ کالج کے طرز تعلیم کے متعلق جو ضروری اور مفید بحث چھیڑی ہے اسکے لحاظ سے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ صحیفہ میں اُسکے سرپرست ملا عبد القیوم صاحب مرحوم کا ایک مضمون درج کریں۔ جو انہوں نے

لکھنؤ کانفرنس کے اس ریزولیوشن کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا تھا۔ جو صنعت و حرفت کی تعلیم کو مسلمانوں کے حق میں غیر مفید ثابت کرنیکی غرض سے پیش کیا گیا تھا۔ یہ مضمون سات آٹھ سال پیشتر کا لکھا ہوا ہے۔ اسوقت جہانتک ہمکو معلوم ہے ٹرسٹیان علیگڈھ کالج بالکل سرسید کے قدم پر چلتے تھے جسطرح سرسید صنعت و حرفت کی تعلیم کو اپنے ملک و قوم کے حق میں غیر مفید اور غیر ضروری سمجھتے تھے اسی طرح کالج کے نام سرپرست اسمنعی تعلیم کو قوم کے حق میں مضر خیال کرتے تھے۔ لیکن عرصۂ دراز کے تجربہ اور مسلمانوں کی موجودہ نکبت و تباہی اور افلاس نے بعض روشن ضمیر اور آزاد خیال ٹرسٹیوں پر موجودہ طرز تعلیم کا نقص ظاہر کر دیا اور انہوں نے تسلیم کر لیا کہ سرسید کی پالیسی اپنے زمانہ کے مناسب حال ہو تو ہو۔ لیکن موجودہ حالات کے لحاظ سے ہرگز اس قابل نہیں ہے اُس پر سختی کیساتھ عمل کیا جاے۔ جہانتک ہماری معلومات ہمکو مدد دیتی ہے سب سے پہلے شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ العالی نے اپنی اس پر مغز اور پر معنی اسپیچ میں جو انہوں نے کراچی کانفرنس کے پریزیڈنٹ ہونے کی حیثیت سے پڑھی تھی صنعتی تعلیم کی تائید میں آواز بلند کی موجودہ طرز میں اصلاح کی ضرورت تسلیم فرمائی۔ اس کے بعد زمانہ کی تیز رفتار ترقی اور مسلمانوں کی تعلیمی نقایص نے اور بھی خواہان کالج پر بھی ثابت کر دیا کہ جب تک مسلمان اپنے طریقہ تعلیم میں قرار واقعی اصلاح نکریں گے۔ انکو تعلیم سے بجاے اس کے کہ نفع پہنچے الٹے نقصان پہنچنے لگے گا۔ پانچ چھ سال کے قلیل عرصہ میں مختلف سرپرستان کالج نے اپنے مختلف اسپیچوں میں صنعت و حرفت کی تائید میں نہایت عمدہ خیالات ظاہر کئے ہیں اور موجودہ تعلیم کو ضروریات قومی کے ناکافی تصور کیا ہے۔ مگر تعجب اور سخت تعجب ہے کہ کانفرنس اور علیگڈھ کالج نے اس جانب ابتک

کوئی علمی توجہ نہیں کی - ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اوسی تعلیمی مرکز پر گھما رہی ہیں جس پر آج سے کئی سال قبل گھما رہے تھے یہی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اپنی تعلیم کی بدولت کوئی ایسا نمونہ ملک کے سامنے نہیں پیش کیا جس سے ملک کے ترقی اور آسایش میں ترقی ہو - تعلیم پانیکے بعد سوائے اس کے کہ وہ کسی محکمہ میں ملازمت اختیار کرلیں دیگر ذرائع معیشت میں بالکل اپاہج اور اناڑی ثابت ہوتے ہیں - پھر کیا وجہ ہے جو ہمارے ہادی اور مصلح اور رفارمر اس نقص اور خرابی کو رفع کرنیکی جانب متوجہ نہیں ہوتے - کیا ہماری تعلیم کا مقصد صرف یہی سمجھ لیا گیا ہے کہ ہمکو نوکر بنایا جاے - کیا مسلمانوں کی قوم ہی ایسی قوم ہے جس کے ماتھے پر قسمۃً غلامی لکھا جاے - کیا ہندوستان کے کل محکمے تمام مسلمانوں کو نوکریاں دیکر انکا پیٹ پال سکتے ہیں - نہیں تو پھر التعلیم کیوں دیجاتی ہے جو اُن کو سوائے ملازمت کے اور کسی کام کا نہ رکھے ؟ ملا صاحب کے مضمون کی ابتدا اور انتہا اگرچہ سخت الفاظ میں ہوئی ہے - لیکن چونکہ وہ محض قوم کی خیر خواہی اور نیک نیتی پر مبنی ہے اس لئے امید ہے کہ وہ لوگ جنہیں بمصداق "المحب یعمی ویصم" علیگڈھ کالج کے محاسن ہی محاسن نظر آتے ہیں اس مضمون کو ٹھنڈے دل سے پڑھینگے - اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے معقول و مدلل ہو تو اپنی قومی تعلیم کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوں گے - مضمون کے درج کرنیسے پیشتر ہم یہ کہدینا امر ناظرین کے ذہن نشین کرنا ضرور سمجھتے ہیں کہ علیگڈھ کالج کے سرپرستوں کے خیالات اور اصول کی نسبت اِس مضمون میں جو کچھ نکتہ چینی کیگئی ہے وہ اِس زمانہ سے متعلق سمجھی جاے - جبکہ سرپرستان کالج کی راے تعلیم صنعت و حرفت کے بالکل برخلاف تھی کیونکہ اِس مضمون کو تلمیذ ہوکر کوئی سات آٹھ سال کا عرصہ ہوتا ہے - اور اب

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا اکثر بھی خواہاں قوم موجودہ تعلیم کساتہ صنعتی تعلیم کو نہایت ضروری سمجھنے لگے ہیں گو عملاً انہوں نے اس جانب کوئی توجہ نہیں کی

محمد عبدالباسط

نہایت افسوس سے یہ بات تعلیم یافتہ گروہ میں دیکھی جاتی ہے کہ علیگڈھ کے پیشروان قوم و ہادیان ملت ادھر ایک طرف سے سیاست ملکیہ سے اجنبی و بعید واقع ہوے ہیں اور دوسری جانب سے بجاے قوم کے اسباب ترفہ و تمول کو پیدا کرنے اور اُن کو ترقی دینے کے روز بروز اُن کی قطع و برید اور ازالہ و انمحا کی فکر کرتے جاتے ہیں چنانچہ جو مخالفت قومی سیاسی گروہ کانگرس سے ان کو ابتدا سے چلی آتی ہے وہ تھی ہی مگر اس سال کے کانفرنس لکھنؤ میں صنعت و حرفت سے علیحدگی کی تحریک شائستہ اور سربرآوردہ تعلیم یافتہ عقلوں میں نہایت حیرت اور افسوس کے ساتھ دیکھی گئی۔ کیونکہ ہر قسم تعلیم یافتہ خواہ قدیم ہو یا جدید اس کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ جب ہم نے یہ خبر اخباروں میں پڑھی اور مسٹر ماریسن کی اسپیچ شائع ہوئی تو ہم کو سخت تعجب و حیرت ہوئی کہ مسلمانوں کی صنعت و حرفت سے دوری و کنارہ کشی کیونکر ممکن ہے کیونکہ اس قوم کو تو علاوہ تعلق طبعی و فطری کے قومی و ملی و دینی تعلق بھی ہے۔ پھر کیونکر کوئی مسلمان ایسے امر کو جس سے اُس کو تعلق فطری و طبعی کے علاوہ تعلق قومی و ملی و دینی بھی ہو چھوڑ سکتا ہے۔ اِس امر کے ثبوت کیلئے صنائع و حرف کا تعلق انسان کے لئے فطری و طبعی ہے اور ہر مسلمان کے لئے قومی و ملی و دینی ہے چند مقدمات کی تمہید کی ضرورت ہے جنکو ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

علم سیاست مدن میں یہ امر مسلم و تصفیہ شدہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں محتاج معاش ہے اور وجوہ معاش انسانی بعض طبعی ہیں اور بعض غیر طبعی ہیں۔ طبعی ذرائع معاش، فلاحت، صناعت، تجارت، ہیں اور غیر طبعی ذریعہ خدمت ہے اسلئے پانچہزار سال سے یہ مثل زبان زد خاص و عام ہے "اکم[1] کھیتی مدھم بیپار چاکری کنشت بھیک ندان"

[1] یعنی کھیتی اعلیٰ اور اُس سے کم درجہ پر بیپار اور نوکری کرنا تو بھکاری پن ہے۔

اور تم کھیتی اسواسطے ہے کہ انسان اپنی پہلے یا دوسرے درجہ کی ترقی سے جو کھوہوں اور جنگلوں سے نکلکر تمدنی حالت کیطرف ترقی کرتا ہے تو زراعت پیشہ بنتا ہے اور یہ پیشہ انسان کا فطری وبسیط اور سب سے مقدم پیشہ ہے اِس لئے اُس کو ابوالبشر آدم کیطرف منسوب کرتے ہیں اور انہی کا ایجاد کردہ اور تعلیم دادہ سمجھتے ہیں اکثر صحرانشینوں اور بادیہ گزینوں کا یہی پیشہ ہے۔

صنائع وحرف چونکہ مرکبہ اور نظر وفکر ہیں اِس سے متاخر اور دوسرے درجہ پر ہیں۔ چونکہ اِن میں سے اکثر علمی ہیں جو محتاج نظر وفکر وممارست ہیں اِس لئے اہل حضارت میں اِن کا وجود پایا جاتا ہے۔ نہ کہ اہل بداوت میں۔ جب بداوت سے حضارت کے مرتبہ پر انسان ترقی کرتا ہے تو محتاج صنائع وحرف ہوتا ہے لہذا اس کو انسان کی ترقی کے دوسرے درجہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسلئے یہ حضرت اِدریس علیہ السلام کیطرف منسوب ہے جو آدم ثانی ہیں۔

تجارت۔ چونکہ زراعت وصناعت پر اسکا دار ومدار رہے۔ اِس لئے تیسرے درجہ میں ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ اِنسان کے محتاج الیہ اقوات وسامان واسباب بہم پہنچائے جائیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ انکو منتقل کیا جائے اور محتاج الیہم کو نفع کیساتھ بیچا جاوے۔

خدمت غیر طبعی اِس لئے ہے کہ طبیعت حیوانیہ کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے بنی نوع کا محتاج ودست نگر نہ رہے۔ چنانچہ کوئی حیوان اپنے حوائج ذاتیہ میں اپنے بنی نوع کا محتاج نہیں ہے۔ بجز انسان کے کہ اُسی میں یہ عار پایا جاتا ہے جس کی وجہ ہے کہ ترفہ وتمدن کی وجہ سے وہ بہت آرام طلب ہوجاتا ہے اِس لئے اپنے حوائج میں دوسروں کی تائید کا محتاج ہوا کرتا ہے۔ یہ عادت اس کی طبیعت ثانیہ ہوجاتی ہے اور اِس کو اپنی اصلی فطرت سے دور ڈالتی ہے۔ بہرحال خدمت خواہ سرکاری ہو یا خانگی انسان کا غیر طبعی ذریعہ معاش ہے۔ اور نہایت کمتر اِس سے انسان ترفہ وتموّل حاصل کرسکتا ہے

اِس سے انسان کے اخلاق رزیل اور کمینہ ہو جاتے ہیں - کیونکہ اپنے زیر دستوں اور ماتحتوں پر ظلم اور زبردستوں اور حاکموں کے تملق کے بغیر اس ذریعہ معاش میں کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا - جو سب پر روز روشن کیطرح ظاہر ہے -

جب یہ امور مہد ہو چکے تو یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ صنائع بدون معلم کے حاصل نہیں ہو سکتے - اُن کی تعلیم ضروری ہے - کیونکہ جسقدر معلم کا ملکہ زیادہ ہوگا اسیقدر متعلم کی حذاقت وجودت میں ترقی ہوگی - صنائع کے دو قسم ہیں - ایک بسیط اور ایک مرکب - صنائع بسیطہ وہ ہیں جو محتض بضروری ہیں - اُن کی تعلیم بھی اول ہوتی ضروری ہے - چونکہ تلاحق افکار سے ہر شے میں تدریجاً ترقی ہوا کرتی ہے اسیطرح صنائع میں بھی بمرور ازمان و دہور تدریجاً ترقی ہوتی رہتی ہے جس ملک میں حضارت و تمدن کو ترقی ہوئی وہاں صنائع و حرف بھی ترقی پا گئے اور اعمال جسمیہ کے ساتھ قوت فکریہ و نظریہ کا بھی انضمام ہو گیا - اِس لئے اب کوئی صنعت و حرفت بغیر تعلیم کے حاصل نہیں ہو سکتی - بہرحال وہ صنائع جو حصول معاش کے لئے تمدن انسانی میں ضروری ہیں - فلاحت، حیاکت، بناوعمارت، وخیاطت، جزاری، نجاری، حدادی، وتجارت ہیں اور جو محتض بافکار و انظار ہیں شریف الموضوع ہیں - کاغذسازی - کتابت - طباعت - طبع وچھاپہ - جلدبندی وغنا وشعر وتعلیم وغیرہا ہیں - اس بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ خود تعلیم ایک صنعت منجملہ اصناعات بشری ہے - اور صناعت سے انکار گویا تعلیم ہی سے سرے سے انکار کرنا ہے -

جب ہم یہ ثابت کر چکے کہ صنائع کا تعلق بنی نوع انسان کیساتھ فطری و طبعی ہے اور اس تمدن معیشت کے لئے ضروری تو اب ہم اُس کے تعلق قومی و ملی و دینی ہونیکا ذکر کرتے ہیں -

جزیرۂ عرب یا اور کسی جزیرہ کے باشندے مثل برطانیہ و جاپان کے - دریا کے کنارہ پر ہونے اور زمین، میں صلاح زراعت نہونے کی وجہ سے دوسرے

مقامات پر تجارت کرنے اور وہاں سے اپنے اقوات وغلات اور اشیاے ضروری المعیشت کے لانے اور لیجانے پر بالطبع مجبول ومجبور ہوتے ہیں اور ایسے اقوام کا طبعی و فطری پیشہ تجارت وصنعت ہوا کرتا ہے اور یہ اقوام بہ نسبت دوسری قوموں کے جنکو معیشت کے ذرائع بسہولت حاصل ہوں زیادہ متمرفہ ودولتمند ہوا کرتے ہیں جیسا کہ معائن ومشاہد ہے - کیونکہ دولت وثروت بدون محنت کے حاصل نہیں ہوتی اور یہ بوجہ سفر وسیاحت وتجربہ ومحنت دوسرے اقوام سے مالی نفع زیادہ حاصل کرتے ہیں اس لئے اُن کی ثروت ومکنت بہ نسبت دوسروں کے بالضرور زیادہ ہوتی ہے - جب یہ کلیہ معلوم ہوچکا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ عرب کے اقوام میں جو قوم سب سے زیادہ شریف ووجیہ سمجھی جاتی تھی اور سمجھی جاتی ہے حتی کہ مذہبًا بھی سواے اس کے دوسری کسی قوم سے امام و خلیفہ منتخب نہیں ہوسکتا تھا - وہ قریش ہے اور قریش کو قریش اسیواسطے کہتے ہیں کہ وہ کاسب وتاجر تھے - لغت عرب میں قرش کسب وتجارت کو کہتے ہیں - وہ براہ خشکی دو سفر کیا کرتے تھے - صیف میں شام کیطرف اور شتا میں یمن کی جانب - خدا جس مبارک سفر کا ذکر سورۂ لایلاف میں فرماتا اور اُسکی قسم کھاتا ہے - وہ یہی ہیں - اسکے علاوہ خود قرآن شریف میں کئی جگہ تجارت کو فضل اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے - اور احادیث میں وارد ہے کہ نو پر نو حصے رزق تجارت وزراعت میں رکھا گیا ہے - اور اور ایک حصہ دوسرے تمام ذرائع معاش میں -

ہمارے نبی کریم خود تاجر تھے - آپ کا سفر شام اور مضاربت حضرت خدیجۃ الکبریٰ میں تجارت کرنا کونسا مسلمان نہیں جانتا - ہمارے خلفاے راشدین ابوبکر الصدیق - عمر فاروق - عثمان غنی - سب تاجر تھے اور قومی طریقہ پر اپنے دست مزد سے معیشت پیدا کرتے تھے نہ خدمت وغلامی کے ذریعہ ہمارے امام اعظم خود تاجر تھے - اِن کی بزازی کی دوکان مشہور ومعروف

ہے۔ ہمارے اسلاف علما، حکما سب کے سب اسی قومی اور دینی طرز معیشت پر آزادانہ زندگی بسر کرتے اور رزق حلال و صدق مقال کو ہاتھ سے نہ دینے کیلئے محترف ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ طبقات رجال کی کتب کو اگر اٹھا کر دیکھا جائے تو تمام علما محترف و متجر پائے جائیں گے کوئی سکاک ہے، کوئی ہروی، کوئی حداد، کوئی زجاج، کوئی قتالی، کوئی سماک، کوئی کسائی، کوئی قفال، کوئی بزاز کوئی حلوائی، کوئی اسکاف و علاف۔ جب ہمارے اسلاف نے موجودہ اور نصاریٰ کی بھی خدمت کی ذلت پر ترجیح دی ہے تو علیگڈھ کے حضرات کا یہ رزولیوشن پیش کرنا کہ مسلمان صرف تعلیم پاکر قوم غیر کے سستے مزدور بنے رہیں اور ثروت و دولت و ترفہ حاصل نکریں کسقدر مسلمانی اور تمدن انسانی سے بعید و دور ہے نہ صرف مسلمانی و تمدن انسانی کے خلاف یہ تحریک ہے بلکہ نیچریت کے بھی مخالف ہے۔ کیونکہ ہکسلے اور پرثابت کر دیا ہے کہ صنائع انسان کے لئے فطری و طبعی ہیں گویا علیگڈھ کالج خلاف فطرت انسانی تعلیم پانے کی ترغیب دیتا ہے اور قوم کو ذلت و نکبت کے گڑھے میں ڈالنا چاہتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ علیگڈھ کے ٹرسٹی اپنی قوم پر رحم کریں گے اور اسکو اس سے زیادہ نکبت و ذلت میں پھنسے رہنے نہ دینگے اور ایسی تعلیم دینے کی کوشش کرینگے۔ جس سے اُن کی حریت و ثروت و دولت و مکنت میں روز افزوں ترقی ہو۔ اور غلامی قوم غیر کے پھندے سے نکلکر آزادانہ زندگی بسر کرسکیں اور اپنی معیشت میں محتاج غیر نہ بنے رہیں۔ بلکہ اپنے دست مزد سے اپنی روٹی پیدا کرسکیں جیسا کہ ہمارے دوسرے مماثل اقوام ہند و پارسی یہ فرقہ ثروت و مکنت بوجہ تعلیم صنعت و حرفت و تجارت بسر کر رہے ہیں

ملا عبد القیوم

پارسیوں کے متعلق اسلامی تحقیقات

مولوی محمد مرتضیٰ صاحب مولوی فاضل کا دماغ تاریخی تحقیقات کے لئے جسقدر موزوں واقع ہوا ہے اسکا اندازہ ناظرین اُن مضامین سے کر سکتے ہیں جو صحیفہ کے گزشتہ نمبروں میں شائع ہو چکے ہیں اس مضمون کو وہ مسلمان جو اپنے اسلاف کی تحقیقات سے دلچسپی رکھتے ہیں امید ہے کہ نہایت شوق و ذوق کی نظروں سے دیکھیں گے اور مولوی صاحب کی علمی تحقیقات اور وسعت نظر کی داد دیں گے۔

رپورٹ مردم شماری بابتہ ۱۸۹۱ء مرتبۂ مرزا مہدی خانصاحب بالقابہ سابق ناظم مردم شماری میں پارسیوں یا دوسرے الفاظ میں مذہب زردشتی کے متعلق یورپ نے جو کچھ تحقیقات کی ہے اُسکا ایک عمدہ اور بسیط خلاصہ ڈاکٹر ٹنشی کانت متوفی کا لکھا ہوا درج ہے۔ جس کی ابتدا میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ "ہمکو پارسیوں کے قدیم مذہب اور اُن کی زبان سے جو واقفیت ہوئی ہے اِس کے لئے ہم یورپ کے عالموں کی محنت اور تحقیقات کے مرہون منت ہیں یونانیوں۔ رومیوں۔ اور عربوں کے ہاں مغ یا آتش پرستوں کے حالات بہت ہی کم موجود تھے اور جو کچھ تھے وہ بھی نامکمل اور غلط تھے" اگرچہ فی الواقع یورپ کی علمی تحقیقات کا مواد بلحاظ اصول ارتقائے تدریجی گزشتہ اقوام سے آگے بڑھا ہوا رہنا ضروری ہے اور ہر متجسس تحقیقات کو اس اعتراف کے بغیر چارہ نہیں کہ یورپ نے جس محنت و کاوش سے مشرقی مذاہب قدیمہ کے رازہائے نہانی دنیا کے روبرو پیش کئے ہیں وہ ہر طرح قابل تعریف و مستحق شکریہ ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خیال کہ اسلامی لٹریچر میں پارسیوں کے صحیح حالات موجود نہ تھے۔ کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہے مسلمان مصنفین نے پارسیوں کے متعلق جسقدر کثرت سے کتابیں لکھی ہیں اور جس تحقیق سے کام لیا ہے اسکا اندازہ علامہ ابن الندیم کی بیمثل کتاب الفہرست سے ہو سکتا ہے

جس کی کتاب کا کسی قدر نمونہ تاریخ التاریخ کے ذریعہ سے صحیفہ میں پیش کیا جا چکا ہے پارسیوں کے متعلق جو کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ اِن کے متعلق علامہ شبلی صاحب نے اپنے مضمون تراجم کے صفحہ ۲۰۲ سے ۲۵۵ تک اِسقدر شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے کہ فی الوقت کوئی اور اضافہ اُس پر ممکن نہیں اور اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ کی تحقیقات پر جو شکریہ ادا کیا جا رہا ہے اولاً خود اہل یورپ کے سامنے اُن اِسلامی کوششوں کا ذکر کیا جائے جنکا علامہ شبلی صاحب نے اُردو زبان میں کیا ہے تو بلاشبہ اُن کو دل سے مُسلمانوں کے اس بے مثل علمی ذوق شوق کا معترف ہونا پڑیگا۔

دراصل اِس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ مسلمانوں نے پارسیوں کے حالات سے کہاں تک اعتنا کیا تھا۔ یہ زبردست ثبوت موجود ہے کہ جو نتیجہ یورپ نے نہایت جد وجہد کے بعد حاصل کیا ہے اِس نتیجہ پر اسلامی مصنفین پہونچ چکے تھے۔ جدید تحقیقات کی رو سے مذہب کی بنیاد "اسپیتما زردشت" نے ڈالی تھی اِس میں ایک ہی دایمی ذات کی پرستش تھی جسکو "اہورا مزدا" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اِس مذہب زردشتی کا خلاصہ مسٹر داد ابھائی نوروزجی نے اپنی ایک تقریر میں اِس طرح ادا کیا ہے "خدائے واحد پر ایمان لانا۔ ایک بی بی کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ اور ایک قانون کا عمل پیرا ہونا۔ خیال۔ قول۔ فعل۔ کی صفائی۔ یہ نتیجہ تحقیقات کی صدیوں پیشتر اسلامی مصنفین نے بھی اپنی کتابوں میں بیان کر دیا ہے۔

امام ابن حزم اندلسی نے جنکا مختصر تذکرہ بضمن تاریخ التاریخ صحیفہ میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اور جو دراصل ایرانی النسل تھے۔ اپنی مبسوط کتاب الفصل فی الملل والنحل میں (جو حال ہی میں مصر میں طبع ہوئی ہے) مذہب زردشتی کے متعلق بھی نہایت فصاحت کیساتھ بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں "واما زردشت فقد قال کثیر من المسلمین ہنو تر" (یعنے بہت سے علماے اسلام زردشت کی

نبوت کے قائل ہیں صفحہ ۱۱۳ - وممن قال ان المجوس اہل کتاب علی بن ابی طالب وحذیفہ رضی اللہ عنہما وسعید بن المسیب وقتادۃ وابو ثور وجمہور اصحاب اہل الظاہر" صفحہ ۱۱۴ - اصحاب ظواہر کا استناد زیادہ تر اس پر ہے کہ حضرت علیہ السلام نے مجوس سے جزیہ لینا جائز قرار دیا - اور ازروے نص قرآن مجید جزیہ صرف اہل کتاب سے ہی لیا جا سکتا ہے - جسکا یہ نتیجہ ہے کہ مجوس بھی اہل کتاب ہوں - چنانچہ اس لحاظ سے اصحاب ظواہر کے پاس مجوس بالکل اہل کتاب اور یہودیوں اور نصرانیوں کے احکام میں بہمہ وجوہ شریک ہیں - جمہور فقہا نے اگرچہ مجوس کو بخیال احتیاط بہمہ وجوہ اہل کتاب تسلیم نہیں کیا - لیکن علمی حیثیت سے ان کا اہل کتاب ہونا اکابر صحابہ سے مروی ہے - چنانچہ امام شافعی رضی اللہ عنہ اور عبدالرزاق (جو مشہور محدث ہیں) نے باسناد حسن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجوس بھی اہل کتاب تھے - حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری باب الجزیہ میں حسب عادت اس مسئلہ کے متعلق بھی تمام روایات نہایت بسط کے ساتھ درج کر دے ہیں - اور اسقدر بیان سے یہ بخوبی ظاہر ہو گیا کہ روم و یونان اور عبرانیوں نے صدیوں کے بعد بھی زردشتیوں کی نسبت وہ علم حاصل نہ کیا جو خیر القرون کے مبصرین نے نور رسالت سے فیض یاب ہو کر نورًا حاصل کر لیا اور جسکا نتیجہ تھا کہ وہ دور دراز مذاہب واقوام کی نسبت بھی صحیح رائے قایم کرتے تھے - اور اسی جذب اسلام نے "حملۃ الاسلام اکثر ہم العجم" کو مسلم واقعہ تاریخی بنا دیا ہے -

اس موقع پر یہ ذکر بھی کر دینا مناسب ہو گا کہ پیروان زردشت کا رومیوں - اور عبرانیوں کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ حلقہ بگوش اسلام ہونا بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ مذہب زردشتی بہ نسبت مذاہب عبرانی کے اپنی اصلی حیثیت میں زیادہ قایم اور ملۃ ابراہیم سے قریب تھا - جیسا کہ پروفیسر آرنلڈ بحوالہ ڈوزی و بازنگ و گونیو لکھتے ہیں "ان لوگوں کو قرآن میں وہی

اصول دریافت ہوسے جو اُن کے مذہب میں بھی موجود تھے گو اُن کی شکل کسیقدر مختلف تھی اہورا مزدا اور اہرمن کی جگہ اللہ اور ابلیس اُن کو پڑھنا پڑا۔ دنیا کا چھ زمانوں میں پیدا ہونا۔ ابتدا میں آدم کے بے گناہ ہونے کا قصہ ملائکہ اور شیاطین۔ قیامت کو مُردونکا اُٹھنا۔ جنت و دوزخ کے مسئلے دونوں مذہبوں میں ایک تھے۔ روزانہ عبادت میں بھی بہت باتیں یکساں تھیں۔ اسلام کی طرح اوستا سے بھی دن میں پانچ وقت عبادت کرنے کی ہدایت تھی" تزکیۂ نفس وغیرہ پروفسر آرنلڈ نے قیاس قایم کیا ہے کہ اہل عرب کے فتوحات کے زمانہ میں جن ایرانیوں نے اسلام قبول کیا۔ اُن کی تعداد غالباً بہت تھی یہ خیال بالکل درست ہے اسماء الرجال کا سرسری مطالعہ بھی ثابت کرسکتا ہے کہ نامورانِ اسلام کا دو تہائی حصہ ایرانی النسل ہے۔ بجالیکہ اِس کے مقابلہ میں عبرانی اور رومی النسل نامورانِ اسلام کی تعداد گویا کچھ بھی نہیں۔ پروفسر آرنلڈ کو غالباً ایرانی نومسلموں کے حالات پر اسٹڈی کرنے کا موقع نہیں ملا ورنہ اِن کا وہ حصۂ کتاب جو متعلق بایران ہے اِس قدر مختصر نہ ہوتا۔ انشاءاللہ ہم اِس موضوع پر اور بھی زیادہ لکھیں گے۔

ایفاے وعدہ

وعدہ کرنے کو تو سب لوگ کیا کرتے ہیں
مرد پوچھو تو وہی ہیں جو وفا کرتے ہیں

جو کرنا ہو وہ منھ سے کبھی کہتے ہی نہیں
کر گزرتے ہیں زباں سے جو کہا کرتے ہیں

کیوں نہ اُن لوگوں کا ہو ظاہر و باطن یکساں
دل کو آئینہ کو صاف اہل صفا کرتے ہیں

صاف دھوکے کی گئی سخن اہل نفاق
دلیں کچھ منھ سے وہ کچھ اور کہا کرتے ہیں

تول کا اُن کے ٹھکانا نہ قسم کا اُن کی
شرم بندوں سے نہ خالق سے حیا کرتے ہیں

باحمیت جو ہیں عاشق ہیں سخن پر اپنے
بات کیواسطے وہ جان دیا کرتے ہیں

کوہ ملجائے مگر وہ نہ ٹلیں وعدہ سے
بندے اللہ کے ایسے بھی ہوا کرتے ہیں

آن رہ جائے یہاں جان رہے یا نہ رہے
زور روشب تمکو یہی حق سے دعا کرتے ہیں

مردم شماری

تمام دنیا میں ہندوستان سے جلد کسی ملک میں مردم شماری کا اہم کام انجام نہیں دیا گیا اور جسقدر کم عرصہ میں ایسے وسیع ملک کی مردم شماری کی گئی اس نے دنیا کو حیرت میں ڈالدیا۔ جس ملک میں صدہا فرقے آباد ہوں۔ اور بیسیوں زبانیں بولی جاتی ہوں۔ اور صدہا مذاہب کے پیرو موجود ہوں۔ مردم شماری کا کام کسقدر مشکل ہوگا! لیکن تجربہ نے اسبات کو ثابت کردیا کہ نہایت سرعت کیساتھ باوجود اُن مشکلات کے اس ملک میں مردم شماری کا کام انجام دیا گیا۔ مگر جسقدر عجیب و غریب اور دلچسپ واقعات یہاں مردم شماری کے زمانہ میں پیش آئے وہ کسی مقام پر نہ پیش آئے ہوں گے۔ جس خوبصورتی اور قابلیت کیساتھ اُن کا انتظام عہدہ داران متعلقہ نے کیا وہ بہت قابل تعریف ہے۔ لوگوں کے توہمات نے اکثر شمارکنندوں کو عجیب مشکلات میں ڈالدیا تھا مگر جس خوبی سے انہوں نے اسکو حل کیا اور لوگوں کو رام کیا ہے وہ ستایش طلب ہے سب سے زیادہ زحمت ہندوستان کے قدیم باشندوں کی مردم شماری میں جو پہاڑوں اور جنگلوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اٹھانی پڑی ہے۔ بعض وقت ان نیم وحشیوں نے جیسا کہ ذیل کے دلچسپ واقعات سے ظاہر ہوگا ایسے ایسے عذرات کے جنکا جواب دینا ایک بڑے متحمل اور زمین اور زندہ دل شخص کا کام تھا۔ ایک مرتبہ ایک دیہات کی مردم شماری ہونیوالی تھی۔ لوگ خوف زدہ ہوگئے اور دیہات کو چھوڑ کر بھاگ گئے جب اُن سے اِس حرکت کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے ایک عجب خیال ظاہر کیا "ہم لوگ اِس وجہ سے گاؤں کو چھوڑ کر چلے گئے کہ ہماری مردم شماری نہو سکے کیونکہ جب مردم شماری ہوگی تو ہمارے داغ لگایا جائیگا اور ہمارے مردے ڈولی ڈھونے کے واسطے بھیجدئے جائیں گے اور ہماری

عورتیں چار کی نگہداشت کیواسطے آسام روانہ کردی جائیں گی" اُس مقام کے افسر نے اُن سے کہا کہ ہمارا مطلب مردم شماری سے یہ ہے کہ ہمکو معلوم ہوجاے کہ اگر خدانخواستہ قحط پڑے تو کسقدر آدمیوں کو چاول دینے کی ضرورت ہوگی اور جو لوگ اپنے کو شمار نہ کرائیں گے اُنکو چاول نہ دیا جائیگا" اِس حیلہ سے کام نکل گیا اور وہ سب کے سب گاؤں کو واپس آگئے اور ہر شخص نے اپنے تئیں بخوشی شمار کرایا۔

ایک دوسرے موضع میں بھی جو اس مقام سے قریب دوسو میل کے فاصلہ پر تھا یہی خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا اور انہوں نے شمار کرانے سے انکار کردیا۔ وہاں کے افسر نے ایک لطیف طریقہ سے اُن کو راضی کیا۔ اُس نے اس گاؤں کے بڑے بوڑھوں کو جمع اور ان کی خاطر تواضع کرنیکے بعد بہت سنجیدگی اور صراحت کیساتھ یہ قصہ کہا" چند مہینہ کا عرصہ ہوا کہ ملکہ معظمہ انگلستان اور زار روس دونوں ایکساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ جب وہ تیس قسم کے مختلف پلاؤ کھا چکے اور حقہ پینے لگے تو اُن میں یہ بحث ہونے لگی کہ کسکی رعایا شمار میں زیادہ ہے ملکہ معظمہ فرماتی ہیں کہ ہماری رعایا زیادہ ہے اور زار روس اپنی رعایا کو تعداد میں زیادہ بتلاتے تھے۔ آخر دونوں نے بہت بڑی شرط لگائی اور اِس شرط کے تصفیہ کے لئے اپنے اپنے ملکوں میں مردم شماری کا حکم دیا اب اگر تم جنگل میں ٹھہرے رہوگے اور گاؤں کو نہ واپس آوگے اور اپنے تئیں شمار نہ کراوگے تو ملکہ اپنی شرط ہار جائینگی اور تمہارے منہ میں سیاہی لگے گی" گاؤں والوں پر یہ فقرہ چل گیا وہ فوراً گاؤں کو واپس آگئے۔ ان نیم وحشیوں اور جاہلوں کو جب تک اِس قسم کی باتوں سے راضی نہ کیا جاے وہ کسیطرح سمجھ نہیں سکتے ہر شخص کو اسی کے سمجھ کے موافق دلائل سے قائل کرنا چاہئے۔ (کلموا الناس علی قدر عقولہم)

اظہر حسن بی۔ اے (علیگ)

استفسارات

سلسلہ کیلئے ماہ گزشتہ کا رسالہ دیکھو

جواب استفسار نمبر ۱

مرجا رقیب رشک سے گو ہی وصال یار
ہے اُسکی چشم شوخ ادا میرے واسطے

اگرچہ اسکا جواب صحیفہ نمبر (۱۳) بابتہ بہمن ۱۳۱۳ف میں طبع ہوا ہے لیکن وہ مومن کے نام سے حل ہوا ہے حالانکہ دیوان مومن خان میں باسم میر محبوب علی ہے لہذا میں اسکا حل ناظرین کے پیشکش کرتا ہوں۔

یہ معمّی بحل ترادف حل ہوتا ہے یعنے مرجا کا مترادف (میر) اور یار کا مترادف (محبوب) اسکو میر کے ساتھ ملایا۔ کیونکہ لفظ وصال اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں لفظوں کو ملایا جاے۔ چشم کا مترادف (عین) بحل تسمیہ اُسکا اسم (ع) لیا اور میرے واسطے کا مرادف (لی) مجموعہ میر محبوب علی ہوا۔ من شک فیہ فلیرجع الی قواعد الفن۔

کمعہ حیدرآبادی

سوالات جدید

نمبر ۱۱ ہندوستان میں ہر کسی نام کیساتھ (صاحب) کا تعظیمی لفظ جو ایزاد کیا جاتا ہے اُسکی وجہ کیا ہے۔ اور اسکی ابتدا کہاں سے ہے۔؟

نمبر ۱۲ اِس شعر کا کیا مطلب ہے۔؟

تصویر یار پہر نکرین پاس ہے
رکھنا مری مزار میں شیشہ گلاب کا

نمبر ۱۳ ذیل کا شعر اگرچہ بلحاظ بندش نہایت چست و درست معلوم ہوتا ہے مگر فی الحقیقت اسمیں کیا نقص ہے؟

شادی وصل میسر ہو کہ رنج فرقت آجکل دونوں پہر کٹتی ہیں ہماری آنکھیں

شہید ہاتھ نہ کیجے دراز غیر کے داماں تلک ہووے اگر دسترس اپنے گریباں تلک
〃 مردم غیرت شعار غم نکریں جاں تلک دردسے دیں جاں مگر جائیں نہ درماں تلک
〃 خدا شگفتہ کرے سیر دلکو یا نکرے یہ یہ غرض ہے کہ سنت کش صبا نکرے
〃 ہم اسکو کہتے ہیں غیرت کہ خاک میں ملجائے یہ دست گیری احباب کو عصا نکرے
〃 کسی کے کحل جواہر سے مرد اہل نگاہ جو آنکھیں پھوٹ کے بجائیں تو تیا نکرے
ذوق نہ پکڑیں دامن الیاس گرداب بلا میں ہم کہ بدتر ڈوب کر مرنے سے جینا ہے سہارے کا
〃 احسان ناخدا کے اٹھائے مری بلا کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

(۵) تواضع وانکسار (۱۲)

میر بسان خاک ہو پامال راہ خلق اے میر رکھے ہے دل میں اگر قصد سرفرازی کا
سوز اکسیر سے نہیں کم مجھ منکسر کی صحبت سونا کرے ہے مس یہ خاک ایک پل میں
قایم لب پہ نوا رے کے جاری ہے یہ مجرع دمبدم دے اگر خالق بلندی میل پستی چاہیے
حسن وہم میں اپنے تھے بہت کچھ لیک خوب دیکھا تو کچھ نہیں ہیں ہم
نصیر خاکساری کو سمجھتے ہیں وہ اپنی اکسیر رکھتے چھلا نہیں ارباب نظر چاندی کا
〃 جوں نقش پا ہر اک نے کیا مجھکو پیچا عزت یہاں پائی ہے انتادگی سے آج
〃 ریاض دہر میں رہنا ہے یوں اہل تواضع کا کہ شاخ پر ثمر کھاتی ہے پتھر سر جھکانے پر
ذوق لیتے ہیں ثمر شاخ ثمر ور کو جھکا کر جھکتے ہیں سخی وقت کرم اور زیادہ
ظفر کیا جلا آئینہ کو ہوتی ہے خاکسے دیکھ صاف کر دیتا ہے دل کو خاکساروں کا ملاپ
〃 منعم کو مبارک رہے قالیں و نہالی ہے خاک نشینوں کیلئے فرش مکاں خاک
〃 ملی ہے دولت کونین ہمکو خاکساری میں مہوس جانتے ہیں ہم جسے اکسیر وہ یہ ہے
شہید حسن آئینہ کا خاکسے چمکے ہے دوچند خاکساری اے حسین ہے موجب زینت ہیں

(۶) تنبیہ (۱۲)

میر قافلے میں صبح کے اک شور ہے یعنے غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
درد خورشید قیامت کا سر پر تو اب آپہنچا غفلت کو جگا دینا کس نمیدیہ سوتی ہے

قایم	ٹھوکریں ہر قدم پہ تڑپتے ہیں دل کئی	ظالم اِدھر تو دیکھ یہ رفتار ہے کوئی
〃	قایم رہ پر خوف ہے اور دور ہے منزل	کب پہنچیگا ظالم جو یہیں رات کی تو نے
ممنون	چل بسے قافلے یاروں کے خبر ہے کہ نہیں	دل غفلت زدہ کچھ فکر سفر ہے کہ نہیں
نصیر	رخت سفری دوش پہ غنچہ کی طرح باندھ	ہشیار ہو غافل کہ تہ خاک وطن ہے
〃	شتابی باندھ اسباب سفر اے نیند کے ماتے	ملے ہے اب تلک آنکھیں تو پہنچا کارواں آگے
ظفر	سفر کی فکر کر اے غافل آگئی پیری	پڑا ہوا ہے تو کیوں بافراغ صبح کے تو
〃	خبر بسنت کی بھی کچھ تجھے ہے اے ساقی	پیالہ بھر کہ ہے پھر آمد بہار بسنت
〃	گلشن دنیا نہیں جاے قیام اے غافلو	غنچہ ساں تم دوش پر رخت سفر باندھے رہو
〃	غافلو جو نکو کہ ہیں دنیا میں کتنے سکندر	سوتے ہو کیا اس سرائے پر خطر میں چین سے
〃	سمجھ اس منزل خاکی کو نہ گھر اے غافل	کہ نہیں تیرا یہ گھر تیرا تو گھر اور ہی ہے

(۷) تصور و یاد دوست (۱۳)

میر	لیتے ہی نام اُسکا سوتے سے جاگ اُٹھے ہم	ہے خیر میر صاحب کیا تم نے خواب دیکھا
قایم	دل میں اپنے کوئی نہیں جز یار	لیس فی الدار غیرہ دیار
جرأت	اگرچہ دل کے بہلانیکو میں کس جا نہیں جاتا	ولے جو دھیان ہی دل کو سو وہ اصلا نہیں جاتا
مصحفی	میں ہوں اور خلوت ہے اور پیش نظر محبوب سے	ہے تو بیداری مگر کچھ دیکھتا ہوں خواب سا
〃	غیب میں بھی تصور ٹلتا نہیں ہے اُسکا	شبہاے ہجر میں بھی ہم اسکے روبرو ہیں
حسن	دھیان رہتا ہے جو اسکو چہ میں اکثر اپنا	گھر میں ہم رہتے ہیں اور ڈھونڈتی ہیں گھر اپنا
غالب	تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ	جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا
〃	گو میں رہا رہین ستم ہاے روزگار	لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
〃	جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن	بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوے
مومن	تم مرے پاس ہوتے ہو گویا	جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
شہید	قیس یہود جو محمل کے پڑا تھا پیچھے	دل میں کیا کر نہ سکا لیلی محمل پیدا
〃	ہے ورد مجھے آٹھ پہر نام تمہارا	کچھ اس کے سوا حرف و حکایات نہیں اب

شہید جاتی نہیں ہے دل سے مرے یاد دوستاں | بیٹھا رہوں جہاں ہے وہاں انجمن مجھے

(۸) تقدیر و تدبیر (۲۲)

میر ہے عبث یہ تردد و تشویش | پہنچے ہے وقت پر جو ہے مقسوم

سودا گزرا ہے آب چشم مرے سر سے بارہا | لیکن نہ وہ ٹلا کہ جو تھا سر نوشت میں

سوز ہر چند بے تلاش نہیں کار و بار دہر | کرنا اُسے حوالۂ تقدیر شرط ہے

مصحفی جنس مقصود مقدر ہی سے ہاتھ آتی ہے | یوں تو بڑھیا بھی ہے یوسف کی خریدار دنوں

حسن غافل تو آسمان میں جا یا زمین میں | ہوگا وہی جو لکھا ہے لوح جبین پر

مومن بے بخت رنگ و خوبی کس کام کا کہ میں تو | گل تھا و لے کسی کی دستار تک نہ پہنچا

" اس بخت پر کوشش سے تھکنے کی سوا حاصل | گر چارۂ غم کرتا تریخ اور سوا ہوتا

" در بدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے | وہی ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے

ذوق گر ندے صاحب جوہر کو مقدر عزت | جوہر فرد ہے بالفرض تو کیا ہے قسمت

ظفر پیش آئیگا وہ جو ہے لکھا دخل کیا کہ ہو | اک حرف بھی نوشتۂ تقدیر میں غلط

" ہے عبث کوشش فروغ انساں کا ہے قسمت کا ہاتھ | جب تلک طالع نہ چمکائے نہ چمکی آدمی

" بات بن آئی نہ کوئی اے ظفر تدبیر سے | پر بنے وہ ہی کہ جو تقدیر کے شامل ہی

" دانا ہی وہ جو سمجھے کہ قسمت ہے کیمیا | احمق ہے وہ جو خواہش اکسیر میں پھنسے

" اپنا ہی نصیبہ ایک کو دایم ہے عیش | عمر گذری ہے غم و محنت میں ساری ایک کی

" دل ہی کہتا اور کچھ تدبیر کہتی اور ہے | عقل کہتی اور ہے تقدیر کہتی اور ہی

" نے مال نے زر سے نہ تدبیر سے چمکے | چمکے اگر اقبال تو تقدیر سے چمکے

" اپنی دانست میں چوکے نہیں تدبیر سی ہم | کیا کریں بس نہیں ناچار ہیں تقدیر سی ہم

" ہو نہیں سکتا نوشتہ سے زیادہ ایک حرف | اسپہ جو راضی ہی وہ یک قلم اچھے رہے

شہید ہے وہی ہوتا جو لکھا ہی ترے تقدیر کا | کیوں تو ہی مغرور و غافل خوبی تدبیر کا

" پیچ تقدیر پر رکھ عقدۂ دل کا کشود | کیوں تو منت کش ہر غافل ناخن تدبیر کا

" تدبیر سے وہ مٹ نہیں سکتا ہے زینہار | جو کچھ قلم نے دفتر تقدیر پر لکھا

شہید	قسمت میں نہو آب تو ظلمات میں پانی	ہمراہ خضر جا کے سکندر نہیں پاتا
〃	ہر چند کہ مختار حقیقت میں ہی تقدیر	ظاہر میں کوئی شے نہیں تدبیر سی بہتر

(۹) توکل (۴)

نصیر	تو انگر کیطرح درویش کیا مسند بچھا بیٹھے	خدا کا جسکو تکیہ ہو وہ کیا تکیہ لگا بیٹھے
ظفر	خرد ہی پہ تکیہ نہ بالکل کرے	خدا پر بھی انساں توکل کرے
〃	اگر کل دنیا سے دوں دامن سی انکی ای ظفر	پھینک دی مانند گرد اہل توکل جھاڑکر
شہید	مستقل اپنے دونوں پاکر کے	بیٹھے اُس در پہ انکا کر کے

(۱۰) تکبر و خود بینی (۴)

میر	کرتا ہی کب سلوک وہ اہل نیاز سے	گفتار اُسکی کبر ہی رفتار ناز سے
درد	دیکھی جسکو یہاں اُسی اور ہی کچھ دماغ ہے	کرک شب چراغ بھی گوہر شب چراغ ہی
سوز	خدا کی بندگی کا سوز ہی دعوی تو ہر اک کو	ولے دیکھا جبی بندہ ہی اپنی خود نمائی کا
مصحفی	جسطرح سب جہان میں کچھ ہیں	ہم بھی اپنے گمان میں کچھ ہیں

(۱۱) تجرد (۶)

سوز	وہی دنیا میں ہے مشک خردمند	زن و فرزند کا جو ہو نہ پابند
میر	تجرید کا فراغ ہی اک دولت عظیم	بھاگے ہے اپنے سایہ سی بھی ہکر آفتاب
شہید	سبک اندام ہیں سر پر زر گونی جگہ پاتے	کہ پانی کے تلے پتا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا
قایم	جوں سرور کھا سنگ خفا سی مجھے آزاد	ممنون ترا دل سی میں اے بے ثمری ہوں
ظفر	اے ظفر جسنے کیا قطع تعلق سب سے	چاہتا اُسکا کسی سے سی نہیں ہیو نمزاج
شہید	مثل بوے گل جریدہ کارواں ہی اب ہو تا	یہہ بکھیڑا ایکدن صارا دھرا رہجائیگا

(۱۲) تجاہل (۹)

میر	اس نے پہچان کر ہمیں مارا	منہ نکرنا ادھر تجاہل تھا
〃	جھوٹے بھی پوچھتے نہیں تم حال آکر	انجان اتنے کیوں ہوئی جاتی ہو جانکر
سوز	کھڑا نعش پہ ہو کے بولا وہ ہی ہے	یہ کشتہ تو کچھ جان پہچان نکلا

کیمیا گر نجومی و رمال

ہیں یہ بدخواہ دین و دولت و مال — کیمیا گر نجومی و رمال
ایک سے ایک بڑھکے ہے مکار — ایک سے ایک ہے فزوں بطال
دین و ایماں کو یہ کریگا تباہ — وہ ملائیگا خاک میں زر و مال
ہے ہوس اسیر حرص و ہوس — اور پابند رشتۂ آمال
کیا کسی کو وہ مال و زر دیگا — خود جو پھیلا رہا ہے دست سوال
ہے نجوم و رمل فریب و دغل — نقش باطل ہے زائچہ اور فال
کیا وبال و شرف بتائیگا — خود نجومی ہے مبتلائے وبال
کیوں ستاروں کو نحس کہتا ہے — خود ہے منحوس وہ زحل کی مثال
کب اُسے ہوگی دوسروں کی خبر — جو نہیں جانتا خود اپنا حال
واقف سر و قاضی حاجات — ہے خداوند ایزد متعال
اُس نے پیدا کئے ہیں ارض و سما — نور و نار آب و باد اور صلصال
یہ نجوم و فلک سماک و سمک — سحر و شام و روز و شب مہ و سال
بحر و بر باغ و راغ دشت و جبل — غنچہ و برگ و بار و شاخ نہال
سیم و زر لعل احمر و گوہر — معدن جوہر و مخازن مال
خار صحرا و لالۂ حمرا — دام و دد و طائران فارغ بال
جس نے بخشا ہے ماہرویوں کو — چشم و ابرو و گیسو و خط و خال
جس نے پایا ہے بادشاہوں نے — حشمت و تخت و بخت جاہ و جلال
وہی لاریب ہے مجیب دعا — نہیں کرتا ہے رد کسی کا سوال
اس سے مانگو جو مانگنا ہو تمھیں — دے سوا اُس کے کون فی الحال
ہے وہی دافع غم و آلام — وہی کرتا ہے رفع رنج و ملال
عالم الغیب ہے علیم و خبیر — وہی سب جانتا ہے غیب کا حال
اُس سے پوچھو جو پوچھنا ہو تمھیں — کوئی کیا جانے حال استقبال

پختہ کاری سے کام لے انساں — آنے پائے کبھی نہ خام خیال
ہے نجوم و رمل سے کیا حاصل — بدلے تقدیر کو ہے کسکی مجال
ہوگا ہر حال میں جو ہونا ہے — فائدہ کیا ہوا جو جانا حال
بلکہ دونی ہوئی مصیبت اور — کل کے غم میں ہے آج رنج و ملال
اپنی بہبود ہے اگر منظور — چھوڑ دیجے یہ سب خیال محال
کیجئے اکتساب علم و ہنر — کھوئے ہاتھ سے نہ فضل و کمال

شرع و آئیں پہ ہم رہیں قائم
کعبہ و دیر میں ہو نیک مآل

لمعہ حیدرآبادی

زمزمۂ حمد

ہم نے بحق اقرب سے پایا نشاں تیرا — دل کے ہوتے کیوں ہو تا لامکاں مکاں تیرا
جان و دل فدا تجھ پہ ہم نے گر کیا تو کیا — جاں بھی بالیقیں تیری دل بھی بیگماں تیرا
بلبلان بیدل کی بے سبب نہیں فریاد — بوے بوستاں تیری رنگ گلستاں تیرا
خالق سما و ارض کون ہے؟ تو ہی تو ہے — کسکی ہے زمیں؟ تیری کسکا آسماں؟ تیرا
دیر میں ترا چرچا کعبہ میں بھی تیری دھوم — ایک تو ہے اور جلوہ ہے کہاں کہاں تیرا
مثل مہر تاباں ہے تو اگرچہ پنہاں ہے — ذرہ ذرہ دیتا ہے بے نشاں نشاں تیرا
تیری ہی یہ حکمت ہے ورنہ کسکی طاقت ہے — مشت استخواں انساں اور رازداں تیرا
تیری ذات یکتا ہے تو ہی سب کی سنتا ہے — سجدگاہ انس و جاں سنگ آستاں تیرا
دی ہیں نعمتیں تو نے کیسی کیسی انساں کو — بندے سے ادا کیا ہو شکر مہرباں تیرا
عاصیوں کا دنیا میں پھر نہیں کوئی ملجا — ہاں! اگر نہ ہو مامن لطف بیکراں تیرا

ہی ذہین اے دادگر تیرا بندۂ مکتسب
جان سے فدا تجھ پر دل سے مدح خواں تیرا

ذہین حیدرآبادی

ریویو

فلسفۂ ازدواج مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی نے ایک ایسے عنوان پر یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے جس سے ہمارے ملک کے لوگ کمتر آشنا ہونگے۔ ازدواج اور شادی بیاہ کے مفہوم سے تو ہمارے ہاں کا بچہ بچہ واقف ہوگا لیکن اسکی فلاسفی کیطرف بہت کم لوگوں کا ذہن رجوع ہوا ہوگا اہل یورپ نے اپنی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی سے جہاں انسان کے تمدن اور معاشرت کی بحث کی ہے وہاں ازدواج کی حقیقت اور اسرار و غوائض پر بھی نظر ڈالی ہے اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ازدواج کا فلسفہ یعنے اسکی حکمت و ما یتعلق بہا کا مفصل و مشرح بیان ہے۔ اور اس میں وہ تمام باتیں درج ہیں جن سے شادی بیاہ کا حقیقی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔ یا شادی بیاہ کیوقت جنکا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ یا شادی بیاہ کے بعد جن کی پابندی انسان پر واجبات سے ہے اور نیز اُن حالات کا تفصیل وار بیان ہے جو اس جوے کو کندھے پر رکھنے کے بعد اکثر واقع ہوا کرتے ہیں مع اُن تدبیر کے جو اُن کو ایسے مواقع میں اختیار کرنی چاہئیں۔

اِس کتاب کا ماخذ امریکہ کے ایک مشہور مصنف کی تصنیف ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نوجوان شوہر کو کیا کرنا چاہیئے۔ لیکن مولف کتاب ہذا نے اِس میں اور بھی بہت سی کتابوں سے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں یا کم از کم جنمیں اجمالاً یا تفصیلاً یہ مضمون درج ہے مدد لی ہے۔ اور مقدور بھر اِس امر کی کوشش کی ہے کہ کتاب حالات موجودہ کے مناسب اور عورت اور مرد دونوں جنسوں کی ضروریات کے لحاظ سے مفید و بکار آمد ہے۔

کتاب کا پہلا عنوان محبت ہے۔ اِسی ایک مسئلہ پر تمام مطالب کا

دار مدار ہے۔ درحقیقت ازدواج کی فلاسفی لکھنے کے لئے محبت کی حقیقت اور اہمیت کو ظاہر کئے بغیر چارہ نتھا۔ جب تک محبت کو اور امور میں نہیں تو کم از کم ازدواج میں اصل اصول نہ تسلیم کیا جاتا۔ اسوقت تک مصنف کا اس اوکھٹ گھاٹی کو آسانی سے طے کرلینا ممکن نہ تھا کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں محبت کی ضرورت ثابت کی گئی ہے۔ عورت اور مرد کی خلقت اور اُن کے قوائے جسمانی و عقلی سے بحث کی گئی ہے۔ شوہر، بیوی اور گھر کے متعلق مفید اور ضروری ہدایات دی گئی ہیں۔ شادی کرنے کی ضرورت اور اس کے برکات کو نہایت دلچسپ اور عام فہم طریقہ سے سمجھایا گیا ہے۔ میانہ روی۔ پاک بازی اور دیانت داری کے اصول کی موثر پیرایہ میں تائید کی گئی ہے۔ حصہ دوم زیادہ تر عورتوں ہی سے متعلق ہے، فرایض زن و شوہر، امور خانہ داری۔ توالد و تناسل اور تربیت اولاد پر نہایت جامعیت اور قابلیت کیساتھ قلم فرسائی کی گئی ہے۔ جن امور کے اظہار سے عموماً حجاب و لحاظ دامن گیر ہوتا ہے وہاں پیرایہ بیان ایسا سنجیدہ اور متین اختیار کیا گیا ہے کہ کسی مہذب سے مہذب شخص کو بھی اُن کے پڑھنے میں مضایقہ نہ ہوگا۔ خاتمہ کتاب میں اُن اصول کو بیان کیا گیا ہے جنکی وجہ سے انسان اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ درحقیقت یہ باب ساری کتاب کا جان اور تمام مطالب کا نچوڑ ہے زبان نہایت صاف شستہ سلیس اختیار کی گئی ہے۔

اِن تمام محاسن اور خوبیوں کیساتھ ہمارے نزدیک اِس کتاب میں ایک بھاری نقص یہ رہگیا ہے کہ اِس حیثیت سے کہ وہ ایک تعلیم یافتہ مسلمان کی تصنیف ہے۔ اُس پر از حکمت احکام و ہدایات سے خالی نظر آتی ہے۔ جو اس باب میں مصلح اخلاق بشری و مکمل محاسن

انسانی محمد صاحب نے صادر فرمائے ہیں۔ قرآن و حدیث میں معاشرت و ازدواج کے متعلق اس کثرت کیساتھ فلسفیانہ اصول اور حکیمانہ احکام موجود ہیں کہ اگر مصنف انکا استقصا کرتے تو اُن کو اپنے موضوع بحث کے ثابت کرنے میں بہت مدد ملتی نیز کتاب اُس زیور سے معرا نہ رہتی جو ایک اسلامی تصنیف کے شایان شان ہے۔

نفس کتاب کے متعلق اسقدر لکھنے کے بعد ہم حیدرآباد کی پبلک سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اس مفید اور جامع الاوصاف کتاب کی قدر افزائی کرے اور اُسکو شوق و ذوق کے ہاتھوں لے۔ حیدرآباد کی پبلک کو اس کتاب کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی تشنہ کو آب زلال کی۔ یہاں کی معاشرت میں جو نقائص نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ ازدواجی تعلقات عموماً جو ناگوار صورت اختیار کر لیتے ہیں اور عورتوں اور مردوں دونوں کے اخلاق دن بدن خراب ہوتے جاتے ہیں۔ اِن تمام امور کے اسباب و وجوہات اسوقت بخوبی ذہن نشین ہوں گے جبکہ غور و تامل کیساتھ کتاب کو ایک نظر دیکھا جاے۔ کتاب کی لکھائی چھپائی اچھی ہے حجم ۱۲۰ صفحے محمد جعفر صدقی افندی اینڈ کمپنی محاذی جنرل پوسٹ آفس انگریزی حیدرآباد دکن یا شمسی پریس آگرہ سے بقیمت عدہ مل سکتی ہے۔

لسان العصر خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان میں اُردو رسائل دن بدن ترقی کرتے جاتے ہیں۔ اخباری دنیا میں ایک عرصہ سے دھوم تھی لکھنو سے کیا باعتبار مضامین کے اور کیا باعتبار لکھائی چھپائی اور کاغذ کے نہایت شان و شوکت کیساتھ ایک ماہواری رسالہ نکلنے والا ہے۔ تمام ملک کی نگاہیں اِس رسالہ کے لئے بیتاب تھیں شکر کہ بڑی انتظار کے بعد مارچ میں اِس کا پہلا نمبر شائع ہوا۔ اِس میں شک نہیں کہ اِس حجم اور تقطیع کا اور ایسا دیدہ زیب رسالہ فی الوقت ہندوستان میں کوئی نہیں ہے۔ کل صفحات علاوہ ٹائیٹل پیج کے

۱۲۱ ہیں اور لکھائی چھپائی اور کاغذ میں خاص طور سے اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن مضامین کے اعتبار سے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہندوستان کے بعض ممتاز رسائل پر اُسکو ترجیح نہیں دیجا سکتی۔ اڈیٹوریل مضمون میں اڈیٹر صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ اِس رسالہ کے مضمون نگاروں کو معاوضہ دیا جائیگا۔ ورنہ مضمون بجنسہ واپس بھیجدیا جائیگا۔ واقع میں اگر اِسکی پابندی کیجاے تو ہم کہ سکتے ہیں کہ اِس رسالہ میں بہتر سے بہتر مضمون نگار پیدا ہو جائیں گے۔ خود ہم چاہتے ہیں کہ صحیفہ کے مضمون نگاروں کو کچھ نہ کچھ صلہ دیا کریں مگر افسوس ہے کہ صحیفہ کی اشاعت اِسقدر کم ہے کہ اِس کے اخراجات کا چلنا ہی دشوار ہو گیا ہے۔ اب مضامین کا صلہ دیا جاے تو کیسے۔ تاہم ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ اگر رسالہ کے مستقل پانسو خریدار ہو جائیں تو اِس ارادہ کو قوت سے فعل میں لایا جاے۔

لسان العصر کے دو حصے کئے گئے ہیں۔ پہلا حصہ علمی اور سیاسی مضامین سے متعلق ہے دوسرے حصہ میں شعر و سخن۔ تنقید و تقریظ اور اخبار و واقعات عالم درج ہیں۔ علمی مضامین صرف دو ہیں۔ تحقیقات عالم ارواح اور اہرام مصر۔ پہلا مضمون کسی انگریزی رسالہ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور دوسرا مضمون اِسقدر پامال اور پریس پا افتادہ ہے کہ اُسکو کسی طرح اوریجنل نہیں کہا جا سکتا اِصلاح و توسیع کونسل کے متعلق کے جو مضمون لکھا گیا ہے وہ دلچسپ اور ہندوستان کے سیاسی انقلاب کا ایک عمدہ خاکہ ہے۔ حصہ دوم میں حضرت ریاض کی ایک غزل اور اُن کے کلام کا بہت سا انتخاب درج ہے اور ہندوستان کے مختلف رسالوں سے اشعار اور غزلوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

اِس رسالہ میں خلاصۃ الرسائل نہایت عمدہ چیز ہے جس میں ہندوستان کے تمام رسالوں کے مضامین کا مجمل تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اگر ساتھ ہی اُن پر تنقید بھی کی جایا کرے تو نہایت مناسب ہوگا۔ اخیر میں تنقید و تقریظ اور

اُسکے بعد دنیا کی اہم سیاسی اور علمی خبریں درج ہیں جس سے رسالہ اخباری حیثیت کا بھی جامع ہوگیا ہے۔ اس رسالہ کی اٹھان تو امید دلاتی ہے کہ اگر کوشش کی جاے۔ استقلال اور ہمت کو ہاتھ سے نہ دیا جاے۔ اور رسالہ کی ظاہری خوبیوں کیساتھ معنوی خوبیوں کا بھی لحاظ رکھا جاے تو ایک دن وہ ہندوستان کا ممتاز ترین و بہتر پرچہ کہا جاسکے گا۔ ہم صحیفہ کے اِس نئے ہمعصر کی آمد کا خیر مقدم کرتے ہوے دعا دیتے ہیں کہ اُسکو اخباری دنیا میں ثبات و قیام اور عروج و ترقی نصیب ہو اور ملک و قوم کی بیش بہا خدمات اِس سے انجام پائیں۔

پھول جن لوگوں نے رسالۂ خاتون کو ملاحظہ فرمایا ہے وہ بنت ندرالبا قر صاحبہ کی دلکش اور اور دلنشیں تحریرات سے بخوبی واقف ہونگے یہ رسالہ انہیں کی گلفشانیوں اور انہیں کے قلم کی گلکاریوں کا نتیجہ ہے بچوں کی تعلیم و تربیت اور اُن میں علمی ذوق و شوق پیدا کرنے کی غرض سے ہفتہ وار لاہور سے اُنہیں کی زیر اڈیٹری نکلتا ہے۔ اس میں عموماً ایسی تحریرات درج ہوتی ہیں جن سے بچوں کا دل بہلے۔ انہیں کوئی کام کی بات معلوم ہو اخباری دنیا سے واقفیت پیدا ہو۔ زبان اور اسلوب بیان میں حتی الامکان اِس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی بات بچوں کی سمجھ سے باہر نہو۔ حکایتیں۔ کہاوتیں۔ سلیس اور مفید نظمیں درج کی جاتی ہیں، تصویریں بھی دیجاتی ہیں۔ اور بچوں کے دل بہلاؤ کی خاطر فیری ٹیلز بھی لکھی جاتی ہے۔ ہمارے خیال میں فیری ٹیلز نہ لکھی جایا کریں تو مناسب ہے۔ ہمارے بچوں کو مائیں۔ انائیں۔ دائیں اور جو جاہل ماں باپ بھوت پریت کے افسانے سنا سنا کر اور اُن کے فوق العادت کرشمے اور خلاف عقل و فطرت قصے کہہ کہکر اِستعداد متوہم اور ضعیف الاعتقاد بنا دیتے ہیں کہ جب تک انکو اچھی شائستہ اور اعلی التعلیم نہ دیجاے بڑے ہونے پر بھی وہ توہمات اُن کے دل سے دور نہیں ہوتے۔ پس ایسی حالت میں

مناسب نہیں ہے کہ جو خرابی پہلے سے موجود ہے اُسکو دور کرنے کے بجاے اور راسخ کرنیکی کوشش کیجاے اگر دیو و پری کے افسانوں کے بجاے ایسے قصے لکھے جائیں جن سے بچوں میں جرأت و دلیری پیدا ہو۔ اُن کے توہمات اور ضعیف الاعتقادیاں دور ہوں۔ انہیں عقل و حکمت کی باتیں معلوم ہوں۔ جیسے امثال لقمان وغیرہ وغیرہ جسکا جدید ذخیرہ انگریزی اور عربی و فارسی میں موجود ہی تو بہتر ہوگا۔ اس اخبار کی قیمت مع محصول ڈاک سے رسالانہ ہی ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے ملک کے علم دوست حضرات جنہیں اپنی اولاد کو تعلیم یافتہ روشن خیال اور علم دوست بنانیکا خیال ہے اس رسالہ کی قدردانی فرمائینگے

فضائل الابوین مولوی محمد شمس الدین صاحب منصف عدالت پرجنی جنکی ایک مفید تصنیف پرگزشتہ نمبر میں ریویو ہو چکا ہی اس کتاب کے مصنف ہیں۔ اسمیں وہ تمام آیات قرآنی اور احادیث نبوی جمع کی گئی ہیں۔ جو والدین کی فضیلت میں وارد ہوے ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف سے بڑی غرض یہ ہی کہ بچوں کے دل میں اُسکی پڑھنے سے والدین کا ادب اور عزو احترام راسخ ہو اور انکے حقوق اور واجبات سے آگاہی ملے۔ اس زمانہ میں جبکہ والدین کا اولاد کو پال پوسکر بڑھا کرنا۔ انکی راحت و آسایش کے لئے اپنا خواب و خور حرام کرنا۔ اُنکے پہننے کو اپنے پہننے سے اچھا سمجھنا۔ اُنکے کھانے کو اپنے کھانے سے بڑھکر جاننا۔ انکی تربیت، تعلیم، فلاح بہبودی کی اُدھیڑبن میں لگے رہنا۔ معمولی فرض سے زیادہ نہیں خیال کیا جاتا اور اُنکے صلاح و مشورے اور پند و نصیحت کی کوئی پروا نہیں کیجاتی اور اگر وہ ضعیف اور بڑے بوڑھے ہوگئے ہیں تو اُن کی حالت پر ہنسی اُڑائی جاتی اور انکو بچشم حقارت دیکھا جاتا ہے ایسی نیک تعلیم کی جیسی کہ یہ کتاب دیتی ہے نہایت ضرورت ہے۔ والدین کو چاہیے کہ بچوں کو ایسی مفید تصانیف پڑھائیں۔ اور اپنے حقوق جتائیں۔ اور اُن کو ایک مطیع، خوش اخلاق، سعادتمند اولاد بنانے کی کوشش کریں کیا اچھا ہوتا اگر اس کتاب میں اولاد کے حقوق کا بھی ذکر کر دیا جاتا تاکہ بچوں کو اپنے حقوق سے بھی آگاہ ہونے کا موقعہ ملتا۔

محمد عبد الباسط

بمقابلہ زراعت باغوں کو ترقی دینے کا رہا ہے - جدید علمی اصول رائج کرنیکی کوشش کر رہا ہے - اگرچہ اُسکو زراعتی اصلاح میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی ہے - لیکن میووں کی کاشت کی تعلیم دینے میں کامیاب ہو رہا ہے -

گلبرگہ، بیدر، نرمل، وغیرہ میں بھی باغات بکثرت تھے - اور اب بہت کچھ اُجڑ گئے ہیں -

ممالک محروسہ کے باغات میں ترکاریاں تو وہی پیدا ہوتی ہیں جنکے نام حصّہ زراعت میں لکھدئے گئے ہیں - میوے اور پھول جو پیدا ہوتے ہیں اون میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں -

میوے - آم قلمی و تخمی سیکڑوں قسم کے صوبہ میدک اور بلدۂ حیدرآباد وغیرہ میں نہایت افراط سے پیدا ہوتے ہیں - شہری ملغوبہ بہت بڑا اور خوش ذائقہ ہوتا ہے - الفن اور گووا بھی - بنگلور و بمبئی کے آموں کا مقابلہ کرتے ہیں - تعلقۂ سدی پیٹہ ضلع میدک کے دیہات چیلہ ساگر (جو جاگیری موضع ہے) اور کٹپال میں (جو مقطعہ ہے) اعلیٰ ترین قلمی درختوں کی امرائیاں موجود ہیں - کندی واقع ضلع میدک اور کوہیر واقع ضلع میدک میں لاکھوں درخت تخمی آم کے ہیں - کونلا - نارنگی - سنگترہ - بتائی - میٹھا لیموں - پہاڑی لیموں کاغذی لیموں - چکوترہ - ترنج - کرنا - یہ بھی بکثرت ہوتے ہیں - صوبہ اورنگ آباد خاصکر اورنگ آباد - جالنہ - بیڑ - ناندیڑ میں اِن کی پیداوار زیادہ ہے اور دور دور تک فروخت کے لئے جاتے ہیں - لیموں گلبرگہ نیز شہر میں بھی زیادہ ہوتے ہیں -

انجیر اورنگ آباد اور حیدرآباد میں بڑے بڑے خوب بہتات سے پیدا ہوتے ہیں - پونہ و بنگلور کے انجیروں کا مقابلہ کرتے ہیں -

انگور - زمانۂ سابق میں اورنگ آباد کے انگور کی شہرت تھی - پانچ قسم کے انگور - جعفری، فخری، سیبی، بخاری، بیدانہ، پیدا ہوتے تھے

دفعتاً نامعلوم اسباب سے اُن کی کل بیلیں خشک ہوگئیں۔ یا اُن میں کیڑے پیدا ہوگئے اور انگور کی پیداوار نا پید ہوگئی۔ کچھ عرصہ سے پھر اُسکی بیلیں بونے کی کوشش شروع ہوئی ہے۔ اور فی الجملہ کامیابی بھی ہوئی ہے۔ اورنگ آباد کے سوا اس کے متصلہ قصبات پرینی۔ ناندیڑ وغیرہ میں بھی یہ پیدا ہوتے ہیں حیدرآباد کے بعض باغوں میں بھی اس کی بیلیں موجود ہیں۔ مگر کثرت سی نہیں ہیں

جام، جامن، سیتا پھل، موسنبل، بیر، پپائی، شہتوت، توت، فالسہ، چرونجی انار، خربوزہ، تربوز، موز، ہر کہیں کثرت سے ہوتے ہیں۔ البتہ ان میں بعض قسم کا میوہ اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔ بعض معمولی قسم کا۔ شفتالو، رام پھل، نارنگی، خربوزہ، پھنس (کٹہل)، کھرنی، کویٹ بھی پیدا ہوتے ہیں۔ خربوزہ کی کاشت کے لئے خاص طور پر حیدرآباد میں کوشش ہوئی ہے۔ اور اس کا نتیجہ قابل اطمینان پیدا ہو رہا ہے۔

پھول میں گلاب کئی قسم کا عمدہ سے عمدہ ہر کہیں میسر آتا ہے۔ کیوڑا بھی مشہور ہے۔ چنبیلی، موگرا، بٹ موگرا، موتیا، جوہی، مدن مست، سیوتی، نازبو، کیتکی، کنول، چمپا، سورج مکھی، ہارسنگھار، گیندا، مہندی، شبو، داؤدی، نافرمان، گڑھل، گل عباس، گل چاندنی، گل خیرو، گل قدرو عموماً ہر جگہ موجود ہیں۔ ان کے علاوہ بکثرت مغربی و مشرقی پھول اور پودے سرو پام، شمشاد، فرن، کروٹن وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز بیلیں جو مکانوں پر چڑھائی جاتی ہیں سیکڑوں قسم کی پائی جاتی ہیں اور اُن کا تذکرہ طوالت کی وجہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ممالک محروسہ میں کوئی سرد مقام مثل شملہ، نینگری وغیرہ ایسا نہیں تھا جو موسم گرما میں سینیٹریم کا کام دیتا اور نازک دماغ نفاست پسند اہل دول کا تفریح گاہ بنتا۔ ہز اکسلنسی سر وقار الامرا مرحوم نے بیس بائیس سال پیشتر نظام ریلوے لائن پر وقار آباد کے قصبہ کو جو اس سے پیشتر گنگا وارم

کے نام سے موسوم اور معمولی گاؤں کی حیثیت میں تھا ترقی دیکر سنیٹریم بنایا۔ اور اپنی رہائش کے لئے متعدد باغ و بنگلے تیار کئے۔ آپ کی توجہ کی بدولت بیسیوں بنگلے و باغ دوسرے امراء عہدہ داروں اور یوروپین مشنریوں و افسروں کے تیار ہوگئے۔

وقار آباد سطح سمندر سے ۲۰۵۷ فٹ بلند ہے اور سرسبز۔ پرفضا خوش آب و ہوا۔ اور معتدل الموسم مقام ہے۔ ہر قسم کے میوے ترکاریاں۔ پھول کامیابی کیساتھ بوئے گئے ہیں۔ اور بوئے جاسکتے ہیں۔ اگرچہ نواب صاحب مرحوم کے انتقال کی بدولت وقار آباد کی رونق اور آبادی کے متعلق عہدہ داران سرکار عالی کی وہ توجہ جو نواب صاحب موصوف کے سرکاری تعلقات کی وجہ تھی بہت کچھ کم ہوگئی ہے۔ لیکن یوروپین افسر و مشنری اوس کو رونق دینے میں کوشاں ہیں۔ اور اب بھی اس میں ترقی دینے اور تجارتی اصول پر باغات لگانے اور اُن سے نفع اٹھانے کے لئے وسیع میدان موجود ہے۔

وقار آباد کے ماسوا اور بھی بہت سے پہاڑی مقامات ہیں جو کوشش کیجاے تو سنیٹریم بن سکتے ہیں۔ اِن ہی مقامات میں سے "منانور" تعلقہ امرآباد ضلع محبوب نگر میں چندر گپتی کے پہاڑ ہیں جو سطح سمندر سے ۷۰۰۰ فٹ تک بلند ہیں اور جو تفریح بخش و خوش آب و ہوا سیر گاہ بن سکتے۔ نیز وہاں سیب لوکاٹ، لیچی، بہی دانہ، کافی، سنکونا، چاء وغیرہ کے باغ کامیابی کیساتھ لگاے جاسکتے ہیں۔ مختلف عہدہ داران سرکاری خاصکر مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب صوبہ دار گلبرگہ نے بہت کچھ کوشش کی کہ اس مقام کو آباد کیا جاے۔ مولوی صاحب کی کوشش سے اسی تعلقہ میں جرائم پیشہ قزاقوں کی نوآبادی لنگال کے مقام پر بسائی گئی۔ گزشتہ سال ہز اکسلنسی مدار المہام سرکار عالی موجب اعلی عہدہ داران تعمیرات مال

وطبابت اِس تجویز کو عملی صورت میں لانے کے لئے دورہ تشریف لے گئے تھے مگر جناب ممدوح کے اِس دورہ کی کوئی رپورٹ پبلک میں شائع نہیں ہوئی جس سے ظاہر ہوتا کہ سرکار نے اس کا آخری کیا تصفیہ فرمایا۔

باب دوم

مصنوعات

فصل اول

زمانہ واسباب ترقی وتنزل

پیداوار کے ذکر کو ختم کرنے کے بعد اب مصنوعات دکن کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور یہی مضمون ایسا ہے جس پر اہل ملک کی عمیق توجہ درکار ہے۔

قبل از آنکہ تفصیلی تذکرہ مصنوعات کا شروع کیا جائے یہ ضروری ہے کہ زمانہ واسباب ترقی وتنزل کے متعلق کچھ لکھا جائے۔

تمام ملکوں اور قوموں کو سربلندی وعروج نصیب نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ صنعت وحرفت کی جانب توجہ نکریں۔ کسی ملک کی پیداوار اعلیٰ سے اعلیٰ بھی ہو لیکن جب تک اُس کے باشندوں کے ہاتھ میں صنعت نہ ہو وہ متمول ومتمدن بن نہیں سکتے۔ ہمیشہ دست نگر اغیار رہینگے۔ اُن کو نہایت سستے داموں پر اپنی پیداوار غیر ملکی مصنوعات کے معاوضہ میں فروخت کرنی ہوگی۔ اِس کے مقابل جس ملک کے باشندوں کے ہاتھ میں صنعت ہو دولت کے انبار جمع کرتے ہیں۔ صنعت کے زور سے دوسرے ممالک کی خام پیداواریں منگواتے اور پھر تبدیل ہئیت سے دس گنے دام پیدا کرتے ہیں۔ جس ملک میں پیداوار بافراط ہو اور صنعت وحرفت بھی ہو تو پھر اُس کی عظمت وجلال وترقی میں کوئی روک نہیں ہوتی۔

وغیرہ مشہور ہیں۔

قلمرو آصفی کے دیہات کی تعداد حسب ذیل ہے

دیہات دیوانی جس میں دیہات صرف خاص زیر انتظام دیوانی بھی شامل ہیں

دیہات خالصہ	۱۳۰۴۵
دیہات جاگیر	۲۹۹۵
دیہات اگرہار	۲۶۵
دیہات سمستانات	۱۳۵۷
دیگر مقطعہ جات	۴۱۹
بیچراغ	۱۶۱۷
میزان	۱۹۰۹۲

دیہات ضلع اطراف بلدہ - دیہات خالصہ ۹۱۴ جاگیر وغیرہ ۳۹۶۰ جو اراضی انعام داروں کے نام بحال ہے اس کے متعلق مجھکو صحیح اعداد نہیں مل سکے - لیکن بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی تعداد دہزاروں تک پہونچی ہوئی ہے - جن کی سالانہ آمدنی تقریباً تیس چالیس لاکھ تک ہوتی ہے -

رپورٹ نظم و نسق ۱۳۰۸ف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حسب ذیل اکثر مذہبی و معابد کی امداد سرکار سے ہوتی ہے -

مساجد	۱۵۸۲
درگاہ و عاشور خانے	۵۳۱۷
دھرم سالے	۱۰۴
مندر	۱۵۳۵۳
کلیسا	۳

اِن میں سے بعض کے نام معاش سرکاری خزانہ سے دی جاتی ہے بعض کے نام جاگیرات و اگرہار جاری ہیں - اور غالب تعداد کے نام پر

زمینات انعامی واگذاشت ہیں - مگر صحیح تعداد اُن کی بھی نہیں مل سکی -

بہرحال سرکار عالی نے بلا تعصب بلحاظ رعایا پروری کثیر انعامات وغیرہ اگرچہ مذہبی کے نام جاری رکھے ہیں -

زراعت دکن کا تذکرہ اُسوقت تک ختم نہیں ہوسکتا جب تک اس کے مصنوعی ذرائع آبپاشی کا ذکر نہ کیا جاے - دکن کے لئے بھی مثل دیگر زراعتی ممالک کے اِس امر کی ضرورت ہے کہ علاوہ آسمانی بارش کے مصنوعی ذرائع آبپاشی بھی موجود رہیں - کیونکہ بہت سے غلے ایسے ہیں جن کے لئے بارش کے علاوہ مزید پانی لازمی ہے - موسم سرما کے فصول کے لئے بارش کا پانی ناکافی ہوتا ہے - خشک سالی میں بھی پانی کی ضرورت ہوتی ہے - اور اِن سب کے لئے ضروری ہے کہ جو پانی موسم برشکال میں زاید از ضرورت رہتا ہے وہ تالابوں کنٹوں باؤلیوں میں روک لیا جاے دکن میں قدیم سے ذرائع آبپاشی بکثرت موجود ہیں - گزشتہ ہندو راجاؤں نے کوئی دقیقہ اُن کے بنانے میں باقی نہیں رکھا اور وہ سب آج بھی اُسوقت کے انجینروں کی اعلیٰ قابلیت کی ابتک زبان حال سے شہادت دے رہے ہیں -

مرہٹواڑی خاصکر صوبہ اورنگ آباد میں زمین کے ڈھالو اور مسطح ہونے کی وجہ تالابوں کا بنانا نہایت دشوار ہے - اسلئے وہاں باؤلیوں پر ہی زیادہ اہتمام کیا گیا ہے - مگر اکثر جگہ پاتال توڑ کنوئیں بنائے گئے ہیں - اور اُن سے آبرسانی کا انتظام کیا گیا ہے - زمانہ گزشتہ کے ایسے واٹر ورکس اب صرف اورنگ آباد میں کام دے رہے ہیں - باقی مقامات میں مثل جالنہ دولت آباد خلد آباد وغیرہ سب شکستہ ہو گئے ہیں -

تلنگانہ کے ہر ایسے مقام میں جو نشیبی ہے اور جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہو تالاب اور کنٹوں کا آسانی بنانا ممکن ہے - اسی لئے کوئی گاؤں ایسا نہ ملیگا جہاں تالاب بنانا ممکن ہو اور تالاب موجود نہو - بہت کم گاؤں ایسے ہیں

جہاں تالاب نہیں ہیں۔ اور جہاں نہیں ہیں، اس کے قرب وجوار میں ایسا بڑا تالاب موجود ہے جس سے متعدد گاؤں سیراب ہوتے ہیں۔

ان تالابوں میں پہاڑیوں کا پانی جمع ہوتا ہے۔ بڑے بڑے تالابوں میں ندیوں سے نالے کاٹکر بھی جمع کیا جاتا ہے۔ ہرم ساگر، پاکھال، ابراہیم پٹن، لکھناوارم وغیرہ کے تالاب تو کئی کئی میل طویل و عریض اور تیس تیس چالیس چالیس فٹ عمیق ہیں۔ بعض ندیوں سے انی کٹ بھی نکالے گئے۔ مگر اٹھارویں صدی کی عام بدامنی و شورش کی وجہ ان کے شکست و ریخت کی مرمت نہ ہو سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آبادی اٹھ گئی۔ زراعت کے عوض گھنے جنگل پیدا ہو گئے۔ ہز اکسلنسی سر آرتھر ہیولاک اعظم کے زمانہ سے پھر کوشش ہو رہی ہے کہ ان کی مرمت ہو۔ جنگل صاف کئے جائیں۔ نئی نہریں نکالی جائیں۔ ابتدا میں کام نہایت آہستگی سے ہوا۔ ہز اکسلنسی سر آسمانجاہ کے دور وزارت سے کثیر رقم صرف ہونے لگی۔ اب تک دو کروڑ روپے اس کام میں خرچ ہو چکے ہیں۔ مگر سرکاری رپورٹیں تک یہ اعتراف کرتی ہیں کہ کام نہایت درجہ ناقص اور بلا کسی اصول کے ہوا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ چند دن میں پھر محتاج مرمت ہو گئے۔ چند سال پیشتر از سر نو سرکار عالی نے اس سررشتہ کو آرگنائز کیا۔ مسٹر آسن جو مدراس کے ایک مشہور انجنیر تھے یہاں بلائے گئے۔ انھوں نے کئی ایک اسکیمیں تیار کیں اور اُن مرتبہ اصول پر کام ہوا رہا ہے۔ مانجرا سے نہر نکالی گئی۔ لکھناوارم کا تالاب درست کرایا گیا لنگسگور میں تنگبھدرا سے نہر نکالنے کی تجویز بھی کی گئی۔ مگر وہ مدراس گورنمنٹ کے کسی اعتراض کی بنا پر ملتوی رہ گئی۔ حال میں ایک یوروپین آفیسر اس غرض سے برٹش گورنمنٹ سے مستعار لیا گیا ہے کہ مرمت شدہ تالابوں سے تقسیم آب کا انتظام کرے اور نئے کا رہا ہے آبپاشی جہاں زیر تجویز ہیں وہاں کے مقامی خصوصیات کی رپورٹ اور اس رقبہ کی پیمائش کرے۔ نیز سررشتہ آبپاشی کی اعلیٰ افسری پر مدراس کے سررشتہ آبپاشی کا ایک ماتحت یوروپین افسر چند سال

کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

فلاحت

جس شہر و قصبہ میں تمول کی فراوانی ہوئی وہاں باغوں کی بھی کثرت ہوتی ہے تاکہ اہل دول کے نازک دماغوں کو اُن کی سرسبزی و شادابی سے فرحت ملے میووں اور اعلیٰ قسم کی ترکاریوں سے کام و دہاں کو مزہ حاصل ہو۔ پھولوں سے مشام جاں معطر ہو۔ سرزمین دکن میں سیکڑوں شہر و قصبے آباد ہوئے۔ چونکہ دولت بکثرت اور زمین زرخیز تھی اس لئے ہزاروں باغ بھی لگائے گئے۔ اگرچہ امتداد زمانہ کی وجہ بہت سے شہروں کی ویرانی کی وجہ باغ بھی اُجڑ گئے۔ مگر اب بھی حیدرآباد اور دوسرے قصبوں میں ہزاروں باغ موجود ہیں۔ جن میں اعلیٰ ترین میوے، ترکاریاں، پھول، پیدا ہوتے ہیں۔ میووں کی خوبی و افراط میں اورنگ آباد جالنہ اور اُن کے اطراف و جوانب کے قصبات کو زمانۂ گزشتہ میں بے انتہا شہرت تھی۔ کیونکہ شیریں پانی افراط سے تھا اور زمین شاداب و سیر حاصل تھی انقلابات زمانہ نے جہاں اورنگ آباد کو معمولی حیثیت کا کر دیا وہاں اُس کی اس شہرت و ناموری کو بھی گھٹا دیا۔ اور اسکے وجوہ یہ ہیں۔

امرا و اہل دول حیدرآباد میں مستقل ہو گئے۔ بنگلور اور پہاڑی مقامات میں برٹش گورنمنٹ اور یوروپین کاشتکاروں نے میوے کی کاشت کو ترقی دی۔ اور وہ ریل کی وجہ بآسانی دور دور مقامات اور خود حیدرآباد میں پہونچنے لگا۔ اِس کے مقابل اورنگ آباد کو عرصہ سے ریلوے سلسلہ سے اتصال پیدا نہوا تھا۔ علاوہ ازیں قدیم ذی ہنر باغبان اپنے پیشہ کے رموز و تجربات کو بتانے میں بے انتہا بخل کرتے تھے۔

کچھ عرصہ سے ریلوے لائن کی بدولت پھر آثار ترقی نظر آرہے ہیں۔ بمبئی اور حیدرآباد میں مال کی روانگی کا انتظام ہو چکا ہے۔ مدرسۂ فلاحت اورنگ آباد جسکا تذکرہ اس سے پیشتر ہو چکا ہے۔ اور جسکا مقصد زیادہ تر

دکن بھی مثل دیگر بلاد ہندوستان آج سے نہیں بلکہ قدیم زمانہ سے پیداوار کیطرح صنعت وحرفت میں بھی مشہور تھا۔ تقریباً ڈیڑھ صدی سے اسکی شہرت صرف کم نہیں بلکہ زوال پذیر ہوگئی ہے۔ اور گزشتہ دور کے مقابل موجودہ زمانہ کی صنعتوں کی کوئی حیثیت نہیں رہی ہے۔ جب صنعت وحرفت کی گرم بازاری تھی زراعت، صنعت وحرفت، تجارت، ملازمت، کے پیشوں میں سب رعایا مساوی حیثیت سے مصروف کار تھی۔ اور مصنوعات ملک کا استعمال ملک میں کثرت سے ہوتا اور بیرونجات کو بھی روانہ کیا جاتا تھا۔ ان سب وجوہات کی بدولت باشندوں کا تمول بھی اوج پر تھا۔ اور اب صنعت وحرفت کے میدان میں بازی ہارنے کی وجہ اہل حرفہ کو زراعت وغیرہ کے میدانوں میں روزگار پیدا کرنے کے لئے دوڑنا پڑتا ہے۔ اور ملک مفلس بن رہا ہے

دکن میں صنعت وحرفت کی ترقی وزوال کے اسباب راز نہاں نہیں ہیں۔ متمدن انسانوں کو ہر زمانہ میں اشیاء ایحتاج کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے جب جب ملک وقوم میں تہذیب وتمدن کے صحیح اصول پر گرم بازاری رہا کرتی ہے تو وہ ملک اپنے اشیاء ایحتاج خود تیار کرلیا کرتا ہے۔

دکن کم از کم دو ہزار سال سے اعلیٰ ترین تمدن کی روشنی سے جگمگاتا رہا ہے۔ اور اسی روشنی میں باشندگان ملک نے ہر قسم کے ہنر ودستکاری کو ترقی دی۔ متعدد مرتبہ ہندو اور مسلمان قوموں نے اس پر حملہ کیا۔ مگر یا تو وہ کچھ لوٹ مار کر چلی جاتی تھیں۔ یا خود دکن کو وطن بنا لیا کرتی تھیں۔ پہلی صورت میں کچھ خفیف نقصان کے بعد مثل سابق کاروبار ملک جاری ہوجاتا تھا اور دوسری صورت فاتح قوم مفتوحوں کیساتھ ملکر نئی نئی صنعتیں رائج کرتی اور پرانے دستکاروں کو رونق دیا کرتی تھی۔ یورپ کو موجودہ حیثیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اسٹیم الکٹرسٹی کی حقیقت معلوم نہ تھی۔

دکن مصنوعات کا زمانۂ ترقی اور خاصکر نصف النہار کے دور کا تعین نہیں

ہوسکتا - کیونکہ ہر ایک قوم یکے بعد دیگرے ترقی کرتی ہی رہتی تھی - البتہ ہندوؤں کے زمانہ میں ہندوانی طرز کی اشیا اور اسلامی دور میں اسلامی طرز کی اشیا کی جانب زیادہ توجہ مبذول رہتی تھی - اسلامی دور میں صنعت و حرفت کا گلزار بہمنی و قطب شاہی فرمانروائوں کے وقت عالم بہار میں تھا - قطب شاہیوں کے خاتمہ کے ساتھ ہی ساتھ زوال شروع ہوگیا - زوال کی وجہ وہی ہے جو مشرق کے مصنوعات کا باعث بنی - یعنے مغربی اقوام کی ترقی اُن کا علم و ہنر اُن کی اولوالعزمی - اُن کی تلاش دولت - اٹھارویں عیسوی صدی تک مثل دیگر بلاد مشرق اہل دکن سے اُن کا تجارتی و حرفتی تعلق مساوات کی حالت میں تھا یعنے اُن کی ساختہ اشیا یہاں آتی تھیں اور یہاں کی بنی ہوئی چیزیں وہاں جاتی تھیں - انیسویں صدی سے اہل یورپ نے اسٹیم والکرسٹی کو مسخر کرلیا - جس سے وقت فاصلہ - محنت کی دشواریوں سے نجات ملی - اِدھر اس کی مدد سے وہ اپنے مصنوعات تیار کرنے لگے - ساتھ ہی سدیشی خیالات اُن کے دل میں جاگزیں ہوئے - اپنے دیس کے علاوہ بدیسی اور خاصکر مشرقی اشیا کے استعمال سے پرہیز کرنے لگے - اُن کے گورنمنٹوں نے ملکی صنعت کو ترقی دینے میں ہر ایک ممکن مدد دی - بیرونی ساختہ اشیا پر گراں ترین ٹکس لگائے گئے - خام اشیا کثیر مقدار میں ممالک بعیدہ سے لائے جانے لگے اور اُن کی تبدیل ہیئت ارزاں قیمت پر کرنے لگے - مشترکہ سرمایہ سے کارخانے قایم ہوئے غرض اسطرح یورپ کی منڈیوں سے مشرقی مصنوعات خارج ہوگئے - اسکے بعد فری ٹریڈ کا اصول جاری کیا گیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کی مصنوعات مشرق کے بازاروں میں آنے لگے - کل مشرق کی طرح دکن پر بھی اسکا اثر ہوا - دکن میں فری ٹریڈ کے اصول کا آغاز انیسویں صدی عیسوی سے ہوا اس زمانہ میں گورنمنٹ سرکار عالی نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ایک تجارتی معاہدہ کیا (اس کا ذکر آگے آئیگا) اہل دکن میں تو صلاحیت نہ تھی کہ وہ اس

معاہدہ سے نفع حاصل کرنا تو درکنار اس معاہدہ کے نتائج و ثمرات تک پر غور کرسکتی مگر دوسرے فریق نے معاہدہ سے پورا فائدہ حاصل کیا۔ یورپ سے ارزاں اور خوشنما سامان نہایت کثرت سے آنے لگا تھا۔ بازار میں عام طور پر اسی چیز کی زیادہ فروخت ہوگی جو ارزاں اور خوشنما ہو۔ اس لئے لازمی نتیجہ وہ ہوا جو نظر آرہا ہے تنزل مصنوعات کا ایک بڑا سبب فیشن کی تبدیلی بھی ہے اس تبدیلی کے مفید یا مضر ہونے کی بحث ایک جداگانہ امر ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اس سے عظیم اثر ملکی مصنوعات پر پڑا۔ لباس، مکان، فرنیچر، طعام، سواری وغیرہ ہر ایک چیز میں قدیم فیشن بدل گیا ہے اور پرانی وضع کے اشیا کی جگہ یورپ کی نئی چیزوں نے لیلی ہے۔ رفتہ رفتہ فیشن میں اسقدر تبدیلی ہو گئی ہے کہ انگریزماڈرنسی بننے کا شوق دولتمندوں میں پیدا ہوگیا ریلوی سفر اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر اسکو جو وقعت ہونے لگی تو شوق حد اعتدال سے گزر گیا۔ اور فیشن رسیل دائرہ میں دیسی اشیا کا استعمال حماقت سے تعبیر کیا جانے لگا۔ یہ فرض سمجھا جانے لگا۔ ہر قسم کا لباس اور کل فرنیچر نہ صرف یورپ کا بنا ہوا ہو بلکہ یوروپین تاجروں کے کارخانوں سے خریدا جاے۔

مصنوعات کو زوال سے بچانے کے لئے ضروری تھا کہ ملک میں وہ علوم پھیلائے جاتے جس نے یورپ کو یورپ بنا دیا۔ صنعت و حرفت کی تعلیم خصوصیت کیساتھ رائج کی جاتی۔ تجارت کا طریقہ سکھایا جاتا۔ حب وطن کا جذبہ دلوں میں پیدا کیا جاتا۔ مشترکہ سرمایہ سے وسیع پیمانہ پر یوروپین اصول پر کارخانے اور کوٹھیاں بنائی جاتیں۔ مگر ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ اگر کچھ ہوا بھی تو چھوٹے سے پیمانہ اور غلط اصول پر۔ غرض ملک کی صنعت تباہ ہوتی رہی اور ہورہی ہے اور ہوتی رہیگی۔ اگر فی الفور اس کے متعلق توجہ نہ مبذول کی جاے۔

یورپ کے مصنوعات کی وجہ کل مشرق کی صنعتیں تباہ ہوگئیں اسلئے کوئی تعجب نہونا چاہئے۔ اگر دکن کی صنعتوں پر بھی انکا اثر پڑا۔ لیکن زیادہ تر تعجب اور

زیادہ تر افسوس کے قابل یہ امر ہے کہ بہت سی ایسی دستکاریاں ہیں جن میں ابھی تک اسٹیم سے مدد نہیں لی جاتی ہے اور جنکا استعمال ابھی تک ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ہوتا ہے اور جن کے بنانے میں دکن کو بھی بیشتر خاص شہرہ تھا۔ مگر اب جو چیزیں ایسی دکن میں تیار ہوتی ہیں وہ ہندوستان کے دیگر مقامات کے تیار شدہ اشیا سے مقابلہ نہیں کرسکتی ہیں اور اسی لئے اُن کا باہر جاکر فروخت ہونا تو درکنار خود حیدرآباد میں دیگر مقامات مثل بنارس، بمبئی، مدراس، کلکتہ، سورت، کشمیر وغیرہ کا تیار شدہ مال اسقدر کثرت سے فروخت ہوتا ہے کہ اُس کے مقابل ممالک محروسہ کے دستکاریوں کی فروخت کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

جب اسکے اسباب پر غور کیا جاتا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اسطرح ہونا ضروری ہے کیونکہ مقامات مذکورہ میں تعلیم کی کثرت اور گورنمنٹ کے توجہات کی بدولت کچھ نہ کچھ دستکاریوں کو ترقی دینے اور تجارتی اصول سے انکو فروخت کرنے کا سلیقہ آچلا ہے۔ اسی لئے دستکاریوں کے تیار کرنے کے لئے بڑے بڑے کارخانے سرمایۂ کثیر سے قایم ہیں۔ بہت سے مشترکہ سرمایہ سے چلتے ہیں۔ ان میں کاریگر بیش قرار ماہوار رون پر ملازم ہیں۔ اشیائے خام جو تیاری مصنوعات کے لئے ضروری ہیں ایکدم سے خرید لی جاتی ہیں سامان ہمیشہ بڑی مقدار میں تیار کرایا جاتا ہے۔ کل ہندوستان میں آڑھتیں قایم ہیں۔ جہاں مال کافی مقدار میں موجود رہتا ہے۔ فہرستوں اور اشتہارات کی اشاعت کثرت سے کی جاتی ہے۔ یورپ، امریکہ، ہندوستان کی نمائشوں میں اُن کی دکانیں کھولی جاتی ہیں نمائشگاہوں میں نمونے روانہ کئے جاتے ہیں اس کے برخلاف دکن میں اول تو کارخانے نہیں۔ جو ہیں وہ چھوٹے اور معمولی ہیں۔ اکثر کاریگر خود سامان تیار کرلیتے ہیں۔ جب تک فرمایش نہ کی جائے اور کچھ رقم پیشگی نہ دی جائے مال تیار نہیں ہوسکتا۔ سوائے حیدرآباد کے

اور ہر کہیں مال بسہولت روانہ کیا جاتا ہے - خود حیدرآباد میں کافی انتظام فروخت کا نہیں ہے - اشتہارات دینے، نمائشوں میں مال روانہ کرنے کا طریقہ نہ ہونے کے برابر ہے - میونسپلیوں میں بہت کم حیدرآباد کے مصنوعات نظر آئینگے - ایسی صورتوں میں مصنوعات ملک کی ترقی کسطرح ممکن ہے -

اس مختصر تمہیدی بیان کے بعد اب مصنوعات کا تذکرہ اس ترتیب کے موافق جو نمایشگاہ دربار دہلی و حیدرآباد میں کی گئی تھی کیا جاتا ہے - مگر ایک ضروری امر کا بیان پہلے کر دینا مناسب ہے -

مضمون کے متعلق جو امور لکھے جانے قرار دے گئے ہیں اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ ممالک محروسہ میں جن جن مقاموں میں جو جو صنعتیں و دستکاریاں مشہور ہیں اُن کی وجہ خصوصیت کیا ہے - اسکا عام جواب یہ ہے کہ جو جو مقامات مشہور ہیں اُن میں اکثر ایسے ہیں جو بیشتر مرکز تمدن اور آباد شہر تھے - اُن میں ہر قسم کے باکمال اور ہنرمند کاریگر موجود ہو گئے - چونکہ ہندوستان میں وراثتاً پیشہ چلا آتا ہے اس لئے اُن قدیم کاریگروں کی نسل اپنے قدیم پیشوں کو چلاتی آرہی ہے نیز اب جو نئے مقام آباد ہوئے ہیں وہاں بھی روزگار رہا سانی ملجانے کے خیال سے کاریگر آکر بس گئے ہیں - اِن عام وجوہات کے سوا خاص خاص وجوہ خصوصیت تذکرہ مصنوعات میں ضمناً بیان کئے جائینگے -

فصل دوم

اشیائے فلزات

زیورات اور ملائی و نقروی ملمی برتن

ممالک محروسہ کے ہر ایک شہر قصبے میں اور بڑے بڑے دیہات میں بکثرت سنار ہر زمانہ میں موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں جو جڑاؤ - ملائی - نقروی - ملمع زیور اور برتن جو ہندوستان میں مستعمل ہوتے ہیں تیار کرتے ہیں - اِن کی موجودگی

سبب یہ ہے کہ ممالک متمدنہ میں متمول طبقہ ہمیشہ زیورات مطلائی۔ نقرئی اشیا کا استعمال کثرت سے کرتا ہے اور دولت کی حفاظت و بقا کا طریقہ احسن اسی کو سمجھتا ہے۔ اس عام اور فطری شوق سے باشندگان دکن مستثنیٰ نہیں ہیں اور اُن کے اس شوق کو پورا کرنے اُس کے ذریعہ اپنی گزران پیدا کرنے کے لئے سنار موجود ہیں۔ بڑے بڑے قصبوں اور اضلاع کے جدا مقاموں میں ہوشیار کاریگر ہیں جو عمدہ اور نفیس کام تیار کرتے ہیں۔ خصوصیت کیساتھ آجکل حیدرآباد۔ اورنگ آباد۔ کریم نگر۔ ماناکنڈور (ضلع کریم نگر) اس کام کے لئے مشہور ہیں۔ گزشتہ زمانہ میں گولکنڈہ۔ ورنگل۔ گلبرگہ۔ بیدر۔ پٹن۔ دولت آباد۔ اور تمام وہ مقامات بھی جو دارالحکومت تھے مشہور تھے چونکہ ان سب مقامات کی حکومتیں تباہ ہوگئیں اسلئے کاریگر بھی فنا ہوگئے۔ یا دوسرے آباد مقامات پر منتقل ہوگئے۔

حیدرآباد میں ہر ایک وضع کے جڑاؤ۔ طلائی۔ نقرئی۔ زنانی، مردانی ملمع کے زیور جو سر سے پاتک ہندوؤں مسلمانوں میں استعمال ہوتے ہیں عمدہ سے عمدہ تیار ہوتے ہیں۔ ہر قسم کا طلائی، نقرئی ملمع کا سامان سادہ ہو یا مینا کار مثل پلنگ، پاندان، عطردان، سنگھاردان، گلاب پاش، حقہ، صراحی، رکابیاں، ہتیار کے قبضے و دیگر ظروف بھی نفیس و خوش وضع تیار ہوتے ہیں۔ یوروپین وضع کے زیورات اور اشیاے استعمال مثلاً کپ، شیلڈ، چاردان، چھری کانٹے، چمچے و دیگر ظروف طعام و چاء، نوشی بھی حسب فرمایش عمدہ بننے لگے ہیں۔ الکٹرو پلیٹ کا کام بھی ہوتا ہے۔ اورنگ آباد میں زیورات کے علاوہ خصوصیت کیساتھ چاندی کے تار کا کام اور رسومین کاری مشہور ہے بگلوس۔ حقے۔ پاندان۔ عطردان۔ چنگیردان۔ گلاب پاش ڈبیاں۔ وغیرہ نہایت خوبصورت تیار ہوتے ہیں اور حیدرآباد میں بکثرت فروخت ہوتے ہیں۔ ملمع کے عطردان۔ ڈبیاں۔ خاصدان۔ کٹورے

بھی اچھے ہوتے ہیں کریم نگر اور مانوکنڈور میں جو کریم نگر سے تین چار میل کے فاصلہ پر ہے تار کا کام نہایت نازک اور نفیس تیار ہوتا ہے۔ عطردان، الائچی دان سگرٹ کیس، ہیچ بکس، وغیرہ کمانی دار بھی بنائے جاتے ہیں۔ یعنے عطر وغیرہ لے چکنے کے بعد خود بخود بند ہو جاتے ہیں۔ مگر ان دو مقامات میں صرف دو چار قدیم ہی خاندان ہیں جو ایسا نفیس کام کرتے ہیں یہ بھی مفلس ہیں اور بغیر پیشگی قیمت وصول کرنے کے تیار نہیں کر سکتے۔

مقامات مذکورۂ بالا کے ماسوا بعض قصبات میں اور بھی ایسے کاریگر ہیں جو بشرطیکہ اُن سے کام لیا جائے۔ نمونہ بتایا جائے اور اُس کے ساتھ وقت بوقت ہدایات وصلاحیں دی جاتی رہیں اچھا کام کر سکتے ہیں۔

باوجودیکہ ملک میں ایسی عمدہ کاریگری ہر قسم ہر وضع کی ہوتی ہے مگر بجائے اس کے کہ ممالک غیر میں یہ فروخت کے لئے جایا کریں امرا و معززین کے پاس طلائی، نقرئی، اور خاصکر یوروپین فیشن کی اشیا مدراس، کلکتہ، دہلی، و دیگر بلاد ہندوستان وغیرہ سے آیا کرتی ہیں۔ اگر اسکا سبب اُن سے پوچھا جائے تو یہ جواب ملیگا کہ وقت پر کوئی چیز تیار نہیں ملتی ہے اور اچھی چیز تیار کرنے کیلئے کاریگروں کو تعلیم دینے کی تکلیف جداگوارا کرنی پڑتی ہے۔ اس کے مقابل کیونکہ بنی بنائی چیز حسب پسند وقت پر کیوں نہ باہر سے منگوالی جائے۔ یہ سبب حقیقت میں صحیح ہے۔ گاہک مال کی تلاش نہیں کرتا بلکہ مال گاہک کو ڈھونڈتا ہے اگر حیدرآباد میں بھی کلکتہ کی ہملٹن اور مدراس کے ٹھاکر و آر وغیرہ کی طرح شاندار اور بڑی بڑی شاپین موجود ہوں باہر اور تعلیم یافتہ مینیجر کی نگرانی میں ہوشیار کاریگروں کو نوکر رکھکر کام لیا کریں اور ہمیشہ ہر قسم کا مال موجود رکھیں تو امرا و معززین کو بیرونی کارخانوں کی سرپرستی کرنے کی ضرورت نہ ہوگی مگر حیدرآباد میں ایسی شاپیں نظر ہی نہیں آتی ہیں۔ اشیائے مسی و برنجی پیتل، تانبے کے گھڑے، تھالیاں، رکابیاں، لوٹے، کٹورے، دیگچیاں، دیگیں،

پیچے، شمعیں، وغیرہ اکثر مقامات میں تیار ہوتے ہیں کیونکہ ہندوستان و دکن میں ان کا استعمال زیادہ ہے۔ عمدہ کام اورنگ آباد۔ ننگم پیٹہ ضلع میدک مدکھیڑ ضلع نانڈیڑ۔ کریم نگر۔ ناگمنڈور۔ بیگل۔ نرمل۔ حیدرآباد میں ہوتا ہے اورنگ آباد میں سادہ، منقش عطردان، تھالیاں، خوبصورت اور سبک ہوتے ہیں۔ ننگم پیٹہ میں علاوہ دیگر اشیاء قلم، سماور، قابل تعریف ہوتے ہیں۔ مدکھیڑ میں پیتل کی شمعیں اچھی بنا کرتی ہیں۔ حیدرآباد میں بھی اچھا کام ہوتا ہے۔ نمائش حیدرآباد میں بالکل نئی وضع کے برنجی سماور یہاں کے ایک کاریگر نے پیش کئے تھے۔

اشیائے آہنی

بیڑ اور کچا لوہا اضلاع ورنگل، آصف آباد، کریم نگر، بیدر، نلگنڈہ، وغیرہ میں جہاں لوہے کے معدن ہیں گلایا جاتا تھا اور اب بھی گلایا جاتا ہے لیکن ولایتی لوہے کی درآمد کی وجہ زیادہ نہیں گلایا جاتا۔ تقریباً تمام مالک محروسہ کے ہر ایک گاؤں میں قدیم سے لوہار موجود ہیں جو آلات کشتکاری۔ معماری۔ اشیائے خانہ داری وغیرہ جن کی ضرورت علی العموم پیش آیا کرتی ہے تیار کیا کرتے ہیں جیسے ہل۔ پھاوڑا۔ کلہاڑی۔ تھڑے بنڈیوں کے پٹے وغیرہ۔ یوروپین اشیا نے ملکی آہنی سامان پر بھی اثر ڈالا ہے۔ اس لئے روز بروز تنزل ہوتا جارہا ہے۔ حیدرآباد، اورنگ آباد اور بعض بڑے بڑے قصبوں میں کام اچھا ہوتا ہے۔ اورنگ آباد میں لوہے پر چاندی کے تاروں کو جڑ کر بیل بوٹے بنا لیتے ہیں یہ کام زیادہ تر تلواروں قبضوں اور بگلوسوں پر ہوا کرتا ہے۔ ملک میں عمدہ کاریگر ابھی زندہ موجود ہیں۔ جو ہاتھ سے ایسا کام کرسکتے ہیں جو کلوں کا مقابلہ کرسکے۔ جاتراے جڑکل (ضلع ورنگل) میں ایک مرتبہ کسی لوہار نے سائیکل پیش کی تھی جو بہ خوبی کام دیتی تھی اور اسی کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحیفہ

نمبر ۵ و ۶ جلد ۵

انسداد گداگری

جسکی دھوم ہندوستان کے اِس سرے سے اُس سرے تک مچی ہوئی ہے اور جسکے اجرا کے دل خوش کن خیال پر سلطنت آصفیہ مورد تحسین و آفرین ہو رہی ہے۔ افسوس ہے کہ اُسکے متعلق ابتک کوئی عملی صورت اختیار نہیں کیگئی۔ عالم زماتھی و زافغان تاثیر است لیکن ہمکو امید ہے کہ جن مقتدر اور قوی ہاتھوں میں اِس تجویز کا اجرا ہے وہ ضرور اسکو پروان چڑھائے بغیر نہیں رہیں گے۔ ذیل کے مضمون میں ابنائے ملک کو جس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اُمید ہے کہ وہ لوگ جنہیں ملک و قوم کی بہتری و بہبودی کا پاس ہے ضرور اِس کی جانب اپنی توجہات مبذول فرمائیں گے۔

ہمکو یہ معلوم کرکے بیحد مسرت ہوئی کہ ہماری بیدار مغز اور روشن خیال گورنمنٹ نے گداگری کے انسداد کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ اور ایک کمیٹی کو اس کے انتظام اور تدابیر پر غور کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اصول ذیل پیش نظر رکھے ہیں۔

(۱) غریب اور محتاج لوگ جو کسی ذریعۂ معاش کے نہونے اپنی اور اولاد کی پرورش گدائی کے ذریعہ کرتے ہیں ایسے بچوں کو یتیم خانہ میں داخل کیا جاے۔

(۲) جو گدا توانا اور کام کے قابل ہوں اُن کو کام پر لگایا جاے۔

(۳) جو گدا ضعیف اور ناتوان ہوں اور محنت سے اپنی بسر نہیں کرسکتے وہ محتاج خانہ میں داخل کیے جائیں

(۴) کوڑی اور جذامیوں کے لئے ایک کوڑی خانہ قایم کیا جاے۔
(۵) یہ اخراجات سرکار کے مدخیرات و مبرات سے ادا کئے جائیں۔

سرکار کی یہ تجویز ملک کیلئے کسقدر مفید ہے اور اسکی کہانتک ضرورت ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ حیدرآباد میں گداگروں کی جو حالت اور جسطرح اس فرقہ نے اپنی گذران کی صورت نکالی ہے اسکے لحاظ سے واقعی ضرورت تھی کہ اسکی طرف توجہ کیجاے۔ اسطرح کی گدائی جیسی حیدرآباد میں ہے نہ صرف مخرب اخلاق ہے بلکہ خیرات کو صحیح مصرف تک پہنچنے سے روکتی ہے جس سے خیرات کے اصلی فوائد کبھی حاصل نہیں ہو سکتے لیکن ہماری راے میں اس مہتم بالشان کام کو صرف گورنمنٹ پر چھوڑ دینا اہل ملک کی انتہا درجہ کی پست ہمتی پر دال ہوگا۔ ہمارے خیال میں قوم کو بھی اس کام میں سرکار کا ہاتھ بٹانا اور سرکار کے دست و بازو بنکر مدد دینی چاہئے۔

کوئی گھر ایسا نہیں ہے جہاں سے ان گداؤں کو خیرات نہ ملتی ہو۔ اور کوئی ایسا مکان نہیں ہے جس سے خیرات کے نام سے کچھ نہ کچھ نہ نکلتا ہو۔ خواہ وہ مقدار میں کتنا ہی خفیف کیوں نہو۔ ایسے گداؤں کو دینے سے جنکے پاس اسقدر سرمایہ جمع ہو کہ وہ اپنی عمر بآسایش بسر کرنیکی بعد بھی پس انداز رکھ سکتے ہیں (اور تقریباً سب گداگروں کی یہی حالت ہے) یہ زیادہ مفید ہوگا کہ کل خیرات ایک جا جمع کیجاے اور اس سے سرکار کے اس مفید ترین مقصد میں مدد دیجاے

ہمارے خیال میں اعیان قوم کو ایک جنرل کمیٹی بلدۂ حیدرآباد میں بہ سرپرستی گورنمنٹ منعقد کرنی چاہئی اور اضلاع کے صدر مقام اور بلدہ کے بڑی بڑی محلوں میں ایک ایک سب کمیٹی قایم کرنی چاہئے۔ جس کا مقصد یہ ہو کہ عام طور پر لوگوں کو توجہ اور ترغیب دلائے اور خیرات کا پیسہ وصول کرکے جنرل کمیٹی کے فنڈ میں داخل کرے۔

سرکار کو بذریعہ قانون ایسے غیر مستحق گداؤں کو بھیک مانگنے کی ممانعت کرنی چاہئے اور خلاف ورزی کرنیوالے کو بے تامل قانونی سزا دینی چاہئے جب اسطرح سرکار اور اور اہل ملک ہمت باندھکر متفقاً کوشش کریں گے تو یقین ہے کہ ملک سے بہت جلد یہ ناپاک گداگری دور ہو جائیگی ورنہ صرف سرکار کا مد خیرات و مبرات اس مہتم بالشان

کام کو موثر اور مفید بالقصد نہیں چلا سکے گا۔ اور جبتک اہل ملک ایسی مخرب اخلاق خیرات سے ہاتھ نہ روکیں گے اس جہاز کا کنارے لگنا محال ہے۔

ہمارے خیال میں اس خیراتی فنڈ کے مصارف بامداد مذخیرات و مبرات سرکار بہ سرپرستی سرکار عالی یہ ہو سکتے۔

(۱) سب سے پہلی اُن بچوں کی نگہداشت ضرور ہے جو کمسن ہونے کے سبب اپنے کسی فائدہ یا نقصان کا خیال نہیں کر سکتے۔ اور ماں باپ کی ناپاک گداگری کیساتھ اُن کے اخلاق میں ایسے گندے خیالات اور ناقابل تلافی برائیاں گھر کرتی ہیں جو اُن کی آیندہ زندگی کے نوخیز لوبدوں کیساتھ وہی کام کرتی ہیں جو عدم میسری آب لہلہاتی کھیتوں کیساتھ کرتی ہے اور یہی قومی تنزل کی جڑ ہے کہ درستی اخلاق کی فکر نہ کیجاے۔ اِس سے آیندہ نسلیں جسقدر تباہ و برباد ہو رہی ہیں اور ہونیکا اندیشہ ہے اسکے خیال ہی سے روح لرزتی ہے اسلئے ایک یتیم خانہ قایم کیا جاے جسمیں لاوارث لڑکے اور ایسے بچے جنکے ماں باپ بیروزگاری کے سبب گداگری کو ذریعۂ معاش بنایا ہے۔ داخل کئے جائیں جہاں اُن کی خوراک و پوشاک کا اہتمام اور اُن کی تعلیم کا انتظام کیا جاے اور حسب رجحان و میلان طبیعت فنون لطیفہ کی تعلیم دیجاے تاکہ وہ یتیم خانہ سے نکلنے کے بعد اپنے لئے معاش پیدا کرنیکی قابل ہو جائیں اسطرح آیندہ نسلیں تباہی سے بچیں گی اور خیرات اپنے صحیح مصرف تک پہنچ سکیگی۔ اور جو لاوارث اور کم عمر لڑکے مشرقی اقوام کی عنایتوں کی بدولت بے دین ہو جاتے ہیں (جس سے بڑھکر ہمارا قومی تنزل نہیں ہو سکتا کہ اپنی قوم کے بچوں کی نگہداشت نہ کر سکیں اور دوسری اقوام کا اُن پر دسترس ہو جاے) اسکی بھی روک ہو جائیگی۔

(۲) ایک محتاج خانہ کھولا جاے اور جو گدا کسی قسم کی محنت نہیں کر سکتا اُن کو اس میں شریک کیا جاے جنکے خورونوش اور پوشاک کا انتظام کافی طور پر محتاج خانہ میں کیا جاے۔ اور اسی کے ایک حصہ میں بیمار جذامیوں اور کوڑھیوں کیلئے انتظام کیا جاے جہاں وہ آرام سے رکھے جائیں اور اُن کی اسطرح بار بار روک ٹوک در بدر پھرنیسے جو اندیشے ایسی متعدی امراض کی سبب ہو سکتے ہیں بنی نوع انسان اس سے محفوظ و مامون رہ سکیں۔

(۳) ایک دار الصنائع کھولا جائے جس میں توانا اور جوان گدا رکھے جائیں اور ان کو مختلف پیشے سکھائے جائیں اور صنعتی کام اُنسے لئے جائیں اور اسطرح ملک کی مُردہ صنعتوں میں نئی روح پھونکی جائے اور قدیم صنعتی اُصولوں میں جدید سائنٹفک طریقے شامل کئے جائیں جس سے کام بھی بآسانی چل سکے اور اہل ملک کو صنعتوں سے جو لاپروائی ہو گئی ہے وہ دور ہو سکے۔ جو نفع دار الصنائع سے حاصل ہو اُس سے دوسرے قومی کاموں میں مدد دیجائے۔

اگر ہمارے اہل ملک اسکی طرف توجہ فرمائیں اور اپنی اپنی خیرات ایسے غیر مستحق فقیروں کو دیکر بجائے ثواب کے جو اخلاقی گناہ اپنے سر لیتے ہیں صحیح مصرف میں خرچ کریں اور سرکار کے قایم کردہ اسکیم کی تکمیل میں کوشش کریں تو یہ اسکیم نہ صرف ہمارے ملک کیلئے باعث فخر ہوگی بلکہ دوسری اقوام کو ملکی ترقی کے رفیع الشان مینار پر چڑھنے کی رہبری کے لئے ایک قابل قدر اور عمدہ مثال ہوگی۔

یہ ایک مختصر سا خاکہ ہمنے اہل ملک کی بلند ہمتی و فراخ دلی کی امید پر پیش کیا ہے اگر روشن خیال ممتاز افراد قوم اس کام میں عملی حصہ لیں تو مفصل اُصول و قواعد منضبط کئے جا سکتے ہیں کہیں ہمکو افسوس کیساتھ یہ کہنا نہ پڑے ع صد الموطی کی سنتا کون پنقار خانے میں۔

غزل

جواب از جناب فیاض الدین

مہ جبیں رخ مہر انور چاندنی بھی دھوپ بھی — ایکہی کے دو رنگ مہر انور چاندنی بھی دھوپ بھی
مہر بھی ظاہر ہے اُس مہ کی نگاہ قہر سے — ایک سماں کرتی ہے مہر چاندنی بھی دھوپ بھی
داغ سی روشن جگر دل میں خیال ماہرو — ہی عیاں ہے کہ چاندنی بھی دھوپ بھی
کیا صباحت ہے ملاحت نے دکھایا اپنا رنگ — ایک جا اللہ اکبر چاندنی بھی دھوپ بھی
ایک عارض آفتاب اور ایک عارض ماہتاب — دو لو جاری ہیں برابر چاندنی بھی دھوپ بھی
اک طرف اک ماہرو ہے اک طرف اک مہروش — رہتی ہے بالائے بستر چاندنی بھی دھوپ بھی
ساغر مے میں ہے عکس عارض رشک قمر — دیکھنے کا ہے یہ منظر چاندنی بھی دھوپ بھی

ہے کی پرواہی عاصی کو نہ راحت کا خیال
اُسکو ہیں دونوں برابر چاندنی بھی دھوپ بھی

آمد اور آورد

عالم شاعری میں مدت سے یہ مقولہ مثل اقلیدس کے اصول موضوعہ کے مسلم چلا آیا ہے کہ آمد کو آورد پر بلاشبہ ترجیح اور تفوق ہے۔ مگر مولوی الطاف حسین صاحب حالی اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے۔ انکی رائے ہے کہ آمد پر آورد کو ترجیح ہونی چاہیے۔

قبل اس کے کہ ہم اس بارہ میں اپنی رائے ظاہر کریں یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب کا پورا بیان جو انہوں نے اس مسئلہ پر اپنے دیوان کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے اس مقام پر نقل کریں اور اسکے بعد اپنی رائے کا اظہار ان وجوہات سے کریں جو ہمارے خیال میں آئے ہیں۔ خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"اکثر لوگوں کی یہ رائے ہے کہ جو شعر شاعر کی زبان یا قلم سے بیساختہ ٹپک پڑتا ہے وہ اُس شعر سے زیادہ لطیف اور بامزہ ہوتا ہے جو بہت دیر میں غور و فکر کے بعد مرتب کیا گیا ہو۔ پہلی صورت کا نام انہوں نے آمد رکھا ہے اور دوسری کا آورد۔ بعضے اس موقع پر یہ مثال دیتے ہیں کہ جو شیرہ انگور سے خود بخود ٹپکتا ہے۔ وہ اس شیرہ سے زیادہ لطیف اور بامزہ ہوتا ہے جو انگور سے نچوڑ کر نکالا جاے۔ ہم اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے۔ اول تو یہ مثال جو اس موقع پر دیجاتی ہے اسی سے اُس رائے کے خلاف ثابت ہوتا ہے جو شیرہ انگور سے خود بخود اُسکے پک جانیکے بعد ٹپکتا ہے۔ وہ یقیناً اس شیرہ کی نسبت بہت دیر میں تیار ہوتا ہے جو کچے یا ادھ پکے انگور سے نچوڑ کر نکالا جاتا ہے۔ مستثنےٰ

* مگر ہماری رائے میں یہ تحقیق بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ آمد اور آورد کو جیسا اور جسقدر تعلق کلام منظوم سے ہے ویسا ہی اور اسیقدر تعلق کلام منثور سے بھی ہے۔ منشی نگار

حالتوں کے سوا ہمیشہ وہی شعر زیادہ مقبول۔ زیادہ لطیف۔ زیادہ بامزہ۔ زیادہ سنجیدہ اور زیادہ موثر ہوتا ہے۔ جو کمال غور و فکر کے بعد مرتب کیا گیا ہو۔ یہ ممکن ہے کہ شاعر کسی موقع پر پاکیزہ خیالات جو حافظہ میں پہلے سے ترتیب وار محفوظ ہوں مناسب الفاظ میں جو حسن اتفاق سے فی الفور اُسکے ذہن میں آجائیں ادا کر دے۔ اول تو ایسے اتفاقات شاذ و نادر ظہور میں آتے ہیں۔ والنادر کالمعدوم۔ دوسرے اُن خیالات کو جو مدت سے انگور کے شیرہ کی طرح اُس کے ذہن میں پک رہے تھے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ جھٹ پٹ بغیر غور و فکر کے سر انجام ہو گئے ہیں۔ شعر میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک خیال دوسرے الفاظ۔ خیال تو ممکن ہے کہ شاعر کے ذہن میں فوراً ترتیب پا جائے۔ مگر اُس کے لئے الفاظ مناسب کا لباس تیار کرنے میں ضرور دیر لگے گی۔ یہ ممکن ہے کہ ایک مستری مکان کا نہایت عمدہ اور نرالا نقشہ ذہن میں فوراً تجویز کر لے مگر یہ ممکن نہیں کہ اُس نقشہ پر مکان بھی ایک چشم زدن میں تیار ہو جائے۔ وزن اور قافیہ کی اوگھٹ گھاٹی سے صحیح سلامت نکل جانا اور مناسب الفاظ کے تفحص سے عہدہ برا ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اگر ایک دن کا کام ایک گھنٹہ میں کیا جائیگا تو وہ کام نہ ہوگا بلکہ بیگار ہوگی۔

"رومانے کے مشہور شاعر ورجل کے حال میں لکھا ہے کہ صبح کو اپنے اشعار لکھواتا تھا اور دن بھر اُن پر غور کرتا تھا اور اُن چھانٹتا تھا۔ اور یہ کہا کرتا تھا کہ "ریچھنی بھی اسی طرح اپنے بدصورت بچوں کو چاٹ چاٹکر خوبصورت بناتی ہے" ایرسٹو شاعر جس کے کلام میں مشہور ہے کہ کمال بیساختگی اور آمد معلوم ہوتی ہے۔ اُس کے مسودے اٹلی فیرارا علاقہ اٹلی میں محفوظ ہیں۔ اُن مسودوں کے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ جو اشعار اُسکے نہایت صاف اور سادے معلوم ہوتے ہیں وہ اٹھ اٹھ

دفعہ کانٹ چھانٹ کرنے کے بعد لکھے گئے ہیں۔ ملٹن بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ نہایت سخت محنت اور جانفشانی سے نظم لکھی جاتی ہے اور ایک ایک بیت میں اُس کے مدوّل ہونے سے پہلے کتنی ہی تبدیلیاں پے در پے کرنی پڑتی ہیں۔ ایک فارسی شاعر بھی فکر شعر کی حالت اسطرح بیان کرتا ہے:-

دو براے پاکی لفظے شبے بروز آرد کہ مرغ و ماہی باشند خفتہ او بیدار

سچ یہ ہے کہ کوئی نظم جس نے کہ استقلال کے ساتھ جمہور کے دل پر اثر کیا ہو خواہ طویل ہو خواہ مختصر ایسی نہیں ہے ہوئے تکلف لکھ کر پھینکدی گئی ہو۔ جسقدر کسی نظم میں زیادہ بیساختگی اور آمد معلوم ہو اُسی قدر جاننا چاہئے کہ اُسپر زیادہ محنت۔ زیادہ غور اور زیادہ حک و اصلاح کیگئی ہوگی۔

ابن رشیق اپنی کتاب عمدہ میں لکھتے ہیں کہ جب شعر سرانجام ہوجائے تو اُس پر بار بار نظر ڈالنی چاہیئے۔ اور جہانتک ہو سکے اُس میں خوب تنقیح و تہذیب کرنی چاہیئے۔ پھر بھی اگر شعر میں جودت اور خوبی پیدا نہو تو اس کے دور کرنے میں پس و پیش نکرنا چاہیئے۔ جیساکہ اکثر شعرا کیا کرتے ہیں انسان اپنے کلام پر اسلئے کہ وہ اُسکی مجازی اولاد ہوتی ہے مفتون اور فریفتہ ہوتا ہے۔ پس اگر اُس کے دور کرنے میں مضائقہ کیا جائیگا تو ایک برے شعر کے سبب سارا کلام درجۂ بلاغت سے گر جائیگا۔

آمد اور آورد کی تعریف جیساکہ ظاہر ہے نہ شعرائے ماسلف کے کلام میں کیگئی ہے اور نہ شعرائے حال نے اسکی تعریف و تحدید کی ہے اور نہ کسی نے یہ بتایا ہے کہ کونسا شعر یا اشعار آمد کے ہیں۔

خواجہ صاحب نے آمد اور آورد میں جو فرق بتایا ہے وہ

مہر آمد ہے کہ ہے اور آورد سوچی سمجھی ہوئی بات ہے۔ مدد

وہ بلا شواہد کے ہے۔ ہمارے ناقص خیال میں اُس شعر کا جو شاعر کی زبان یا قلم سے بے ساختہ ٹپک پڑتا ہے اس شعر سے زیادہ لطیف اور زیادہ بامزہ ہونا۔ جو بہت دیر میں غور و فکر کے موزوں کیا جائے ضروری نہیں ہے کیونکہ اگر یہ کلیہ مان لیا جائے تو اُس شعر پر جو شاعر نے بیساختہ کہا ہو آمد کی تعریف کا صادق آنا لازمی ہوگا اور یہ نہ اُس شعر کو جو کمال غور و فکر کے بعد موزوں اور مرتب کیا جائے آمد کا مصداق ٹھیرایا جا سکتا ہے۔ ہزاروں اشعار ایسے ملیں گے جو شاعروں کی زبان سے بیساختہ نکل پڑے ہیں۔ مگر آمد کا مفہوم جو عام اذہان میں ہے اُن پر صادق نہیں آتا اور نہ عام طور پر شاعر کے اُن اور دوسرے اشعار کو جو کمال غور و فکر کے بعد موزوں اور مرتب ہوئے ہیں آمد پر ترجیح دیجا سکتی ہے۔

پس ہم اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے کہ ہر شعر جو شاعر کی زبان سے بیساختہ نکل پڑے اُس پر پورے طور پر آمد کا اطلاق کیا جائے اور نہ اِس رائے کی تصویب کرتے ہیں کہ ہر شعر جو نہایت غور و فکر و حک و اصلاح کے بعد مرتب کیا جائے اُسکو آمد پر فوقیت دیجائے بلکہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جس شاعر کی طبیعت میں ملکہ شعری مع مشق و مزاولت اور انہماک کے زیادہ ہوگا اتنیقدر اُس کے کلام میں جا بجا آمد کے آثار ضرور پائے جائینگے اور جس شاعر کی فطرت میں یہ ملکہ کم ہوگا گو وہ اشعار کے موزوں کرنے میں کتنا غور اور فکر کرے اور ان میں کیسی ہی حک و اصلاح کرے اُس کے اشعار میں اُس آورد کی صورت کبھی نہیں دکھائی گئی جس کو آمد پر تفوق ہے۔

خواجہ صاحب نے اِس بات کے ثابت کرنیکے لئے کہ نہایت

غور و فکر اور کانٹ چھانٹ کرنے سے کلام میں وہ خوبی اور شیرینی پیدا ہوتی ہے جو آمد میں نہیں ہوتی۔

ارسطو شاعر کے بیان میں یہ الفاظ لکھے ہیں "ارسطو شاعر جس کے کلام میں مشہور ہے کہ کمال بیساختگی اور آمد معلوم ہوتی ہے" اور حیات سعدی میں اسی شاعر کی نسبت ان الفاظ میں بیان کیا ہے "ارسطو کا کلام سادگی۔ صفائی۔ اور بے تکلفی میں مشہور ہے" حیات سعدی ارسطو شاعر کی نسبت تین الفاظ ہیں۔ سادگی۔ صفائی اور بے تکلفی۔ اور مقدمہ میں جسکو ہمنے اوپر نقل کیا ہے کمال بیساختگی اور آمد کے الفاظ ہیں۔ اس سے اشتباہ ہوتا ہے کہ اصل زبان میں اس شاعر کی شیریں کلامی کی نسبت محققین اور نکتہ رس مصنفین اور ناقدین کلام نے کیا کیا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مگر خواجہ صاحب کے ان مختلف ایرادات سے یہ امر صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مدعا کے ثبوت میں جہاں جو لفظ چاہا استعمال کیا

زہیر بن ابی سلمی مزنی کے قصائد کو حولیات کہا جاتا ہے اس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ایک قصیدہ لکھ کر چار مہینے تک اسکی تہذیب و تنقیح کرتا تھا اور پھر چار مہینے تک اس پر غور کرتا تھا اس مرتبہ بھی اس کی نظر میں جو اسقام معلوم ہوتے ان کو دور کرتا اس کے بعد وہ اس قصیدہ کو اور چار مہینے تک اپنے ہم عصر شعرا کے سامنے بغرض ریویو پیش کیا کرتا اور جب اسطرح سے اس پر ایک سال گزر جاتا تو اسوقت وہ اپنے قصیدہ کو مشہور کرتا تھا۔

اس تہذیب و تنقیح سے یقیناً اس کے کلام میں سادگی۔ صفائی۔ شیرینی۔ اور گھلاوٹ پائی جاتی ہے مگر اس سے اسکا کلام اور دوسرے شعرا امرالقیس اور طرفہ وغیرہ سے صفائی سادگی وغیرہ صفات میں بہت زیادہ بڑھا ہوا نہیں ہے۔

مشہور ہے کہ فرزدق شاعر نے لبید کے اِس شعر کو سنکر سجدہ کیا تھا

وجلا السیول عن الطلول کانہا زبر تجد متونہا اقلامہا !!

مگر روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لبید نے اِس شعر پر بے انتہا غور و فکر کیا ہے ۔ +

شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے کلام کی نسبت خواجہ صاحب نے یہ نہایت کیا ہے کہ شیخ نے نہایت غور و فکر اور مدت دراز کی تہذیب و تنقیح کے بعد گلستان لکھی ہے ۔ ہم بھی اِس رائے سے متفق ہیں مگر اِسکی ساتھ ہم یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ محض غور و فکر اور تہذیب و تنقیح سے ہر شخص کا کلام صفائی اور سادگی نہیں پیدا کرتا بلکہ اُس میں طبیعت کے جوہر ذاتی کو بہت بڑا دخل ہے ۔

مجنوں کے ولولۂ عشق کے حالات سنکر ایک بادشاہ کو لیلیٰ کے حُسن و جمال کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا شیخ سعدی نے اُس واقعہ کو اِسطرح سے ادا کیا ہے ۔

"ملک را در دل آمد کہ جمال لیلیٰ مطالعت کند تا چہ صورت است کہ موجب چندیں فتنہ است پس بفرمودش طلب کردن و در اجیاء عرب بگردیدند و بدست آوردند و پیش ملک در صحن سرا بچہ بداشتند ملک در ہیئت او تامل کرد در نظرش حقیر آمد بحکم آنکہ کمترین خدم حرم او بجمال از و بیشتر بود و بزینت بیشتر مجنوں بفراست دریافت و گفت از دریچہ چشم مجنوں بایستے در جمال لیلیٰ نظر کردن تا سر مشاہدۂ او بر تو تجلی کند" (دیکھو اصفہانی حاشیہ)

اور پھر شیخ نے اِس کے بعد بطور نتیجہ کے یہ قطعہ موزون کیا ہے

!! ترجمہ کثرت بارش سے پانی کی لہروں نے ٹیلوں کے اندرونی آثار کو ایسا واضح اور نمودار کر لیا ہے جیسا کہ کتابوں کے من کے مٹے ہوئے حروف قلم کے دوبارہ پھیرنے سے صاف اور چمکدار ہو جاتے ہیں ۔

+ یہ کلیہ ثابت ہو گیا ہے کہ بلا غور و فکر سے شعر موزوں ہو گیا ہے ۔ ۱۲

تندرستاں را نباشد دردِ ریش — جز بہ دردے نگویم دردِ خویش
گفتن از زنبور بے حاصل بود — با یکے در عمر خود نا خوردہ نیش
تا ترا حالے نباشد ہمچو ما — قال ما باشد ترا افسانہ پیش

مگر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں اس واقعہ کو دو شعروں میں اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ اُس سے بہتر خیال میں نہیں آتا وہ فرماتے ہیں

گفت لیلی را خلیفہ کاں توی — گر تو مجنوں شد پریشان روئی
از دگر خواباں تو افزوں نیستی — گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی[1]

خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں شعر میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک خیال دوسرے الفاظ خیال تو ممکن ہے کہ شاعر کے ذہن میں فوراً ترتیب پا جائے۔ مگر اُس کے لئے الفاظ مناسب کا لباس تیار کرنے میں ضرور دیر لگے گی۔ یہ ممکن ہے کہ ایک معمار مکان کا نہایت عمدہ اور نرالا نقشہ ذہن میں فوراً تجویز کرلے مگر یہ ممکن نہیں کہ اُس نقشہ پر مکان بھی ایک چشم زدن میں تیار ہو جائے وزن اور قافیہ کی اوگھٹ گھاٹی سے صحیح سلامت نکل جانا اور مناسب الفاظ کے تفحص سے عہدہ برا ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے اگر ایک دن کا ایک گھنٹہ میں کیا جائیگا تو وہ کام نہ ہوگا بلکہ بیگار رہوگی"

ہمارے خیال ناقص میں معانی شعریہ کے ادا کرنے کے لئے مناسب الفاظ سے مرتب ہونیکی یہ مثال بھی ٹھیک نہیں ہے۔ جس شاعر اور ناثر کی طبیعت میں ملکہ شعر و نثر اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ اُس کے نزدیک معانی شعر و نثر کو الفاظ مناسب کیساتھ ترتیب دینا ایسا آسان اور سہل کام ہے کہ اُس کے لئے زیادہ غور و فکر کی حاجت نہیں جو ابھی اُس کے

[1] اسی مضمون کو نوری اصفہانی نے نہایت عمدہ پیرایہ میں باندھا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

مدعے گفت بلیلیٰ بہ طعن — رو کہ چنیں چابک و موزوں
لیلیٰ ازیں حرف بخندید و گفت — با تو چہ گویم کہ تو مجنوں نۂ

عبدالباسط

آئینۂ خیال میں معانی کی صورتیں عکس پذیر ہوتی ہیں وہیں ہی وہ انکو الفاظ مناسب کا نہایت موزوں اور نفیس لباس پہنا دیتا ہے۔

جن کاریگروں کو کسی فن میں کامل اور فطری ملکہ ہوتا ہے وہ اپنی صنعت کا نمونہ نہایت قلیل عرصہ میں ایسا نفیس اور پاکیزہ تیار کر دیتے ہیں کہ دوسرا کاریگر جس کی طبیعت میں اُس کا ملکہ موجود نہیں ہوتا مہینوں اور برسوں کی محنت میں بھی اُس نمونہ کے برابر تیار نہیں کر سکتا۔

ہمکو اس موقع پر چند مثالیں دینی مناسب اور کافی معلوم ہوتی ہیں جس سے آمد اور آورد کا فرق کسیقدر وضاحت سے ذہن میں آسکتا ہے

۱۔ پانی کو کتنا ہی فلٹر کیا جاے مگر وہ اُسقدر صاف اور شفاف نہیں ہو سکتا جیسا کہ بارش کا پانی صاف اور شفاف ہوتا ہے۔

۲۔ ایک بڑا روز سے بہتا ہوا دریا جس میں کچھ خس وخاشاک بھی ہو اُس کے پانی کو گدلا اور ناصاف نہیں کہا جا سکتا اور ایک چھوٹی سی نہر جسکا پانی بہت کم مقدار میں بہتا ہے اور بعض مقامات پر اُسکا پانی ریت یا دوسرے ارضی مادوں سے صاف ہو کر بہتا ہے مگر اسکے چل کر وہ دوسرے سڑے پانی میں جا کر مل جاتا ہے اُسکو صاف نہیں کہا جا سکتا ہے۔ حالانکہ بڑے دریا کا پانی کہیں کہیں گدلا ہوتا ہے اور چھوٹی نہر کا پانی کہیں صاف بھی ہوتا ہے۔ مگر اول کو مطلقاً گدلا اور ثانی کو مطلقاً صاف نہیں کہا جا سکتا۔

۳۔ باغ میں صدہا پودے ہوتے ہیں جن کی نگہبانی اُصول باغبانی پر کیجاتی ہے۔ مالی ہر وقت اُنہیں پانی دیتا ہے اور اُن کے مناسب کھاد بھی دیجاتی ہے اور اُن کی شاخوں کو کانٹ چھانٹ کر سڈول اور موزوں بھی بنایا جاتا ہے۔ تاہم اُن میں بہار۔ وہ شادابی اور وہ موزونیت نہیں پیدا ہوتی جو ایک جنگلی پودے میں نیچر کی

پرورش ہوتی ہے۔

۴۔ ایک معمولی آدمی کو کتنا ہی زیور اور کیسے ہی نفیس اور عمدہ خوش رنگ اور خوش وضع لباس پہنا دیجائیں وہ اُس شخص کے حسن کے مقابلہ میں نہایت بھونڈا معلوم ہوگا جس کے جوڑ بند رنگ و روپ اور قد و قامت کو قدرت نے بے انتہا موزوں اور خوش رنگ اور حسین پیدا کیا ہے ایسے شخص کو کیسے ہی پرانے پھٹے اور میلے کچیلے کپڑے پہنائیں مگر دیکھنے والوں کی نظر میں اُس کے حسن اور خوبصورتی کا جلوہ نظر آئیگا۔

۵۔ جو لوگ خطاطی سے واقف ہیں وہ بہ نسبت اساتذہ کے قطعات اور مرقعوں کے انکی مشق کی وصلیوں کو نہایت شوق اور جستجو سے فراہم کرتے ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ اول تو ایسی مشق سے قلم کی گردش معلوم ہوتی ہے۔ جس پر خطاطی کا دارومدار ہے۔ دوسرے اس میں اس سے بھی زیادہ کارآمد بات یہ ہوتی ہے کہ اس میں خوشنویس کے ہاتھ سے بعض حروف اور الفاظ بے تکلف ایسے خوبصورت اور باقاعدہ نکل جاتے ہیں جو اس خوشنویس کے پچاس قطعات اور مرقعوں میں بھی نہیں ہوتے جن کو اُس نے نہایت احتیاط سے بنا بنا کر لکھا ہے اور نقاش نے اُن کو منقش اور مطلا کر کے رونق بڑھایا ہے۔

پس یہی حال شاعر اور ناثر کے کلام کی آمد کا ہے۔

المرقوم ۱۰ خرداد ۱۳۱۰ھ سید جلال غفرلہ ولوالدیہ

بقیہ مضمون ضعیف الاعتقادی

دوسرے دغاباز حضرت کیمیاگر ہیں جو ہمیشہ سونے کی چڑیا کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جہاں کوئی گانٹھ کا پورا اور آنکھوں کا اندھا نظر آیا ایسا مکر کا جال پھیلایا کہ بس پھانس ہی لیا۔ خود تو بھیک مانگتے ہیں مگر لوگوں کو دولتمند بنا دیتے ہیں۔ تمام عمر زر کی ہوس میں رہے مگر آخر خالی ہاتھ۔ جنگل جنگل کی بوٹیاں تلاش کیں انجام وہی ڈھاک کے تین پات۔ ہزاروں دولت مندوں کو ان مکاروں نے تباہ کر دیا مگر جب دیکھو ایک آنچ کی کسر رہگئی۔ اگر کیمیاگر سونا بنانا جانتے ہیں تو پھر دوسروں کے پاس اُن کو جانے کی کیا ضرورت۔ چنانچہ کسی انگریزی کتاب میں لکھا ہے کہ زار روس کے پاس ایک شخص آیا اور کیمیاگری کا ادعا کر کے قدردانی کا طالب ہوا شاہ نے یہ بات سنکر بہت خوشنودی ظاہر کی اور اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ چند خالی صندوق ان کے حوالے کئے جائیں اس لئے کہ مال و دولت کی تو ان کو حاجت نہیں ہے یہ خود سونا بنانا جانتے ہیں البتہ اُس کی حفاظت کے لئے چند خالی صندوقوں کی ضرورت ہے۔ کیمیاگر اس بات سے نہایت شرمندہ ہوا اور چلا گیا۔

ہر عقلمند کو یہ بات سمجھنا چاہیئے اور ان دغابازوں کے ہتکنڈوں سے بچنا چاہیئے کیمیا دراصل وہی ہے جو اسوقت دانایان فرنگ بناتے ہیں یعنے روپیہ کے لوہے سے دو روپیہ کماتے ہیں اگر کوئی کیمیاگری کا طالب ہے تو وہ اس فن کو حاصل کرے غرض یہ ساری مکاریاں بے ہنری کا نتیجہ ہیں **اعوذ باللہ من الغباوۃ والبغاوۃ**۔

تیسرے حضرت ملاجی ہیں انکا تو باوا آدم ہی اور ہے ع این زمین را آسمانے دیگر است - یہاں تو مال کے ساتھ ایمان کھویا جاتا ہے یہ آدمی کا بیکو ہیں سارے شیطانوں کے پیرو مرشد ہیں ان کے چھو منتر جھاڑ پھونک سے ابلیس کانپتا ہے - جن بھاگتا ہے - گوگا پیر کا پیشاب خطا ہوتا ہے - پریوں کے پر جلتے ہیں شیخ سدو پران کے وار چلتے ہیں جس شیطان کو چاہیں جلا دیں جس کو چاہیں دایم الحبس کردیں - غرض یہ ثانی سلیمان ہیں دیو بھوت سب ان کے تابع فرمان ہیں جس کے گلے میں گنڈا پہنایا حیات کی ڈوری دراز ہوگئی بازو پر تعویذ باندھا موت ٹل گئی جسمیں چاہا محبت کروادی عداوت ڈلوادی - جسپر چاہا جادو چلا دیا جسکو چاہا بگاڑ دیا جس کو چاہا بنا دیا بانجھ کو اولاد دیدی کنواریوں کی شادی کروادی بے روزگاروں کو روزگار سے لگا دیا غرض سب کچھ ان کے اختیار میں ہے لیکن آپ سے پانچ پیسے فال کے ضرور رکھوالینگے ذرا سے غور و تامل سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب تمام شیطان ان کے تابع فرمان ہیں تو اُن کو لوگوں پر سے صدقہ اوتار کر کھانیکی کونسی ضرورت ہے جس جگہ سے جو چاہیں منگوالیں کمی کس چیز کی اور روکنے والا کون غرض یہ لوگ ٹٹی کے آڑ شکار کرتے ہیں اور ہم اپنے ضعف عقیدت اور واہمہ کی بدولت گرفتار ہیں واہمہ سخت بلا ہے چنانچہ کسی ڈاکٹر نے راہ کے امتحان کے لئے ایک مجرم واجب القتل سے کہدیا کہ اُس کے تمام جسم کا خون کسی دوا کیواسطے لیا جاتا ہے اور اس طرح اسکو موت کی سزا دیجاتی ہے یہ کہکر اسکی آنکھوں پر پٹی باندھدی اور جسم میں ایک سوئی چبھو کر کسی ظرف کی باریک ٹونٹی سے اُس زخم کے نیچے نیم گرم پانی ڈالنا شروع کیا اسطرح سے کہ اُسپر ثابت ہوگیا کہ اُس کے جسم سے تمام خون نکل کر بہ رہا ہے

اسکا ایسا اثر ہوا کہ تھوڑی دیر میں وہ مرگیا اور سمجھا کہ اُس کے جسم کا تمام خون لے لیا گیا۔ حالانکہ دو چار قطرے بھی نہ نکلے تھے۔

ایک اور شخص کا ذکر ہے کہ شب کے وقت ایک ٹاٹ کا تھیلا سمجھ کر اُسی طرح تکلے میں سُتلی پروئی ہوئی چھوڑ کر سو گیا شب میں کسی ضرورت سے اٹھا اتفاقاً وہ تکلا اُس کے پاؤں میں چبھ گیا نظر جو کی تو اندھیرے میں سُتلی رسی معلوم ہوئی سمجھا کہ سانپ نے کاٹا بس یہ سمجھنا ہی تھا کہ تمام آثار گزیدہ کے اُس میں پیدا ہو گئے گر پڑا اور منہ سے کف نکلنے لگا قریب تھا کہ ہلاک ہو جائے بڑی مشکل سے جب لوگوں نے اُسپر یہ بات ثابت کر دی کہ وہ سانپ نہ تھا رسی تھی جب کہیں جا کر سنبھلا۔

اور ایک شخص کا قصہ مشہور ہے کہ کسی پرخوف مقام میں نصف شب کو اکیلا جا کر زمین میں میخ گاڑنے کی شرط کی تھی جب جا کر میخ ٹھونک دی تو اتفاقاً اندھیرے کے سبب سے اُس کے دامن پر وہ میخ ٹھک گئی جون ہی یہ اٹھا معلوم ہوا کہ کسی نے اُسکا دامن پکڑ لیا ہے فوراً گر کر مر گیا افیونیوں کو اکثر افیون نہ ملنے کی صورت میں لوگوں نے میل کچیل کھلا دیا واہمہ سے وہی نشہ کا اثر ہوا ایسے صدہا واقعات ہیں جو ضعف عقیدت اور واہمہ کی بدولت ظاہر ہوئے ہیں۔ انسان کو اعتقاد درست رکھنا چاہیئے ادعیہ ماثورہ تو ہر مسلمان پڑھ سکتا ہے اسمیں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ ادعیہ کسی کے لئے ذریعہ معاش نہیں ہو سکتے جو شخص پیسے لیکر دعا پڑھے وہ بھروسے کے قابل نہیں ہے یہ تو خالصاً للہ ہونا چاہیئے جبھی اثر کی امید ہو سکتی ہے جب یہ بات نہیں ہے تو دعا کے پردے میں دغا ہے۔ غرض اِن تمام مکاریوں کا سرچشمہ بے ہنری ہے اور راحت طلبی جب گھر بیٹھے بکرے مرغ قورمہ قلیہ پلاؤ زردہ ملجاتا ہے تو پھر محنت کی کیا ضرورت۔

مسدس

جسکو آتا نہیں دنیا میں کوئی علم و ہنر — کیمیا ساز ہیں یا بیٹھے ہیں عامل بنکر
اور نادانوں کو یہ بات ہے بالکل باور — کوئی اِن دونوں سے دنیا میں نہیں ہے بہتر
ایک تو خاک کو اکسیر بنا دیتا ہے
ایک قسمت کے نوشتہ کو مٹا دیتا ہے

عالموں سے نہیں عالم میں کوئی فاضل تر — اِنکا سینہ ہے نجوم اور رمل کا دفتر
اِن کے تعویذ میں تاثیر دعا میں ہے اثر — اِنکے قبضہ میں ہر اک شخص کا ہے نفع و ضرر
اِنہیں کے تابع فرماں ہیں شیاطیں سارے
توڑ لاتے ہیں جو یہ چاہیں تو فلک کے تارے

کیمیا سازوں کی نسبت جہلا کا ہی خیال — مثل اِن کے نہیں عالم میں کوئی اہل کمال
ہیں غنی انکی نظر میں نہیں قدر زر و مال — یہ جسے چاہیں ابھی دم میں کریں مالا مال
یہ کریں مس کو طلا خاک کو کر دیں اکسیر
یہ تونگر کریں محتاج کو مفلس کو امیر

فی الحقیقت ہے سراسر یہ غلط سارا خیال — غور سے دیکھو تو کھلجائیگا انکا سب حال
کیا بتائینگے کسیکو یہ بھلا کھول کے فال — نہیں معلوم ہے اِنکو تو خود اپنا احوال
رب کعبہ کی قسم کہا کے پیمبر نے کہا
عالم الغیب نہ سمجھو ہے نجومی جھوٹا

یہ جو عامل ہیں سراسر ہیں سب زہد نما — اِنکی تسبیح میں ہے رشتۂ زنار چھپا
نقش باطل ہے یہ تعویذ نہیں ہے اِنکا — ہیں یہ مکار زباں پر ہے دعا دل میں دغا
کب کسی شخص سے یہ رفع ضرر کرتے ہیں
خود مصیبت میں جو یہ اپنی بسر کرتے ہیں

کیمیا ساز ہیں یکتائے فن عیاری — دام تزویر ہے سب انکی ملمع کاری

گر کسوٹی ہو تو کھلجائیگی قلعی ساری ہیں یہ محتاج اسیر مرض ناداری
یہ تو سمجھو کہ بنا سکتے ہیں گر نقرہ و زر
کسلئے کرتے ہیں یہ بھیک کے ٹکڑوں پہ گزر

ان خطا کاروں سے محفوظ رہے گر انساں دین و ایمان و زر و مال کا ہو پورا نہ زیاں
اسکی اکسیر ہے خاک اسکا عمل ہے بیداں ہے وہ قارون کا پیرو یہ مرید شیطاں

لمعہ عاقل کو ہے لازم کہ خبردار رہے
یہ دغا باز ہیں ان دونوں سے ہشیار رہے

لمعہ

غزل

ہائے کیا کیا مٹ گئیں مٹ جانیوالی صورتیں پھر رہی ہیں میری آنکھوں میں خیالی صورتیں
جبکہ ہو سکتی نہیں دنیا سے خالی صورتیں پھر یہ کیوں پیدا ہوئی تھیں مٹنے والی صورتیں
میری آنکھوں کی خطا ہے یا مٹا دنیا کا حسن جسطرف دیکھو نظر آتی ہیں کالی صورتیں
اسکی صورت کے مشابہ ایک بھی نکلی نہیں سیکڑوں ہمنے بنا ڈالیں مثالی صورتیں
دیدۂ باطن سے دیکھو صنع نقاش ازل ایک ہی خاکے سے کھنچتی ہیں نرالی صورتیں
سادگی ڈھاتی ہے آرائش سی بھی بڑھکر ستم موہ لیتی ہیں دلونکو بھولی بھالی صورتیں
ایک بھی صورت کسیصورت نہ نکلی وصل کی یوں تو سوچھیں سیکڑوں ہمکو دھوکا دیں صورتیں
ہوگئیں بیکار آخر انکی ضد کے سامنے سوچی سمجھی جانی بوجھی دیکھی بھالی صورتیں
کسکی صورت سے تری تصویر کو تشبیہ دوں رنگ اصلی پا نہیں سکتیں خیالی صورتیں
کوئی تو صورت نکال اے ایدل تلاش یار کی رہ نجھتا بیٹھیگا کبتک احتمالی صورتیں

مارے دہشت کے نکل جاتا ہے بازغ دم مرا
دیکھکر شب ہائے غم کی کالی کالی صورتیں

بازغ

حکیم الاشراق شیخ شہاب الدین مقتول

شیخ مقتول کے حالات مورخین نے جس قدر بیان کئے ہیں ان میں اختلاف ہے ہم اس جگہ شیخ کے حالات کا قدر مشترک بیان کرتے ہیں۔

شیخ شہاب الدین یحیی ابن حبش جنکی کنیت ابو الفتح اور جنکا لقب علمی دنیا میں شیخ الاشراق ہے سہروردمیں پیدا ہوئے۔ انکی تعلیمی حالت یہ بیان کیگئی ہے کہ مکتب میں کچھ پڑھنے لکھنے کے بعد ان کو اصحاب سلوک و مراقبہ کی ملاقات اور ہمنشینی کا شوق ہوا۔ شیخ کی فطرت چونکہ عالی اور اہل التقوی سے اُن کو مناسبت روحانی تھی۔ چند روزہ مصاحبت میں شیخ کو ریاضات و مجاہدات نفسانی کا شوق ہو گیا صوفیہ کے اُصول کے موافق شیخ نے اُن اعمال کی جو تصفیہ و تزکیہ باطن کے باعث ہیں ریاضت شروع کی۔ رفتہ رفتہ شیخ کو ترقی ہونے لگی۔ تا آنکہ شیخ کا دل انوار غیبی اور فیضان الٰہی میں مستغرق ہو گیا اور وہ پیچیدہ ہوئے بھید جنکی دریافت سے عقل انسانی عاجز تھی شیخ پر ظاہر ہونے لگے اور وہ باریک رموز جن میں حکماء متقدمین الجھے ہوئے تھے۔ شیخ پر منکشف ہونے لگے

شیخ بچپن ہی میں اپنی ذہن خداداد اور عالی فطرتی کی وجہ سے فضلاء عصر کا مرجع بنا ہوا تھا۔ چنانچہ ہیاکل النور اور کتاب الواح اسکے بچپن کے تصانیف ہیں۔ یہ مضمون دقیق اور مشکل ہونے کی وجہ سے علماء محققین ان کے حل و تفسیر کیطرف متوجہ ہوئے جن میں سے محقق دوانی نے ہیاکل النور پر ایک معرکۃ الآرا شرح لکھی ہے۔ غرض شیخ کے ریاضات اور علوم نے اسکو موید بالملکوت اور شیخ الاشراق کے لقب سے مشہور کر دیا۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ شیخ نے مراغہ میں جو آذربائیجان کے مضافات سے ہے شیخ مجد الدین جیلی سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی ہے بہرحال بقول صاحب عیون الانبا اور ابن خلکان کے شیخ علوم حکمت اور فلسفہ میں بہت بڑا حکیم تھا اور اصول فقہ اور

علم کلام وغیرہ میں امام اور اپنے زمانہ کے علماء میں یکتا اور اپنی بیمثل ذکاوت سے اپنے ہمعصروں میں ممتاز مانا جاتا تھا۔

شیخ کا بیان نہایت بلیغ ہے اور عبارت بہت فصیح اگرچہ شیخ الاشراق نے حکمت و فلسفہ وغیرہ میں نوت اماسہ و اجتہاد پیدا کی تھی۔ تاہم یونانی فلسفہ پر کفایت نہیں کی۔ بلکہ حکماء فارس و ہند کے فلسفی خزانوں کا بھی پورا اجازہ لیا اگر غور کیا جاوے تو یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ شیخ کو حکماء متقدمین کے عام خیالات پر پورا عبور تھا۔ علماء مجوس کی رایوں پر شیخ کو سخت اعتراضات تھے۔ حادمانی بابلی مجوسی النسل اور نصرانی المذہب اور فرقہ ثنویہ کا پیشوا تھا شیخ نے اسکے اصول سے اختلاف کیا اور اسکو اپنے دلائل سے توڑ دیا ہے اور نور و ظلمت کے مسئلہ کی سخت تردید کی۔ چنانچہ شیخ نے حکمۃ الاشراق میں یہ لکھا ہے وہی لیست قاعدۃ کفرۃ المجوس والحادمانی وما یقضی الی الشرک باللہ تعالیٰ و منکرہ خلاصہ یہ کہ شیخ کا اشراقی فلسفہ حادمانی اور مجوسیوں اور مشرکین کے قواعد پر مبنی نہیں ہے بلکہ شیخ نے اپنے فلسفہ کی بنیاد اساطین حکماء کے اقوال اور صوفیہ کے اصول پر رکھی ہے۔ شیخ کو نور و ظلمت کے مسئلہ میں حکماء مجوس مثلاً ہاسپ وغیرہ اور حکماء ہند سے سخت اختلاف تھا۔ شیخ کے بعض رسالوں سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ قبائح و شرور کو شیخ ہیولیٰ کیطرف منسوب کرتا ہے۔ جیسا کہ بعض حکماء متقدمین مثلاً انکساغورث اور جیم راکلوس کا مذہب تھا۔

شیخ کو اصول مسائل اسلام سے کسی قسم کی مخالفت نہ تھی بلکہ وہ پکا مسلمان تھا ذات و صفات باری۔ خیر و شر۔ سعادت و شقاوت۔ وجود ملائکہ و کتب سماویہ کے متعلق اس نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اسکی دینداری کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ اس کو مسئلہ حشر و نشر کا بھی اعتراف ہے۔ چنانچہ حکمۃ الاشراق میں اس نے لکھا ہے وبہ تحقق بعث الاجساد اس مسئلہ کو شیخ نے

بہت ہی تشریح و توضیح کیساتھ لکھا ہے شیخ کو اخروی لذات و آلام سے انکار نہ تھا چنانچہ حکمۃ الاشراق میں ذکر کیا ہے **وتحقق جمیع مواعید النبوۃ من تنعم اہل الجنان وتعذب اہل النیران بجمیع انواع اللذات واصناف الآلام الجسمانیۃ** شیخ نبوات وانبیا اور ان پر نزول ملائکہ کا مصدق ہے بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ انبیا اور اولیا پر مغیبات کا اظہار کیا جاتا ہے چنانچہ یہ ذکر کیا ہے **یتلقی الکاملون من المغیبات ویتلقی الانبیاء والاولیاء وغیرہم فانہا قد تروعلیہم فی اسطر مکتوبۃ وقد تروبکماع صوت** یعنے انبیاء اور اولیاء پر مکتوبہ سطور پیش ہوتے ہیں یا اُن کو آواز کے ذریعہ سے امر غیب کی اطلاع ہو جاتی ہے اطلاع کے متعدد طریقے ذکر کئے ہیں۔ وحی کے مسئلہ میں شیخ کا ایک مستقل رسالہ ہے اور مطارحات میں بھی اسکی تفصیل کی ہے شیخ کو جن اور شیاطین کے وجود سے انکار نہیں ہے بلکہ اُن کے لئے صورت مثالی ثابت کی ہے۔

شیخ اس بات کا معتقد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شارع عرب وعجم ہیں اور آنحضرت صلعم کے مشفع ہونیکا قائل ہے معجزات وکرامات سے شیخ کو انکار نہیں ہے شیخ نے حکمۃ الاشراق کے اخیر میں جہاں وصیت کی ہے یہ بیان کیا ہے کہ موت کا ذکر کرنا نہایت ضروری چیز ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ انسان آسمانی کتابوں کو پڑھا کرے۔ اور غذا میں کمی کرے اور زیادہ جاگتا اور اللہ کی جناب میں تضرع وزاری کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جبروت وجلال کا ہمیشہ تصور رکھے اور سچے اور پاک دل سے اُس کی بارگاہ کیطرف متوجہ ہو جاے۔ اِس سے اُس کے دل پر مسرت وابتہاج کے انوار کا فیضان ہو جائیگا۔

صفات باری کے مسئلہ میں شیخ الاشراق نے اشراقین کا تتبع کیا ہے وجود وحیات کو شیخ نے اپنے اصول کے بموجب نورانیت سے تعبیر کیا ہے۔ علم باری شیخ کے پاس نور وانکشاف ہی کا نام ہے اِس صورت میں شیخ اشراق کو یہ ضرورت نہیں پڑتی کہ وہ علم جزئیات کا انکار کرے۔ ذات باری تعالیٰ کو ہر جہت سے

غنی مطلق ثابت کرتا ہے۔ اشیا کا فاعل و خالق شیخ کے اعتقاد میں اللہ تعالیٰ ہے تاآنکہ شیخ نے تشکل و تصویر اجسام کو بھی اللہ تعالیٰ کے فعل کیطرف منسوب کیا ہے۔

شیخ الاشراق کے فلسفی تصانیف سے صاف یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اُسکو ارسطو طالیس کے اکثر اصول فلسفیہ سے سخت اختلاف تھا اگرچہ شیخ نے اپنی کتابوں میں ارسطو کے مسائل ترتیب وار ذکر نہیں کیے ہیں تاہم جس طور پر ان کا ذکر کیا ہے بغیر اعتراض و مواخذہ نہیں چھوڑا ہے۔ حکمۃ الاشراق اگرچہ بظاہر فلسفہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں یہ کتاب فلسفۂ ارسطو کا رد ہے یا اس کے فلسفہ کو کمزور کر دینے والی ہے اگرچہ اصول منطقیہ میں شیخ نے ارسطو طالیس سے زیادہ اختلاف نہیں کیا ہے تاہم بعضے مسائل مثلاً مسئلہ تحدید و فصل وغیرہ میں ارسطو کی راے سے بیحد مخالفت کی ہے وہ بیان کرتا ہے کہ حقایق اور انواع کی تحدید اُن کے اوصاف ذاتی و عوارض ذاتی سے ہو جاتی ہے لہذا تحدید اشیا کے لیے فصول ذاتیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ جس جگہ شیخ نے ارسطو پر فصول اشیا میں مواخذہ کیا ہے۔ اُس جگہ یہ بحث بھی کی ہے کہ یہ ضرورت نہیں ہے کہ جواہر کے فصول جواہر ہی ہوں بلکہ جایز ہے کہ اعراض ہوں چنانچہ سریر کی حقیقت چند لکڑی کے ٹکڑے اور ہیئت سریر کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔

تشکیک کے مسئلہ میں بھی اُس کو بحث ہے وہ کہتا ہے کہ جو ہریت جسطرح عالم عقلی میں موجود ہے عالم جسمانی میں اسطرح موجود نہیں ہے مثلاً حیوانیت اور اس کے توے کے آثار بعض حیوانوں میں زیادہ اور بعض حیوانوں میں کمتر ہیں۔ دراصل شیخ کی یہ راے ارسطو کی راے کے مخالف ہے کیونکہ ارسطو اس امر کا معترف ہے کہ اشیا کے ذاتیات میں تشکیک نہیں ہے۔ حکماے فارس نے بھی ارسطو کی راے سے مخالفت کی ہے اور اساطین حکما مثلاً اسناذقلس اور افلاطون الٰہی کا بھی یہی خیال ہے کہ عالم اجسام میں جو

اشیا ہیں وہ ان اشیا کے معلول ہیں جو عالم عقلی میں موجود ہیں جب جسمانیات معلول ہیں اور عقلیات ان کی علت تو ضرور ہے کہ ان دونوں کی جوہریت میں بھی یہی نسبت ہوگی۔ شیخ کا بھی یہی خیال معلوم ہوتا ہے۔

طبیعیات و الٰہیات میں ارسطو سے شیخ نے اکثر مخالفت کی ہے اور بصاف و صریح اعتراضات کئے ہیں جن کا جواب ارسطو اور اس کے مقلدین سے نہیں بن پڑتا۔ صاحب عیون الانبا نے بیان کیا ہے کہ شیخ الاشراق کو طلسمات و نیرنجات میں بھی کمال حاصل اور ایسی ایسی باتیں اس سے صادر ہوتی تھیں کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ شیخ الاشراق دمشق کے باہر ٹہل رہے تھے اکیلے یعنے دوستوں اور شاگردوں نے جو ان کے ساتھ تھے شیخ سے طلسمات و نیرنجات کا ذکر کیا اور ان کے دیکھنے کا شوق ظاہر کیا۔ شیخ نے توجہ کی اور اپنے ہمراہیوں کے خیالات پر ایسا اثر ڈالا کہ یک بیک انکے آگے جہاں کوئی عمارت و آبادی نہ تھی خوش نما اور خوبصورت عمارتیں دکھائی دینے لگیں۔ ہرے بھرے درخت۔ رنگ برنگ کے پودے نظر آنے لگے ناظرین دنگ رہ گئے۔ غرض شیخ نے جبتک توجہ رکھی اس طلسمی آبادی سے ناظرین محظوظ ہوتے رہے اور جب اپنی توجہ کا اثر زائل کر دیا تو اس کا دکھانا دینا موقوف ہو گیا شیخ کی یہ حکایت بھی مشہور ہے کہ ایک ترکمانی ہمراہ چرا رہا تھا شیخ کے ہمراہیوں نے بکری خریدنی چاہی مگر پیسے پاس نہ تھے۔ شیخ نے کہا کہ میں ترکمانی سے باتیں کرتا رہتا ہوں تم بکری لے لو اور قیمت پھر لا دینا ادھر شیخ ترکمانی سے باتوں میں مصروف ہوئے ادھر ہمراہیوں نے بکری لیلی اور چلدے۔ شیخ جب رخصت ہونے لگے تو ترکمانی نے شیخ سے بکری کی قیمت مانگی۔ شیخ نے اس کی جانب توجہ نہ کی اس پر اس نے شیخ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا جسکے ساتھ ہی ہاتھ مونڈھے سے علیحدہ ہو کر گر پڑا۔ ترکمانی گھبرا کر الٹے پاؤں بے تحاشا بھاگا۔ شیخ نے ہاتھ اٹھا لیا اور چلے آئے۔ جب لوگوں نے

دیکھا تو شیخ کے کاندھے پر رومال تھا۔ غرض شیخ کو فنون غریبہ میں بڑا دخل تھا سچ تو یہ ہے کہ شیخ جب صاحب اشراق تھا تو اس سے ایسی باتوں کا ہونا کچھ بعید نہیں شیخ الاشراق باوجود اس کے کہ وہ فیلسوف کامل تھا۔ دینیات میں بھی اسکو پورا دخل تھا۔ اصول فقہ میں اُسکو کامل دستگاہ تھی۔ مگر چونکہ محقق تھا احناف وشوافع کا مقلد نہیں معلوم ہوتا اس علم میں کتاب لفحات اُسکی مشہور کتاب ہے شیخ نے معراج رسول اللہ کے بیان میں بھی ایک مختصر فارسی رسالہ لکھا ہے جسکو میں نے بھی دیکھا ہے اس رسالہ میں شیخ نے احادیث معراج کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور اُن کی مختصر شرح بھی لکھی ہے اگرچہ احادیث کی تفسیر میں تاویل کی ہے تاہم اُسکو معراج رسالت مآب سے انکار نہیں ہے علم تصوف میں شیخ کو ید طولیٰ تھا خطرات رحمانیہ میں اُس نے ایک کتاب لکھی ہے اور اُسکا نام البارقات الالٰہیہ رکھا ہے۔ اُصول صوفیہ سے بھی شیخ کو اختلاف نہیں ہے بلکہ شیخ وہی باتیں بیان کرتا ہے جو اُن کے مسلمات ہیں نور وجود کے مسئلہ میں شیخ الاشراق کی تحقیقات شیخ اکبر محی الدین عربی کے خیالات سے کم نہیں ہیں۔ شیخ خرقہ صوفیانہ میں بسر کرتا تھا۔ بحسب ظاہری کی اُس کو پروا نہ تھی وہ اپنے پھٹے پرانے کپڑوں میں مست رہتا تھا۔ شیخ جب ملک الظاہر کے دربار میں پہونچا تو اُس سے اکثر فقہا ومتکلمین نے مناظرہ کیا شیخ چونکہ علم وکمالات کا دریائے موج زن تھا فقہا ومتکلمین کو اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا پڑا۔ جب حکمت نظریہ میں تقریر کرتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ نکات واسرار کا دریا بہ رہا ہے۔ یا افلاطون الٰہی سے کہ حکمت وفلسفہ کے خزانوں کو بید یغ لٹا رہا ہے صاحب عیون الانباء لکھتے ہیں کہ شیخ فخر الدین ماردینی جو شیخ کے معاصر فاضلوں میں سے تھے شیخ کی اس اعلیٰ جودت اور اخلاقی جرأت سے سخت اندیشہ ناک رہتے تھے اور اکثر کہتے تھے کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ شیخ کی یہ جرأت اور فلسفی خیالات کہیں جہلا کو شیخ کی ہلاکت پر آمادہ نکر دیں بالآخر وہی بات

پیش آئی جو شیخ فخر الدین کا خیال تھا۔

حکمۃ الاشراق میں شیخ الاشراق نے مسئلہ تناسخ میں تفصیلی بحث کی ہے اور حکمائے متقدمین کے مذہب کی توضیح میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ چنانچہ اسکا خلاصہ یہ ہے کہ حکیم یوذاسف جو فیلسوف ہندی یا بابلی تھا اور اس کے پہلے بابل و فارس و ہند و چین میں جو مشرقی حکما گزرے ہیں ان کا یہ خیال تھا کہ نفوس ناطقہ کا انتقال ایک جسم سے دوسرے جسم میں درست ہے کیونکہ نفس ناطقہ زندۂ جاوید ہے تو اپنے کمالات و ملکات کے اظہار کا عام از نیکہ وہ فضائل ہوں یا رذایل زیادہ تر مشتاق ہے۔ چونکہ اس کے کمالات و ملکات بغیر آلات کے صادر نہیں ہوتے اسلئے ابدان کا بھی عاشق ہے پس ابدان کے ذریعہ سے جو درحقیقت اس کے آلات اور اس کے خادم ہیں اپنے کمالات و ملکات کے اظہار میں اس کو کامیابی ہوتی ہے مگر بدن کی ترکیب ایسی واقع نہیں ہوئی ہے جو ہمیشہ نفس ناطقہ کی خدمت کر سکے بلکہ ایک خاص وقت میں اسکی تحلیل ہو جاتی ہے اور ایسی بگڑ جاتی ہے کہ نفس اسکے تعلق سے خود تنگ آ جاتا ہے تا آنکہ اس سے علیحدہ ہو کر دوسرے بدن سے متعلق اور اپنے چھپے ہوئے کمالات و ملکات کے اظہار میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اگر وہ سعید ہے تو پاک صورتوں میں منتقل ہو جاتا ہے اور اگر شقی ہے تو ناپاک ابدان میں داخل ہو جاتا ہے۔ مگر ان انتقالات میں یہ تصریح کی ہے کہ نفس ناطقہ بدن حیوانی میں منتقل ہونے کے بعد صورت نباتی یا جمادی میں منتقل نہ ہوگا کیونکہ اس انتقال کی وجہ سے نفوس ناطقہ معطل اور بیکار ہو جائینگے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ نفوس حیوانی ابدان انسانی میں انتقال کر سکیں کیونکہ بدن انسانی جس کی خلقت کمال کو پہنچ گئی ہے نفس حیوانی کا آلہ اور خادم نہیں بن سکتا۔ اشراقین نے اسی رائے کو تسلیم کیا ہے۔ حکمائے ہند اور ہند کے اوتاروں کا اس خیال سے مخالفت ہے۔ سقراط و فیثاغورس۔ انباذقلس و اغاثاذیمون و ہرمس و افلاطون اور اکثر متاٴخرین کا یہ خیال ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف

انتقال ہوا کرتا ہے مگر انتقالات کے تعدد میں انکو اختلاف ہے بعضوں کا یہ بیان ہے کہ نفس انسانی فقط بدن حیوانی میں منتقل ہوتا ہے یہ رائے افلاطون کی رائے سے ملتی جلتی ہے۔ بعضوں کی یہ رائے ہے کہ نفس انسانی بدن حیوانی و نباتی میں منتقل ہوتا ہے اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ نفس انسانی بدن حیوانی و نباتی و جمادی میں منتقل ہوتا ہے بعض حکمای اسلام نے بھی تناسخ کا اعتراف کیا ہے اور اس پر آیات منزلہ سے استدلال کیا ہے چنانچہ آیت کلما نضجت جلودہم بدلناہم جلودا غیرہا جلودہم اور کلما ارادوا ان یخرجوا منہا اعیدوا فیہا

یعنے جب کبھی انکی کھال جل کر خراب اور گرندہ ہو گی ہم نے دوسرے چمڑوں میں انکو بدل دیا۔ اور جب کبھی انہوں نے آگ سے نکلنا چاہا ہمنے انکو دوبارہ آن میں داخل کر دیا۔

اور آیات مسخ سے بھی اس پر استدلال کیا ہے اکثر حکمای پیشین نے اس رای کو اختیار کیا ہے بلکہ ارسطوطالیس نے بھی جو پہلے ابطال تناسخ کا قائل تھا اخیر میں اپنے استاد افلاطون کے اقوال کیطرف رجوع کیا ہے۔

مگر شیخ الاشراق نے تناسخ کا انکار کیا ہے اس کی تلخیص یہ ہے کہ نفس ناطقہ جب بدن انسانی سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو دو حال سے خالی نہو گا۔ یا فطرۃً سعید ہو گا یا شقی۔ اگر وہ سعید ہے تو وہ روحانی اشراقات سے خود منور ہے اسکو ابدان ظلمانی سے تعلق ہو جانا دور از عقل ہے اور اگر وہ شقی ہے تو دوسرے ابدان انسانی میں نقل کرنے سے اس کی فطری شقاوت کا بدل جانا دشوار بلکہ محال ہے۔ جسم حیوانی میں اس وجہ سے اس کا انتقال ناجایز ہے کہ جسم حیوانی اس کے ذوقی ارادات کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں دوسرے بدن کیطرف اسکا انتقال بے سود ہے۔ مگر نفوس سعیدہ کو چونکہ عالم انوار سے قرب ہو جاتا ہے اور اس قرب کی وجہ سے وہ فیضان الٰہی کے قابل ہو جاتے ہیں۔ لہذا نعیم ابدی میں خوش حال اور فارغ البال بسر کرتے ہیں اور نفوس شقیہ چونکہ ظلمانی لذتوں میں منہمک اور جہالت کی

گھٹا ٹوپ تاریکی میں متحیر ہیں اُن کو عالم انوار کے مسرتوں اور نعمتوں سے کوئی حصہ نہیں ملتا بلکہ ہمیشہ آلام روحانی سے معذب رہتے ہیں۔ اِس تقریر سے واضح ہے کہ شیخ باوجودیکہ اصول اشراقیہ کا فدائی اور فلسفۂ افلاطون کا دلدادہ ہے مگر چونکہ مسئلہ تناسخ اصول اسلام کے منافی ہے لہذا شیخ نے جمہور حکمائے اشراقین سے اِس مسئلہ میں مخالفت کی۔

شیخ پر بداعتقادی کا اتہام | شیخ الاشراق کے ترجمہ میں قاضی ابن خلکان نے یہ عبارت لکھی ہے۔

وکان متہما بانحلال العقیدہ والتعطیل ویعتقد مذہب الحکماء المتقدمین واشتہر ذلک عنہ فلما وصل الی حلب افتی علماءہا باباحۃ قتلہ بسبب اعتقادہ وماظہر لہم من سوء مذہبہ

یعنے شیخ الاشراق پر ضعیف الاعتقادی اور خدا کے معطل ہونے کا اتہام کیا جاتا تھا۔ اور یہ بھی تہمت لگائی جاتی تھی کہ شیخ الاشراق حکماء متقدمین کے مذہب پر معتقد ہیں اور جب یہ اتہامات مشہور ہوگئے اور شیخ حلب میں پہنچے تو علماء حلب نے اُنکے ان مشہورہ اتہامات کی وجہ سے فتوی دیا کہ اُنکا قتل مباح ہے

یوں تو شیخ الاشراق سے بعضے متعصبین کو مخالفت ہوگئی تھی مگر ان میں شیخ حمید الدین کے بیٹے زین الدین ومجد الدین کو بے انتہا عناد وعداوت تھی انہی کی کوششوں سے شیخ کے قتل میں مخالفین کو کامیابی حاصل ہوئی۔ عبارت مذکورہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل فتوی کے خیال میں شیخ الاشراق کے قتل کا یہی کافی سبب تھا کہ شیخ بداعتقاد ہے اور مذہب حکما کا مقلد۔ اگر بقول قاضی ابن خلکان شیخ کے قتل کے یہی اسباب ہیں تو یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ شیخ کے قتل میں سخت بے احتیاطی کی گئی۔ کیونکہ شیخ کی موجودہ کتابوں کے ملاحظہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شیخ بداعتقاد تھا۔

کیونکہ ہمنے اِس کے پہلے شیخ کے جن الحاقی عقائد کا ذکر کیا ہے اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ بداعتقاد نہ تھا۔ اب رہی یہ بات کہ شیخ مذہب حکماء متقدمین کا مقلد اور معتقد تھا۔ یہ امر بھی زیر بحث ہے کیونکہ شیخ الاشراق نے اپنے فلسفی تصانیف مثلاً حکمۃ الاشراق وتلویحات وغیرہ میں جن مباحث کا

ذکر کیا ہے وہ حکماء اشراقین اور افلاطون الٰہی کے اصول پر مبنی ہیں۔ اسی وجہ سے اُس نے ارسطاطالیس سے گو وہ معلم اول اور محققین حکما سے ہے سخت اختلاف کیا ہے۔ چونکہ شیخ نے اپنا فلسفہ اصول اشراقین پر مرتب کیا ہے لہذا ان مسائل میں انکی تقلید پر مجبور رہے کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ جس فن میں انسان تصنیف و تالیف کرتا ہے تو اس پر اس فن خاص کے اصول کی تقلید لازم ہو جاتی ہے اور بغیر اس تقلید کے اس کی تحریر اس خاص فن کے نہیں سمجھی جائیگی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا اگر کسی نے علم نجوم یا رمل یا اصحاب طبائع کے اصول پر بحث کی تو اُس کی نسبت یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ اہل نجوم و رمل و اہل طبائع کا معتقد ہے اگر ایسا ہوگا تو ہر ایک صناعت و فن کے مسائل جو کتب متعلقہ میں بیان کئے جاتے ہیں وہ سب مسائل و مباحث اُن کے مصنفین کے معتقدات ہو جائینگے۔ حالانکہ یہ نہایت بھدا اور بیہودہ خیال ہے۔ پس شیخ الاشراق کے کتابوں سے جو اُس نے خاص اشراقیہ پر تصنیف کی ہیں یہ نتیجہ نکالنا کہ شیخ الاشراق کے یہی عقاید تھے نہایت بے انصافی کی بات ہے۔ غرض اہل فتوے نے بہت ہی جلدی کی کیونکہ موجودہ تراجم میں جو اسوقت ہمارے سامنے موجود ہیں اس بات کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ شیخ سے اتہام مذکور کا جواب بھی لیا گیا اور اسکو اتنی مہلت دی گئی کہ اپنی برات ظاہر کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک الظاہر نے اُن لوگوں سے جنہوں نے شیخ کے قتل میں سعی کی تھی دیت طلب کی اور سخت سرزنش کی اور انہیں سخت سزا دی چنانچہ صاحب عیون الانبیا نے اس کی تصریح کی ہے اس تحریر سے ظاہر ہے کہ اگر دشمنوں نے شیخ کیساتھ دشمنانہ و متعصبانہ سلوک نہ کیا ہوتا اور مصنوعی تہمتیں شیخ کے قتل کا باعث نہ ہوئیں تو ملک الظاہر جو شیخ کے قتل کے زمانہ میں شیخ کا پورا مخالف ہو گیا تھا۔ شیخ کے قتل کے بعد اہل فتوے کیساتھ یہ سلوک نکرتا۔

شرح حکمۃ الاشراق کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ پر الحاد کا اتہام اُس کی اُن تحریرات کی بنا پر لگایا گیا تھا جو عوام الناس کے معتقدات کے خلاف تھیں درحقیقت حکمت ذوقیہ کے باریک اور نازک مسائل اس قابل نہیں تھے کہ اُن کو علانیہ طور پر بیان کیا جاتا۔ صاف اور سلیس عبارتوں میں ان کے مطالب بیان کئے جاتے۔ اسی لئے ہرمس یعنے حضرت ادریسؑ و انباذقلس وفیثاغورس وسقراط وافلاطون کی عادت تھی کہ جب اِن مسائل کے بیان کی اُن کو ضرورت محسوس ہوتی تو اُن کو رمز و اشارے کے طور پر بیان کرتے تھے اس سے غالباً انکی یہ غایت ہوگی کہ نااہلوں سے یہ اسرار محفوظ رہیں اور جو لوگ اُن مسائل کی لیاقت و قابلیت نہ رکھتے ہوں انہیں اُن کی ہوا بھی نہ لگے۔ اصحاب نوامیس کا جن سے پیغمبر مراد ہیں یہی طریقہ رہا ہے۔ مگر اس سے یہ ہوا کہ جو لوگ مسائل کی حقیقت حال سے ناواقف تھے اُنہوں نے اُن کی تردید کرنی شروع کی شیخ الاشراق کے خیال میں یہ امر بالکل نامناسب ہے کیونکہ جو شئی مرموز و مشتبہ ہو اس کی تردید کسی طرح ہو نہیں سکتی اسلئے کہ تحصیل مطالب کے پہلے تردید یا اقبال لغو ہوتا ہے اسی طرح حکماء فارس کے نور و ظلمت کے قاعدۂ اشراقی کی حالت ہے کیونکہ اُس کے ظواہر الفاظ کے نظر کرتے اُن پر یہ طعن کیا جاتا ہے کہ مبدا اول اُن کے پاس دو چیزیں ہیں ایک نور ہے اور دوسری ظلمت حالانکہ در اصل اُن پر یہ اتہام ہے بلکہ انہوں نے نور سے واجب اور ظلمت سے ممکن مراد لیا ہے۔ چنانچہ حاماسپ و فرشادشور وغیرہ کا یہی خیال ہے۔ پس حکماء فارس ایسے نہیں ہیں کہ اُن کے روشن خیال ایسی تاریکیوں سے مکدر ہوں بلکہ حکماء فارس کے خیالات بہت صاف ہیں اور رسول اللہؐ کے اِس فرمان کی مصداق۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے۔

* لوکان العلم بالثریا لتناولته رجال من فارس

* اگر علم ثریا پر بھی ہوتا تو بھی اُس کو اہل فارس حاصل کئے بغیر نہ رہتے۔

شیخ کہتا ہے کہ حکماء فارس کا قاعدۂ اشراقی کفار مجوس کے قاعدۂ اشراقی کے برخلاف ہے چنانچہ یہ تحریر فرمایا ہے۔

وہی لیست قاعدۃ کفرۃ المجوس والحادمانی و مایفضی الی الشرک باللہ وتنزیہہ

یعنے یہ قاعدۂ اشراقی کفار مجوس کا قاعدہ نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ شرک میں محمد نہیں ہیں اور نہ یہ قاعدہ حادمانی یا مانی جو نصرانی اور فرقہ مشرکہ کا پیشوا تھا اور فرقہ ثنویہ ایسا جو شرک

شیخ الاشراق کے ان خیالات سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ حکماء الہیین عام ازینکہ وہ یونانی ہوں یا پارسی اُن کے وہ خیالات جن کو انہوں نے مرموز کیا ہے قابل گرفت نہیں ہیں کیونکہ امور مرموزہ کی حالت دعاوے سے بھی گھٹی ہوئی۔ جب دعاوے قابل تردید نہیں ہیں بلکہ قابل تردید دلائل ہوتے ہیں تو وہ امور مرموزہ جن کی معانی حقیقیہ پر پوری اطلاع نہیں ہے کس طرح قابل تردید سمجھے جائینگے۔

شیخ الاشراق نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حکماء یونان سے بعضے حکماء مثلاً ہرمس یعنے ادریس اور آغاثاذیمون یعنے شیث اصحاب سفارت یعنے انبیا تسلیم کئے گئے ہیں اسی طرح حکماء فرس سے بعضے حکما اصحاب سفارت و نوامیس ہیں۔ چنانچہ الواح میں کیخسرو کی نسبت اُس نے یہ تصریح کی ہے

الملک آنظافر کیخسرو والمبارک اقام التقدیس والعبودیۃ فاتتہ منظفیہ اب القدس ولطفت معہ الغیب وعرج بنفسہ الی العالم متقشا بحکمۃ اللہ وواجہتہ انوار اللہ مواجہتہ

یعنے کیخسرو مبارک نے تقدیس وعبودیت خدا کیطرف توجہ کی پس اس پر تجلی ہوئی اور غیب سے اس نے بات چیت کی اور اسکا نفس حکمت خدا سے منقوش ہوگیا اور انوار الہی کو اپنے روبرو دیکھا

اسی طرح زردشت وجاماسپ و فرشادشور وغیرہ کی نسبت بھی اُس کا خیال کیخسرو کے قریب قریب ہے ان لوگوں کو اصحاب حکمت و شہود

تسلیم کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ ان کے اقوال اساطین حکمار یونان کے اقوال کے مطابق ہیں غرض انہی اقوال سے علما ظاہر یہ نے اس کو زندقہ سے متہم کیا ہے اگر غور کیا جاوے تو یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ان کے معترف پر زندقہ کا اطلاق کیا جاوے کیونکہ قرآن شریف میں غور کرنیسے اس بات کا پتا ملتا ہے کہ بعضے انبیا کا ذکر قرآن شریف میں کیا گیا ہے اور بعضوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور اصحاب مذکورہ کی نسبت شرع شریف بالکل ساکت ہے ان نفوس کی طہارت وتزکیہ کی نفی نہیں کی گئی ہے لہذا ممکن ہے کہ شیخ الاشراق کے پاس ان کی طہارت وصفائی پر کوئی دلیل ہو اور اسی دلیل کی وجہ سے انکی کیفیت صلاح وتقوے ثابت کرتا ہو۔ اور جب قرآن شریف سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ جل شانہ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ ہدایت خلایق کیواسطے اولاً انبیا کو مبعوث فرماتا ہے اور ان کے ذریعہ اپنے اوامر ونواہی کی تبلیغ فرماتا ہے جب وہ لوگ انبیا کی تصدیق سے انکار کرتے ہیں تو ان پر عذاب کی دھمکی دیتا ہے اور بالآخر ان کو معذب کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ اس صورت میں ضرور ہے کہ بلاد ایران پر کسی پیغمبر کی بعثت ہوئی ہو اور وہان کی ہدایت وارشاد اس کے سپرد کی گئی ہو۔ لیکن جبکہ ان گزشتہ حالات کی تحقیقات کا مواد فراہم نہیں ہے تو اثبات ونفی حکم کی بجائے سکوت بہتر ہے نہ یہ کہ ان امور کا قائل زندقہ والحاد سے منسوب کیا جاوے اس صورت میں شیخ الاشراق پر زندقہ والحاد کا طعن بے محل اور بے دلیل ہے۔

غزل

سید اشرف شمسی

لیکے دل منہ پھیر لے انجان بنکر جان لے — میرا ذمہ ہے اگر تجکو کوئی پہچان لے
مسکرا کر میرا دل لے ہنسکے میری جان لے — اسکو ایسی کیا پڑی ہے جو مرا احسان لے
لاکھ تو چھپ چھپ کے پردوں میں ہماری جان لے — جانتے ہیں ہم بھی تجکو تو بھی اتنا جان لے

چھوڑ دے اے دل خیال خوبرویاں چھوڑ دے — مان لے ناعاقبت اندیش میری مان لے
تیرے وعدے کا بھروسہ کیا ہے اے پیماں شکن — اعتبار آتا نہیں سر پر اگر قرآن لے
یہ سماں یہ چاندنی اے مطرب عاشق نواز — جی پھڑک جائے ہمارا ایسی کوئی تان لے
مار ڈالا مار ڈالا لٹ گئے ہم لٹ گئے — تان لے پھر تان لے منہ پر دوپٹہ تان لے
بات کرنیکا سلیقہ تک نہ آتا تھا جسے — اب ہیں سے شان کی وہ بت خدا کی شان لے
ہوں اگر ظالم تری سب جور پنہاں آشکار — نام بھولے سے محبت کا نہ پھر انسان لے

دیکھ کیفی بادۂ دیرینہ زرد آمیز ہے
ریش قاضی میں ذرا امینی سی پہلی چھان لے

رباعیات

عجلت نکرے کام میں کوئی انسان — ہو مدنظر اُسکے، نفاست ہر آن
مدت کو نہیں پوچھتا کوئی بھی ذہین — سب دیکھتے ہیں کام کی ہی کیسی شان

مانگو اُس کی خدا ہی سب دیتا ہے — سچ ہے کہ جو کچھ دیتا ہے رب دیتا ہے
ناحق کی خوشامد ہے کسی کی بھی ذہین — جب رب ہی نہ دے تو کوئی کب دیتا ہے

ہر ایک سے کیا حال غم و رنج کہوں — بہتر ہے کہ دل صبر، غم و رنج سہوں
جب رب نہ سنے کب کوئی سنتا ہے ذہین — مشغول اُسی کی یاد میں کیوں نہ رہوں

خوشحال اگر پوچھو تو ہم میں کم ہیں — اک جان حزیں ہے اور ہزاروں غم ہیں
ہیں لایق تعریف ذہین اور ہی لوگ — ہر طرح سے افسوس کے قابل ہم ہیں

دنیا میں نہیں ہیں کیا مروت والے — پیدا ہی نہ ہونگے یا محبت والے
آیا ہی بہت برا یہ وقت اُن کے لئے — جو لوگ ہیں اے ذہین عزت والے

قطعہ

نیکی کرو اگر چہ آفت کا سا منا ہو — آفت نہیں رہیگی، رہجائیگی بھلائی
لذت کیواسطے کر، کوئی بدی کروگے — لذت نہیں رہیگی، رہجائیگی برائی

سید غلام مصطفےٰ ذہین

امیر حمزہ بن عبد المطلب رضؓ

مقدس ملک عرب کی سرزمین بھی عجب سرزمین ہے۔ دنیا بھر کے ممالک سے بڑھکر اُجاڑ ملک، سبزہ زار کا کہیں پتہ نہیں، پہاڑوں پر سبزی نہیں، منزلوں چلے جاؤ پانی عنقا۔ ریتیلی زمین اور اُس پر ہوا ایسی (بادسموم) زہریلی کہ قافلے کے قافلے دم بھر میں لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں۔

باوصف ان خرابیوں کے وہاں کی خوبیوں اور وہاں کے رہنے والوں کے صفات حمیدہ پر نظر کیجائے تو اچنبھا سا ہوتا ہے۔ عرب کی فیاضی، عرب کی شجاعت عرب کی مہمان نوازی تو ایسی مسلم ہے کہ کوئی اسکا انکار نہیں کر سکتا۔ زبان عربی کو دیکھو تو اسقدر وسیع کہ دنیا جہان کی کوئی وسیع سی وسیع زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کتب لغات کا مطالعہ کرنے سے ایک دانشمند مورخ حیرت کے دریا سے غوطہ زن ہو کر غوطے کھانے لگتا ہے کہ عرب جیسا ویران بیابانی ملک وہاں کی ایسی وسیع و بلیغ زبان، سبحان اللہ ثم ذرا تواریخ عالم کے اوراق الٹو، کتب معتبرہ کو ٹٹولو، تو معلوم ہو کہ تمام صفات عالیہ کے کاملین مکملین جیسے عرب کی زمین میں ہو گذرے ہیں کہیں نہیں ہوئے۔ جس صفت کے جس فرد کو لو بدو عالم سے الی الآن اسکی نظیر سے عالم خالی پاؤ گے۔

انسان کے لئے سب سے بڑی بزرگی اسکا کامل ہونا ہے۔ مگر کمال کا انتہائی درجہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے کسی کو حاصل نہیں۔ ان نفوس قدسیہ کے سوا تمام لوگ کچھ نہ کچھ کمی بیشی کیساتھ باہم متفاوت ہیں بلکہ خود انبیاء میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے۔ جن انبیاء کو کتابیں عطا ہوئیں وہ ان تمام انبیاء سے افضل ہیں جن کو کتابیں نہیں ملیں۔ انبیاء اولوالعزم غیر اولوالعزم سے افضل ہیں پھر جن نفوس قدسیہ کو معجزات باہرہ ملے وہ اُن انبیاء سے فی الجملہ بہتر قرار پائے جن کے سر پر اعجاز کا تاج نہیں رکھا گیا۔ بہت انبیاء ایسے ہیں

جن پر وحی بھی آتی تھی، الہام بھی ہوتا تھا۔ بہت ایسے تھے جنکو صرف الہام ہوتا تھا۔ پہلی قسم کے انبیا دوسری قسم کے انبیا سے افضل تھے۔

اِن تمام انبیا و رسل علیہم السلام میں ہمارے ہادی برحق سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم برگزیدہ ہوئے، آپ پر نبوت ختم ہو گئی اور آپ تمام دوسرے انبیا و سابقین سے افضل و اعلیٰ قرار پائے۔ کیونکہ آپ کی شریعت کامل ہے، آپ نے کل ادیان سابقہ کو منسوخ فرما دیا۔ اور آپ کی امت خیر الامم کے بہترین لقب سے ممتاز ہوئی۔

یہ شرف سرزمین عرب کے سوا کسی دوسری سرزمین کو میسر نہیں ہوا اور یہی ایک ایسا شرف ہے جس پر دنیا کے کل فضائل قربان کر دئی جائیں تو بھی کم ہے۔

فضائل بشریہ میں سخاوت اعلیٰ درجہ کی فضیلت مانی گئی ہے۔ کیونکہ خیر و خیرات کا مدار اسی پر ہے۔

فیاضوں کی فہرست میں حاتم کا نام ہمیشہ جلی حرفوں میں نظر آئیگا۔ جو خاص ملک عرب کی سرزمین کا ہیرا تھا۔

دنیا کا سارا تمدن آپس کی محبت اور موانست پر موقوف ہے۔ اب بتاؤ کہ ابوبکر صدیق علیہ السلام جیسا صادق دوست بھی یا دنیا کے کس شخص کو نصیب ہوا، ایسا دوست جس نے اندھیرے غار میں رسول کا ساتھ دیا، سانپ کے منہ میں پاؤں رکھدیا جس کی اس سچی رفاقت اور خالص دوستی نے "یار غار" کو ضرب المثل بنا دیا۔

نوشیرواں کا عدل و انصاف اور حضرت سلیمانؑ کی سلطنت مشہور ہے مگر یہ ساری شہرت کتابوں میں دیکھنے کی ہے، حضرت فاروق اعظم کے عدل و انصاف اور اصول سلطنت اور انتظام مملکت پر غائر نظر ڈالو تو نوشیرواں کا عدل شرمندگی کے دامن میں منہ چھپانے لگے۔ حضرت

سلیمان نبی تھے، اُن کی اِس صفت کو نظر انداز کر کے قدر مشترک سے مقابلہ کرو تو فاروق اعظمؓ کا دبدبہ و جبروت اور اصول فرمانروائی علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل کو سچ کر دکھائے۔

آپ نے اپنے بیٹے ابوشحمہ کے مقابلہ میں جس انصاف پژوہی سے کام لیا ہے اُسکی نظیر دنیا کے کارنامۂ سلاطین میں ڈھونڈنی محض بے سود ہے۔

ملکہ بلقیس نہیں (کے خطۂ سبا) کی باجبروت سلطانہ تھی، جس کی عقل و تدبیر اور سیاست مدن کی قابلیت نے خود سلیمان علیہ السلام کو چونکا دیا۔ ان کے دربار والوں کی آنکھیں وہ تخت عظیم دیکھکر چوندھیا گئیں جس پر ملکہ جلوس فرما کر دادِ فرمانروائی دیتی تھی۔

شرم و حیا فضیلت انسانی کا جزو اعلیٰ ہے۔ تم عثمان ذوالنورین جیسا صاحب حیا کہیں ڈھونڈ نکالو تو بات ہے۔ وہ جس نے کبھی اپنی عمر بھر خود اپنا ستر ملاحظہ نہیں کیا۔

عشق و عاشقی میں قیس عامری، زناکاری میں ظلمۃ (عورت) حماقت میں ابوالاسود اور دغہ (عورت) اور تیزی نظر میں زرقاء یمانیہ، وہ مشاہیر روزگار افراد ہیں جن کو زمانہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا رستم و اسفندیار کا افسانہ کہانیوں میں مشہور ہے۔ اب اِن افسانوں اور کہانیوں کو بہادران عرب کی سچی اور واقعی بہادری سے مقابلہ کرو تو رستم و اسفندیار شاہنامہ کے ورقوں میں منہ ڈھانکنے لگیں۔ انہیں بہادروں میں ایک وہ مشہور آفاق فرد ہے جس کے مبارک نام کو ہم نے زیب عنوان کیا ہے۔

اگرچہ داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوش ربا کے مصنف نے اِس مقدس نام کو اپنی من گھڑت باطل کہانیوں سے آفتاب نصف النہار

سے بھی زیادہ روشن کر دیا ہے جسکی وجہ سے بچہ بچہ اس نام سے واقف نظر آتا ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ متبرک نام جتنا زیادہ مشہور ہے اتنا ہی لوگ اسکے اصلی واقعات و حالات سے بیخبر بلکہ ناواقف ہیں حالانکہ حمزہ ان منتخب افراد عالم سے ہے جن پر دنیائے اسلام ہمیشہ ناز کریگی اور کماحقہ نہ کر سکیگی۔ گردش روزگار انکی شہرت کو مٹانا چاہیگی اور نہ مٹا سکیگی رفتار زمانہ بھلانا چاہیگی اور نہ بھلا سکیگی امیر حمزہ بن عبد المطلب بن عبد المناف بن ہاشم کا نام، جاہلیت اور اسلام دونوں عہد میں حمزہ، تھا۔ ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ آپ کی کنیت ہے۔ ماں کا نام ہالہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ ہے۔

آپ حضرت عباس بن عبد المطلب کے علاتی بھائی اور عمر میں انسے بڑے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاتی چچا اور عمر میں آپ سے چار برس بڑے ہیں ابولہب بن عبد المطلب کے ایک لونڈی تھی ثویبہ اسکے ایک لڑکا تھا مسروح۔ اسی ثویبہ نے امیر حمزہ، عبد اللہ بن اسد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا اور یہ تینوں، مسروح بن ثویبہ کی رضاعی بھائی تھے۔

اس روایت پر ابو عمر نے اعتراض کیا ہے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ثویبہ نے امیر حمزہ اور رسول اللہ صلعم دونوں کو مسروح کا جھوٹا دودھ پلایا ہو، اسلئے کہ حمزہ رسول اللہ سے چار برس بڑے تھے اور مدت رضاعت دو ہی سال ہے۔

میری دانست میں ابو عمر نے درایت سے کام نہیں لیا ورنہ ایسا ہونا ممکن ہے اور اس کی صورت یہ ہو گی کہ حمزہ نے تیس مہینے یعنے ایک سال گیارہ مہینے کی عمر میں مسروح کا جھوٹا دودھ پیا جبکہ وہ صرف دو مہینے کا تھا۔ اور جب مسروح تیس مہینے کا ہوا تو رسول اللہ صلعم نے ثویبہ کا دودھ پیا اور اسوقت حمزہ کی عمر چار سال یا کچھ کم و بیش

رہی ہوگی۔

حضرت حمزہ کی زندگی کے وہ واقعات جو اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں گذرے کچھ نہیں معلوم ہو سکے۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ اسوقت بھی آپ کا شمار منتخب لوگوں میں تھا ہر طرف آپ کی شجاعت و بہادری کی بڑی دھوم تھی۔

نبوت کے آٹھویں یا چھٹویں سال حضرت عمر کے مسلمان ہونے سے پہلے آپ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ آپ کے اسلام لانیکا واقعہ بھی بہت دلچسپ اور اس قابل ہے کہ ہر زمانہ کے بے حمیت لوگ اس سے سبق لیں۔

امیر حمزہ اگرچہ مذہب بت پرستی میں سخت تھے لیکن ابولہب و ابوجہل کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن نہ تھے۔

ایک روز رسول اللہ صلعم کوہ صفا کے نیچے تشریف فرما تھے کہ ابوجہل نے اکیلا بے یار و مددگار پاکر آپ کے متبرک سر پر بہت سی مٹی پھینک ماری اور آپ کو بہت سخت الفاظ میں مخاطب کیا۔ رسول اللہ صلعم نے اس ملعون کی سخت زبانی و بدمعاشی کا تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس بداخلاقی سے آزردہ اتنا ہوئے کہ فی الفور وہاں سے اٹھے اور سیدھے گھر کا رستہ لیا۔ آپ کے اٹھ جانیکے بعد ابوجہل ہنستا ہوا اپنے یاروں کے پاس گیا اور کعبہ کے پاس بیٹھکر ہنسی اڑانے لگا۔ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی یا صفیہ بنت عبدالمطلب کی لونڈی سلمی نے یہ سارا واقعہ اپنے گھر سے دیکھا۔

جس روز یہ ماجرا پیش آیا امیر حمزہ شکار کھیلنے گئے تھے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جب شکار سے واپس ہوتے تو پہلے طواف کعبہ کرکے دوسرے کاموں میں مشغول ہوتے تھے۔ غرض شام کو امیر حمزہ کمان گردن سے لٹکائے ہوئے واپس آئے۔ راہ میں وہ لونڈی ملی جس نے ابوجہل کو

آنحضرت کیساتھ بدسلوکی کرتے دیکھا تھا' اس نے کہا اے ابو عمارہ! کچھ تمکو اپنے بھتیجے کی بھی خبر ہے؟ حمزہ نے پوچھا کیوں کیا بات ہے؟ لونڈی نے جواب دیا کہ آج ابوجہل نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تنہا پاکر اُن کے بدن پر بہت سی غلیظ مٹی پھینک ماری اور اُن کی شان میں نہایت غیر مہذب الفاظ استعمال کئے' حمزہ نے پوچھا' پھر کیا ہوا؟ اُس نے کہا' ہوا کیا تمہارے بھتیجے صاحب نے چپ چاپ سن لیا اور رنجیدہ ہو کر گھر چلدیے افسوس حمزہ! تم اسوقت موجود ہوتے تو اپنے بھتیجے کے حال پر ترس کھاتے۔

یہ ماجرا سنکر حمزہ کے خون محبت نے جوش مارا اور رگ حمیت کو جنبش ہوئی۔ اُسی طرح کمان دوش پر رکھے ہوئے سیدھے ابوجہل کے پاس آئے۔ مارے غضب کے آپ کا چہرہ سرخ تھا۔ آنکھیں لال تھیں اور دونوں لب ہل رہے تھے۔ نزدیک پہونچکر وہی کمان اس زور سے ماری کہ ابوجہل کا سر پھٹ گیا۔ پھر ڈانٹ کر فرمایا کہ کمبخت! تیری بھی یہ مجال ہوئی جو میرے بھتیجے کے ساتھ بداخلاقی کرنے کی جرأت کرے' کیا تو نہیں جانتا کہ عصبیت نے مجکو خود اس کے مذہب میں شامل کر دیا ہے۔

اس زمانہ میں حمزہ کی شجاعت اور قوت کا شہرہ تھا۔ بڑے بڑے پہلوان نام سنکر کانپ جاتے تھے' ابوجہل تو کیا بولتا' مار کھاکر چپ ہو رہا لیکن اس کو لہولہان دیکھ قبیلہ مخزوم کے چند نوجوان حمایت کو اٹھ کھڑے ہوے۔ اور اُن کو لڑائی پر آمادہ دیکھکر حمزہ کمان سنبھال شیرانہ آگے بڑھے۔

ابوجہل نے دیکھا کہ اب قیامت آیا چاہتی ہے۔ اور جنگ ہوئی تو حمزہ سب کو روئی کی طرح دھنک کر رکھدیگا۔ خوف سے میں آگیا

اور نوجوانوں سے کہا کہ حمزہ سے نبولو، اسکا غصہ حق بجانب ہے آخر میں نے بھی تو اُس کے بھتیجے کیساتھ ناشائستہ بداخلاقی برتی تھی۔ معاملہ رفع دفع ہوگیا تو ابوجہل حمزہ کی استمالت کرنے لگا کہیں ایسا نہ ہو ہم سے بگڑ اپنے بھتیجے ہی کا ہو رہے۔ کہیں امیر حمزہ اس چال کو سمجھ گئے اور سب کو دھتا بتا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمزہ کے مسلمان ہونے سے نہایت درجہ خوش ہوئے اور حمزہ کے اسلام سے دین بیضا اور پیروان اسلام کو بہت تقویت ہوئی۔ کفار قریش جو علانیہ رسول اللہ کو برا بھلا کہتے تھے، مسلمانوں کی مزاحمت کیا کرتے تھے اب اپنی زیادتیوں سے رک گئے اور اُن کے قلوب پر اسلام کی ہیبت چھا گئی۔

مسلمان ہونے کے بعد جناب حمزہ علیہ السلام نے خوش ہو کر فی البدیہہ چند اشعار کہہ ڈالے جو کتب تواریخ میں مروی و مسطور ہیں تبرکاً للناظرین ہم بھی ان اشعار کو یہاں رقم کرتے ہیں۔

حمدت اللہ حین ہدی فؤادی	الی الاسلام والدین الحنیف
لدین جاء من رب عزیز	خبیر بالعباد بہم لطیف
اذا تلیت رسالتہ علینا	تحدر دمع ذی اللب الحصیف
رسائل جاء احمد من ہداما	باٰیات مبینۃ الحروف
واحمد مصطفٰے فینا مطاع	فلا تغشوہ بالقول العنیف
فلا واللہ نسلمہ لقوم	ولما نقض فیہم بالسیوف

یہ واقعہ حضرت حمزہ کے اخلاق اور چال چلن پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور اسی واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک روشن دل بہادر، نیک طینت، رحیم المزاج شخص تھے۔ طبیعت میں رحم و خدا ترسی تھی۔ غصہ جلد

آتا تھا مگر حق بجانب آتا تھا۔ مزاج کو حق و راستی کی طرف میلان تھا اور رائے بائیں ان میں تھیں جو ایک بہادر میں ہونی لازم ہیں۔

امیر حمزہ شراب پیتے تھے اور شراب کے عادی تھے۔ مگر اسلام لانے کے بعد پھر کبھی شراب خواری کے گرد نہیں پھٹکے۔

شہادت مدینہ منورہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جو بسبب اس کے کہ سب پہاڑوں سے علیحدہ واقع ہوا ہے، احد کے نام سے مشہور ہے کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی قبر اسی پہاڑ پر ہے اسی پہاڑ کے قریب شوال کے مہینہ میں ہفتہ کے روز ۳ھ ہجری میں اہل اسلام اور کفار کے درمیان جنگ عظیم ہوئی کفار کے لشکر میں تین ہزار مرد تھے۔ دو سو گھوڑے۔ تین سو اونٹ تھے۔ اور پندرہ عورتیں صرف اس غرض سے ساتھ تھیں کہ دف بجا بجا کر مردوں کو لڑائی پر برانگیختہ کریں اور بھاگنے سے روکیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب فقط ایک ہزار مرد ان کا تھے اور لشکر بھر میں سوائے رسول اللہ صلعم کے کسی کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔

امیر حمزہ کی جنگ کا اصول یہ تھا کہ وہ لڑتے وقت میدان میں دائیں بائیں کی کچھ خبر نہیں رکھتے تھے وہ شیر ببر کی طرح دشمنوں کی صف میں گھستے قتل کرتے ہوئے بڑھتے چلے جاتے تھے۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امیر حمزہ بہت عزیز تھے، اس لئے آپ ہر لڑائی میں امیر حمزہ کیساتھ دو مسلمانوں کو مقرر فرماتے تھے جو دائیں بائیں اُن کی حفاظت کرتے رہتے تھے۔

جنگ احد میں دشمنوں کی کثرت تھی۔ مسلمان تھوڑے تھے اسلئے حمزہ کی نگہداشت کے لئے وہ دو آدمی حسب معمول متعین نہیں کئے جا سکے

لڑائی خوب گھمسان کی ہوئی، آخر دشمنوں نے شکست فاش کھا کر پیٹھ دکھائی
مگر مسلمانوں سے غلطی یہ ہوئی کہ رسول کے حکم کو بھول کر فوراً ہی لوٹ مار میں
مصروف ہو گئے۔ تیر اندازان اسلام کا اپنے مرکز کو چھوڑنا تھا کہ بھاگتے
دشمن پلٹ پڑے اور ہر طرف سے پیاپے تین سخت حملے کئے۔ مسلمانوں کو فتح کے
بعد سخت شکست اٹھانی پڑی۔ رسول اللہ صلعم کے دو دانت شہید ہوئے
اور آپ کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔

لشکر مخالف کے تین نامور بہادر امیر حمزہ کی خون آشام تلوار کی گھاٹ
اتر گئے۔ پھر بھی فوج مخالف غالب آچکی تھی، مسلمان مغلوب ہو رہے تھے
امیر حمزہ دشمنوں کی فوج میں درانتے ہوئے حملے پر حملے کر رہے تھے
کہ عین اسی حالت میں جبیر بن مطعم کے غلام (وحشی) نے پیچھے سے آکر تلوار کا ایسا
وار کیا اور امیر حمزہ زخم کاری کھا کر گرے اور وہیں شہید ہو گئے۔

رسول اللہ صلعم کو اپنے عزیز اور بہادر چچا (حمزہ) کے بیوقت شہادت
پانے سے بڑا جانکاہ صدمہ پہونچا۔ وحشی غلام ہر چند کہ بعد کو مسلمان ہو گیا
مگر جب رسول صلعم اسکو دیکھتے تھے، حمزہ یاد آجاتے اور فرط الم سے
فوراً منہ پھیر لیتے تھے۔

امام بغوی نے معجم میں روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے
قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ساتویں آسمان پر
اللہ تعالیٰ کے نزدیک لکھا ہے کہ حمزہ اللہ اور اسکے رسول کا شیر ہے
جابر سے ایک دوسری حدیث مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے
کہ حمزہ سید الشہدا (تمام شہیدوں کا سردار) ہے ایک حدیث عبداللہ
بن مسعود سے روایت کی گئی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے فرمایا
کیا میں تم کو اُس شخص کا پتہ ندوں جو حمزہ کے بعد سید الشہدا ہے عبداللہ
بن مسعود نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ارشاد فرمائے۔ آپ نے

فرمایا جو شخص ظالم بادشاہ کے پاس جاے اُسکو بھلائی کی طرف بلاے اور برائی سے منع کرے اگر بادشاہ نے اُس کو قتل نکیا تو وہ جبتک زندہ رہیگا گناہ سے پاک ہے اگر بادشاہ نے اُسکو قتل کر دیا تو وہ اللہ کے نزدیک بعد حمزہ کے افضل الشہدا ہے۔

اِس کے بعد جناب امیر حمزہ کا لقب سید الشہداء قرار پا گیا۔

اولاد امیر حمزہ کی بی بی، خولہ بنت قیس بن فہر بن مالک تھیں ان کے بطن سے کئی بیٹے عمارہ اور یعلی وغیرہ پیدا ہوے اور سب بچپنے ہی میں وفات پائی۔ آپ کے ایک بیٹی تھیں امامہ بنت زینب بنت عمیس خثعمیہ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب عمر بن ابی سلمہ مخزومی کو بیاہی تھیں۔ مگر امامہ کے کوئی اولاد نہیں اور یہیں امیر حمزہ کی نسل کا خاتمہ ہو گیا۔

مشکوٰۃ میں ایک حدیث مروی ہے کہ شہداء احد کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر واپس آے تو جو لوگ جنگ میں شہید ہوے تھے سب کے گھروں سے نالہ و فریاد کی صدا بلند ہوئی لیکن حمزہ کے مکان سے کوئی کسی قسم کی صدا نہیں اٹھی رسول اللہ صلعم نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ حمزہ کے گھر میں کوئی نہیں جو اسکا ماتم کرے

جب رسول اللہ کا یہ کلام انصار نے سنا تو انہوں نے اپنے اپنے گھر پہونچکر اپنی بی بیوں کو حکم دیا کہ پہلے حمزہ کے گھر جاکر رو تب اپنے گھروں میں ماتم کرو۔

غرض تھوڑی دیر میں حمزہ کے مکان سے ماتم کی آواز بلند ہوئی رسول اللہ نے اصل حقیقت سے آگاہ ہو کر سب کو فریاد و فغاں کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ اس کہنے سے میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ عورتیں جاکر روئیں، میں نے تو ایک بات کہی تھی کہ حمزہ کے گھر کوئی اُسکا

باتم کرنیوالا بھی نہیں ہے۔
اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حمزہ نے اپنے پیچھے کوئی اپنا وارث نہیں چھوڑا۔

غزل فارسی

بخرمن گاہ موسے برق می ریزد شرار من — شود روشن چراغ طور از شمع مزار من
بروز و شب بود یاد رخ و گیسوے یار من — زہے شام و پگاہ من خوشا لیل و نہار من
پس مردن ببیں تاثیر عشق گلعذار من — بجنت می برد رضواں گل شمع مزار من
بہ ترک عشق می گوید نماید فکر کار من — زراہ و رسم غمخواری ست غافل کمسار من
چناں سوزد بمرقد ہم دل پر اضطرار من — بپاے برق پیچد رشتہ شمع مزار من
چو دود قمریں عالم بسر شد روزگار من — بفکر کارساز بیہاز کار افتادگار من
نہ غمخوارے نہ دلسوزیست بر احوال زار من — نمی سوزد چراغے نیز بالاے مزار من
بہجر او چہ حاصل از دو چشم اشکبار من — در مقصود مفقود است و دریا در کنار من
بود بس یک ہمیں دلسوز بر احوال زار من — کہ می سوزد پر پروانہ بر شمع مزار من
بزن شبگیر اے مجنوں بیں شبہاے تار من — مہار از زلف لیلیٰ وار دآں محمل سوار من
فزاید سرگرانی باز چشم مست یار من — من ایں ساغر کہ می بینم فزوں گردد خمار من
بغربت مردم و شد بیکسیم غمگسار من — کہ از باد صبا گردید گل شمع مزار من
نہ من شادم نہ ناشادم بر نگ سرو آزادم — بود یکرنگ در عالم خزاں من بہار من
نمودم ترک خود بینی و خود را سکندر وقتم — بود آئینہ زانوے من آئینہ دار من
ببیں در خاکساری ہم سر رفعت میسر شد — شدم تا خاک بر اوج فلک رفتہ غبار من
چو گل میدارم از خون دل خود رنج روئیدن — بسان لالہ از داغ جگر باشد بہار من
من از دلدار خود دورم چہ گویم سخت مجبورم — نہ او در اختیار من نہ دل در اختیار من

مثال شمع باشد گرم و روشن لمعہ گفتام
منم فرزند شعلہ بنگرید اکنوں شرار من

مولوی محمد باقر آگاہ

مولوی محمد باقر آگاہ خطۂ مدراس کے ایک مشہور و معروف "نامور استاد" گزرے ہیں اور عربی اور اردو لٹریچر کے جو نمایاں خدمات انہوں نے انجام دے ہیں ان کی وجہ سے ضرورت ہے کہ انکا مختصر تذکرہ صحیفہ کی ذریعہ سے اردو کی لٹریری دنیا میں پیش کیا جاے جسکا اغلب حصہ افسوس ہی کہ اُن کے نام نامی سے بھی واقف نہیں۔

مولوی محمد باقر آگاہ اُسی قوم نوایتہ کی ایک شریف و معزز گھرانہ سے ہیں جنہوں نے براہ راست عرب سے سواحل ہندوستان آکر اسلام کی روشنی پھیلانے میں حصہ لیا ہے (جسکی تاریخ پہلے پہل صحیفہ کے ذریعہ سے لٹریری دنیا میں پیش کی گئی ہے) اُن کے باپ کا نام محمد مرتضی تھا اور مذہباً شافعی تھے۔ خاندان کا وطن پہلے تو بیجاپور تھا۔ لیکن بیجاپور کی تباہی کے بعد خطۂ مدراس میں اقامت کی۔ آگاہ کی پیدائش بمقام ویلور ۱۲۵۸ھ میں ہوئی اور یہیں ان کا نشو نما ہوا۔ سات برس کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا۔ فارسی کی متداول کتابیں تحفۃ العراقین تک اپنے چچا کے پاس پڑھیں۔ سکندر نامہ کا دیباچہ اور عنوان قران السعدین سید شاہ ابوالحسن[۲] قبلی قدس اللہ سرہ سے پڑھا۔ اِس کے بعد طالب اللہی

---

[۱] مولوی محمد باقر آگاہ کے حالات زندگی تذکرہ گلزار اعظم سے اخذ کئے گئے ہیں جو تبصرہ شیریں سخن خان راقم و بنام نواب غلام غوث خان مرحوم آخری نواب کرناٹک ۱۳۱۲ھ میں مدراس میں طبع ہوا ہے۔

[۲] سید شاہ ابوالحسن بن شاہ عبداللطیف تقوی بھی خطۂ مدراس کے ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں ۱۱۸۱ھ میں بمقام بیجاپور پیدا ہوے پھر ارکاٹ میں جو اُسوقت دارالحکومت صوبہ تھا وہاں سے آکر آخر ویلور میں جاکر مقیم ہو گئے جو ارکاٹ کے قریب واقع ہے ۱۲

شوق میں ترچناپلی چلے آئے جو ارکاٹ کے بعد صوبۂ مدراس کا دارالحکومت بنا تھا اور مولوی ولی اللہ کی خدمت میں مصباح قریب دو ثلث اور ضوء ایک جز کے قریب پڑھی۔ یہ اس زمانہ میں متوسط درجہ کی تعلیم کا نصاب تھا۔ اس کے بعد سبق پڑھنا موقوف کرکے ذاتی مطالعہ جاری رکھا پندرہ سال کی عمر میں نظم و نثر کا شوق پیدا ہوا اور ۱۷ سال کی عمر میں قربی کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے

آفتاب اوج وحدت ماہتاب برج دین　　کاشف اسرار قربت صاحب عین الیقین

یہ قصیدہ ایک عریضہ کیساتھ جناب قربی کی خدمت میں بھیجدیا جس کے جواب میں قربی نے لکھا "قصیدۂ غرا کہ در مدح ایں فقیر حقیر بود در سید معانیش دیدہ دعاء اللّٰھم زد فزد کردہ آمد باین قدر علم جنیں فکر صائب بظہور آمد چوں زیادت علم شود فکر کار ہا خواہد کرد کہ سزاوار آفرین تام و تحسین تمام خواہد بود بعضے محال اصلاح طلب است اگر در حضور می بودند ظاہر کردہ می شد والسلام" ۱۹ سال کی عمر میں قربی کی خدمت میں ویلور واپس گئے اور بیعت طریقت کی۔

غرض آگاہ کو ایک ایسا استاد مل گیا جو ظاہر و باطن دونوں راستوں میں ان کا پورا راہنما بنا۔ فیض باطن کے ساتھ ظاہری اصلاح کلام بھی ان سے لی چنانچہ خود اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں۔

بود ہمرہ من آئینہ دار دیدۂ آگاہ　　کہ بر رو جسن کسب سخن از بوالحسن کردم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴ فارسی کتابیں محمد حسین بیجاپوری سے اور تصوف کی کتابیں (مثل مخزن اسرار و مثنوی شریف) محمد مخزالدین (نوایتہ) کے پاس اور عربی صرف و نحو محمد ساقی سے حاصل کیا۔ اور کثرت مطالعہ سے بہت جلد تصوف کے اعلیٰ ذخیرہ مثل فتوح الغیب و فتوحات مکیہ و فصوص الحکم پر قادر ہوگئے۔ عربی نثر نہایت فصیح و بلیغ لکھتے تھے۔ مولوی محمد باقر آگاہ نے اپنے استاد کا تذکرہ ایک خاص رسالہ تحفۃ الحسن فی مناقب السید ابی الحسن میں لکھا ہے ۱۱۸۵ھ میں بمقام ویلور انتقال ہوا اور وہیں ان کا مزار ہے۔ تذکرہ گلزار اعظم

اس ابتدائی دور میں نعت و منقبت میں بہت سے قصیدے ۔ غزلیں ۔ مثنویاں ۔ بغیر کسی تخلص کے کہی تھیں لیکن استاد و مرشد کے انتقال کیساتھ جبکہ آگاہ کی عمر ۲۴ سال کی تھی شعر کہنا ترک اور تمام کلام پانی میں ڈبو دیا ۔

اب یہ پھر ترچناپلی میں واپس چلے آئے ۔ اسوقت یہ نوجوان استاد کا شہرہ بلند ہو چکا تھا نواب والاجاہ مرحوم نواب کرناٹک نے (جنکی علمی قدر شناسی یادگار زمانہ رہیگی اور جسکا ایک قوی ثبوت بحر العلوم جیسے خاتم العلماء کے پیوند زمین مدراس ہونے سے مل سکتا ہے جن کی نہایت تعظیم نواب والاجاہ نے کی تھی) نہایت تعظیم کیساتھ آگاہ کی ملاقات کی اور بہا ہوا ۱۰ روپیہ اپنے بڑے فرزند امیر الامرا مرحوم ولیعہد ریاست کا تالیق مقرر کیا اور چند روز کے بعد جاگیر التور محاصلی ایکہزار دو سو روپیہ عطا کی ۔ امیر الامرا کی رفاقت ہی میں آگاہ مدراس آئے ۔ اور جبکہ آخر مدراس دارالحکومۃ قرار پایا تو انہوں نے بھی مدراس کو اپنا وطن بنا لیا ۔

اب جذبۂ شوق نے پھر شعر و سخن پر ابھارا ۔ آگاہ تخلص قرار پایا اور اپنی زندگی علم کی خدمت کے لئے وقف کر دی ۔ سینکڑوں طلبہ کو علم کی راہ بتلائی اور اس سے زیادہ باقیات الصالحات اپنی تصانیف سے دائمی یادگار دنیا میں چھوڑی ہے جسکا تذکرہ آیندہ ہوتا ہے ۔

۱۴ ذی حجہ ۱۲۱۲ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں انتقال کیا اور راسۃ سیلاپور میں اپنی مقبرہ زمین میں دفن ہوئے ۔ جناب مولوی محمد غوث شرف الملک وزیر الہام ریاست کرناٹک نے "قدمات فرد العصر" مادۂ تاریخ کہا ہے جو یادگار رہیگا ۔

علمی خدمات

پایۂ علمی اور تعلیمی حالات اوپر بیان کئے گئے ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دکن کے عام تعلیمی کورس میں بہ نسبت معقولات کے ادب کا پایہ بلند تھا

اسی لحاظ سے آگاہ کے علم و فضل میں بھی ادبی پایہ بلند نظر آتا ہے۔

قرآن مجید کے لسان عرب میں رہنے کی بدولت عربی ذوق مسلمانوں کی ہر قوم و ملک میں کم و بیش رہا ہے جسکے بغیر اسلام تازہ نہیں رہ سکتا تھا اور اگرچہ فارسی کی تازگی نے ہندوستان میں اس عربی ذوق میں کمی پیدا کردی تھی لیکن ندوی حمیت عربی لٹریچر میں کمال پیدا کرنے کی محرک ہوتی رہتی تھی۔ قدرتی کے فیض صحبت اور ذاتی مطالعہ نے اس میں پوری ترقی کا موقع دیا۔ اور اس کمال ادبی نے علوم دینی میں بھی تبحر پیدا کردیا۔

آگاہ کے عربی پایہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ اسوقت خطہ مدراس میں عربی کے مسلم الثبوت استاد مانے جاتے اور نواب والاجاہ مرحوم اہل حجاز کے خطوط انہی سے لکھواتے تھے۔ تذکرہ گلزار اعظم میں لکھا ہے "ہر گاہ بار اول لوک ریز جواہر سلکش بنظر فصحا آمد یار سعادت آثار رسید جوابش باہزار آفرین و تحسین در حق آں دبیر بے نظیر بجناب نواب معلی القاب آز انظرف وارد گردید نواب معز الیہ بجائزہ گھوارہ زرین ہمراہ نواب عمدۃ الامرا بہادر و نواب امیر الامرا بہادر فرستادند بآں ہر دو صاحبزادہ اجازت دادکہ مولوی صاحب را دراں بنشانند و بجن ادب بخوانند آگاہ بعد جدوکد بسیار اقبال صلہ نمود اما در وے جلوس نفرمود" آگاہ کے عربی ادب کے ذوق نے متعدد عربی ادبی تصانیف سے یادگار چھوڑے ہیں چنانچہ ایک عربی دیوان نعتیہ ہے جسکا نام "النفحۃ العنبریۃ فی مدح خیر البریۃ" ہے۔

نثر میں مقامات لکھے ہیں۔ اور حریری کا تتبع کیا ہے۔

ذوق عرب کی کمی نے یاران وطن کو اس قابل نہ رکھا کہ ان کتابوں کو شائع کیا جاتا۔ جس سے عربی ادب کے شائقین کو ایک عربی النسل ہندی کے نظم و نثر پر تنقید کا موقع ملتا۔

آگاہ کا ادبی درجہ ان تصانیف کے ذریعہ سے اس قدر شائع نہیں ہوا جسقدر ان کے ان چار سو اعتراضات سے جو انہوں نے اپنے ہمعصر آزاد بلگرامی کے کلام پر کئے تھے جنکا نام ہندوستان کی لٹریری دنیا میں مشہور ہے۔ ان دونوں معاصرین کے باہمی ردّ و قدح نے ان کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی دیگر شعرا کی طرح طرفداروں کے دو گروہ پیدا کر دئے تھے۔ ایک گروہ آگاہ کا طرفدار تھا اور اُن کی اعتراضوں کو واجبی سمجھتا تھا۔ دوسرا گروہ اُن اعتراضوں کو بیجا اور آزاد کے کلام کے بے عیب اور آگاہ سے اُن کے بلند پایہ ہونے کا قائل تھا ایرادات آگاہ کا جواب جو آزاد نے دیا تھا ان کی بعد آگاہ نے تردید کی ہے اور اسطرح ان تحریرات سے بجائے خود ایک تنقیدی لٹریچر پیدا ہو گیا۔

واصف آزاد کے طرفدار ہیں اور اپنے تذکرہ معدن الجواہر میں اسطرح نوٹ کیا تھا "مناظرہ و مباحثہ فضیلت دستگاہ مولوی محمد باقر آگاہ و چہار صد ایراد بر فاضل متبحر آزاد از نیرنگی روزگار خبر می دہد۔

حق در انجا بدست حیدر بود جنگ باوے خطائے منکر بود

پاس ادب رخصت نمی دہد کہ زیادہ ازین گفتہ شود" اس کے مقابل میں شیریں سخن خان راقم آگاہ کے طرفدار ہیں اور واصف کو ہدف ملامت بناتے ہیں۔ لیکن اب وہ دفتر الٹ گیا۔ طرفداری کے جو وجوہ بوجہ معاصرت وغیرہ ہوتے ہیں سب مٹ گئے اب موقع ہے کہ اہل نظر دونوں کے کلام پر از سر نو انصاف ڈالیں۔ جہانتک میں نے اُن اعتراضوں پر غور کیا اکثر اعتراض درست پائے جاتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ کسی غیر اہل زبان کے کلام میں غلطیوں کی گرفت تو آسان ہے لیکن اپنے کلام کو اہل زبان کے ہمپایہ بنانا بہت

دشوار ہے۔ ان اعتراضات سے قطع نظر آزاد و آگاہ دونوں کے کلام کا موازنہ کر کے یہ رائے دینی کہ کس کا کلام درجۂ بلاغت سے قریب ہے؟ اصل قابل غور مسئلہ ہے اور اس کا تصفیہ اسوقت ٹھیک طور سے ہو سکتا ہے جبکہ دونوں کے عربی کلام کے نمونے پیش کر کے ہر ہر پر ریویو کیا جاے لیکن اگر یہ کام شروع کیا جائیگا تو غالباً ناظرین صحیفہ کو دلچسپی نہ ہوگی اسلئے بجز اسکے چارہ نہیں کہ اپنی اصلی رائے ظاہر کر دیجاے جس کے ثبوت میں ذوق انسان کا حوالہ دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں اسمیں شک نہیں کہ آزاد پر گو ہیں۔ عربی میں ان کے دس دیوان ہیں اس کے مقابلہ میں آگاہ عربی میں کم گو ہیں۔ آزاد کے کلام میں ایک حد تک سلاست روانی بھی ہے لیکن انصاف تو یہ ہے کہ آگاہ کے کلام میں بلاغت آزاد کے کلام سے بڑھی ہوی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں اس اظہار رائے پر مجبور ہوں کہ اگر اصل منشا ادب پر غور کیا جاے تو غالباً آگاہ کے عربی کلام سے کوئی اہم اضافہ عربی لٹریچر میں نہیں ہوا۔ اور ایک آگاہ پر کیا موقوف ہے خاک ہندوستان میں باوجودیکہ آگاہ و آزاد سے پیشتر بعض اور بڑے بڑے قادر الکلام عربی کے ماہر گزر چکے ہیں لیکن ان میں کوئی ایسا ادیب تلاش کیا جاے جس نے اپنی کوشش اور ذوق ادب سے مفید اضافہ عربی لٹریچر میں پیدا کیا ہو تو سواے مجدد العصر فخر ہندوستان شاہ ولی اللہ کے اور کوئی شخص نہ ملیگا۔ شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ جیسے بلحاظ اپنے مضمون کے اسلام کے مذہبی لٹریچر میں بنیاد و رسید اکرتی ہے اسی طرح عربی لٹریچر میں بھی ایک بیش بہا اضافہ ہے جس کی حکیمانہ جزالت سخن عربی ادبا کے کلام میں نظر آتی ہے نہ مذہبی مصنفین میں نہ معقولیوں میں۔ شاہ ولی اللہ صاحب بھی آزاد و آگاہ کے ہمعصر ہیں۔

فارسی لٹریچر فارسی لٹریچر میں بھی آگاہ کا دیوان موجود ہے اور اگرچہ وہ عربی سے کم ہے اور غالباً اُن کو فارسی کلام کیطرف وہ توغل نہیں تھا جو عربی کے

کیساتھ تھا تاہم اُن کے شاگردوں کی تعداد فارسی کی مشق کرنیوالوں میں
مستثنیٰ نظر آتی ہے۔ مدراس میں فارسی شاعری کی جو آخری بہار نظر آئی
اور جو ہندوستان میں فارسی کی آخر بزم تھی اس میں آگاہ کا بڑا حصہ شریک ہے
آگاہ کے استاد و مرشد قریبی کے ایک فرزند ذوقی تھے جو نہایت عالم
صاحب تصانیف اور شاعر بھی تھے۔ ان کا کلام نظم و نثر میں تین لاکھ بیت
تریب ہے۔ آگاہ کے سامنے ایک دفعہ انہوں نے ۷۰۰ شعر فی البدیہہ کہے
تھے۔ اِن کے انتقال کے بعد جو قطعہ ان کی مدح میں آگاہ نے لکھا ہے
وہ تمامہ درج کیا جاتا ہے جس سے ان کا فارسی طرز سخن معلوم ہوگا

ذوقی کہ از تراوش فیض زبان او — گلزار نظم و نثر بہ نشو نما رسید
عیسیٰ دمے کہ از نفس جانفزائے او — جانے بقالب سخن بے نوا رسید
خسروشے کہ شور رنے شکرین او — چوں شہرت دبیر فلک جا بجا رسید
افراخت چوں قصائد خود را بہ اوج عرش — خاقانی و نظیر بہ تخت الثریٰ رسید
از مہر مسطش کہ بلند است چوں نجوم — از بدر و شمس زمزمۂ مرحبا رسید
چوں نغمہ سنج شد بغزل خطیان ہند — گفتند ایں نوائے عنیب از کجا رسید
نبود عجب کہ چرخ زند قاضی فلک — از ہر ترانۂ اش کہ باوج سما رسید
در مثنوی محیط البش ریخت چوں گہر — گفتند اہل گنجہ کہ رشحے بما رسید
خاک زلالی از نم خجلت تر آمدہ ست — چوں موج ایں زلال بجاں ما روا رسید
در قطعہ و رباعی و ترجیع بند و فرد — فکرش بمنتہائے خیال رسا رسید
چوں دیدۂ او دل نشگفتہ بہار — گفتہ بغنچہ ہائے من اکنوں صبا رسید
ہر کس کہ بنگرد بتصوف تصرفش — گوید بہ پیر جام کہ صدر الوریٰ رسید
در منطق و بیان و معانی ز ربطی او — بس نکتہ بدیع بجد ادا رسید
ہر مشکل عروض و قوافی بفکر او — آساں شدہ بجائے خود و ہا بجا رسید
جانش بقصد اوج تقدس فشاند بال — زیں تنگنا بفسحت دار البقا رسید

واماندہ ام بدر ددل خود زمن مپرس ایں داغ ہجر تش کہ بجانم چہا رسید
تاریخ رحلتش چو طلب کردم از سروش
گو ہمدم حکیم نظامی ندا رسید
۱۱۹۴ھ

ان کی فارسی میں بھی عربیت کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔
ان کے ایک شاگرد میر امداد علی آمداد بلگرامی بھی ہیں جس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلگرام بھی ان کے اثر سے خالی نہ رہا۔ ان کے شاگردوں کے حالات تذکرہ گلزار اعظم سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مدراس کی فارسی شاعری پر ہم آیندہ کسی وقت لکھیں گے۔
فارسی میں آگاہ کے اور بھی متعدد تصانیف ہیں جو مختلف مذہبی مسائل پر لکھے گئے ہیں۔

اردو تصانیف

سب سے اہم چیز جو آگاہ کی لائف میں قابل تذکرہ ہے اور جس کے لئے ہم نے اُن کا تذکرہ لکھنا مناسب خیال کیا ان کی اردو تصانیف ہیں۔ ان کی کل تصانیف میں سے (جو عربی۔ فارسی۔ اردو میں لکھی گئی ہیں اور جو بحساب ابیات پچاس ہزار ابیات سے زیادہ ہیں) زیادہ تر حصہ اردو میں مذہبی تصانیف کا ہے۔
آگاہ کا زمانہ وہ تھا جبکہ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھر گیا تھا اور ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی تھی اور اسی لحاظ سے فارسی زبان کا چراغ بھی گل ہو رہا تھا۔ اردو وجود حقیقت ایک عرصہ سے ملک کی مادری زبان تھی۔ اہل علم کے پاس گویا تصنیف تالیف کے قابل نہ تھی۔ درحقیقت اس بیگانگی سے کہ مادری زبان میں کوئی علمی مواد موجود نہ تھا سخت نقصانات پہنچ رہے تھے خصوصاً عورتوں کے لئے تعلیم کا دروازہ

بالکل بند تھا - یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ فارسی زبان میں تعلیم حاصل کر سکتے جو درحقیقت مادری زبان نہ تھی اور اِس نقص کی وجہ سے سوسائٹی کی وہ زبون حالت ہو گئی جسکی آج تک اصلاح نہ ہو سکی - بہرحال سب سے پہلے اِس نقص کی اصلاح کی جس نے کوشش کی اور اِس کا صحیح علاج دریافت کر لیا - اور ایک حد تک اُس کی سعی مشکور ہوئی وہ مولوی محمد باقر آگاہ ہیں - مولوی محمد باقر آگاہ کو یہ اولیت حاصل ہے کہ وہی سب سے پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اردو زبان میں سیر و عقاید و فقہ کے متعلق متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں بعض خاصے ضخیم ہیں -

یہ کتابیں زیادہ تر نظم میں ہیں - چنانچہ بہشت بہشت جو اُردو میں فن سیر کی سب سے پہلی تصنیف ہے تمام نظم میں ہے - بہشت بہشت کی وہی زبان ہے جو ابتدائی دور کے شعرا کی زبان تھی - بہشت بہشت کے دیباچہ کا کسی قدر انتخاب یہاں نقل کیا جاتا ہے جس سے زبان کا انداز معلوم ہوگا

" بعض علماء متاخرین خلاصہ عربی کتابوں کا نکال کر فارسی میں لکھی "
" ہیں تا وہ لوگ جو عربی پڑھ نہیں سکتے ہیں اِن سے فائدہ پاویں "
" لیکن اکثر عورتاں اور تمام امتیاں فارسی سے بھی آشنا نہیں ہیں "
" اِس لئے یہ عاصی مطلب قسم اول کا بہت اختصار کے ساتھ "
" لیکر دکھنی رسالوں میں بولا ہے اور ہر رسالہ کے وزن "
" علحدہ ہونے سے خواہش وآرزو پڑھنے والوں کی "
" زیادہ ہووے چھے رسالے اول کے مع رسالہ "
" عقائد سنہ ایکہزار و یک سو اور اسی اور پانچ میں اور "
" ایکہزار و یک سو اور اسی اور چھ میں بنے ہیں پیچھے اِسکے "
" بہت ڈھیل ہوئی کیا واسطے کہ ایک رفیق باتوفیق جلیس "
" انیس کہ اِن رسالوں کا طالب اور ایسے خیر کے کام پر "

" راغب تھے سو رحلت کی حق تعالیٰ اُسپر رحمت کرے اور اُسے اپنی "
" مغفرت سے نوازے اور بہت موانع بھی درپیش ہوے ہر چند "
" اس اثنا میں بعض دوستاں واسطے دوسرے رسالوں کے بولے "
" پر اتفاق اُن کے بنانے کا نہیں ہوا آخر ابتدا سنہ ایکہزار "
" اور دو سو اور چھ میں رسالہ من درپن اور رسالہ من جیون بنایا گیا "
" اتفاق ہوا ان آٹوں رسائل میں تخمیناً آٹ ہزار اور چھے سو اپر "
" پچاس بیت ہیں اور سرخیوں کے سات نو ہزار بیت ہونگے "
" اور ان سب رسالوں میں شاعری من کیا ہوں بلکہ سادہ "
" اور سادہ کہا ہوں اور اُردو کے بھاکے میں نہیں کہا کیا واسطے کہ "
" رہنے والے یہاں کے اِس بھاکے سے واقف نہیں ہیں ای "
" بھائی یہ رسالے دکھنی زبان میں ہیں کر کر سہل اور سرسری "
" نجان کیا واسطے کہ بڑے معتبر کتب سے تحقیق کر کر لکھا ہوں اگر "
" وہ تمام کتاباں تو دیکھے گا یا کسی سے سنیگا تو تجھے قدر ان "
" رسالوں کی معلوم ہوی گی ×× اے بھائی اگر تجھے اِن رسالوں "
" میں کہیں شبہ ہوے تو اپنے وہم وگمان سے اعتراض نہ کر "
" بلکہ اُن سب کتابوں میں کہ اِن رسالوں کے اصل اور ماخذ ہیں "
" نظر کر کیا واسطے کہ میں بہت تحقیق و تدقیق کر کر لکھا ہوں - اِن "
" کتابوں سی بھی مقلداں کے مانند نہیں لیا ہوں بلکہ اِن میں جو واضح "
" تھا سو اخذ کیا ہوں "

آگاہ کی اُردو نظم کا کچھ نمونہ بھی اس موقع پر ذکر کر دینا ضرور ہے -
رسالہ ہفتم معجزات کے ذکر میں لکھتے ہیں -

بحول وقوت پروردگار اب — میں لکھتا ہوں اسے باختصار اب
بترتیب لطیف وحسن اسلوب — کہ جو دیکھے سو بولے ہے بہت خوب

اگرچہ معجزوں کے ذکر اندر ہیں نسخے بھوت (بہت) دکھنی ای برادر
ولے اکثر غلط اس کا بیاں ہے محدث پاس بھوت اسکا عیاں ہی
حدیثوں میں نہو جنکوں ٹھکانا حرام ہے اسکا پڑنا ہور (اور) پڑانا
لکھا میں اسلئے یہ نسخہ خوب باتین ہین وو جہ مرغوب
میں من درپن رکھا ہوں نام اسکا جلا دینا ہے دلکوں کام اس کا
جب اس سے حسن مطلق ہے نمودار ہوا یہ نام اسکے تیں سزاوار

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ علمی طور سے آگاہ نے ہی پہلے اردو میں سیر کی کتاب لکھی لیکن معجزات کے بہت سے رسالے اردو میں اس سے پہلے بن چکے تھے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ دراصل اردو گزشتہ زمانہ میں اس سے زیادہ زور پر تھی جیسا کہ اب تک خیال کیا جاتا رہا ہے۔ بہرحال جہاں تک علمی حیثیت سے معلوم ہوتا ہے آگاہ نے ہی پہلے اس کام کو شروع کیا اور جس مقصد سے یہ کام شروع کیا گیا تھا اس میں پوری کامیابی ہوئی۔ مدراس میں عام طور پر مانا جاتا ہے کہ عورتوں میں جو کچھ مذہبی علم پھیلا وہ انہی کتابوں کی وجہ سے تھا۔ اور ایک زمانہ تک ان کی کتابیں عام طور پر پڑھی جاتی رہی تھیں۔ آگاہ کے بعد جناب قاضی بدرالدولہ مرحوم و منفور نے اس کام کو پوری ترقی بخشی اور ان کے تصانیف جن کی زبان آگاہ کی زبان سے بلحاظ ارتقا تاریخی زیادہ صاف تھی۔ آگاہ کی کتابوں کو عام طور سے غیر مروج کر دیا بہرحال اولیت کا سہرہ آگاہ کو حاصل ہے اور نہ صرف دکن میں بلکہ کل ہندوستان میں آگاہ ہی سب سے پہلے اردو میں مذہبی تصانیف شائع کرنے والے ہیں جیسا کہ اُن کی کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۸۵ھ میں یہ کام شروع کر دیا گیا تھا جبکہ آگاہ کی عمر (۲۰) سال کی تھی اور زور طبیعت کے دکھلانے کا پورا موقع تھا۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ ۱۱۸۵ھ میں

لکھا تھا۔ اسوقت میرے سامنے کوئی ایسا مواد نہیں جس سے معلوم ہو کہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے کب ترجمہ کیا لیکن جہاں تک میرا قیاس ہے آگاہ نے ان سے پہلے ہی اردو میں اپنا کام شروع کر دیا تھا اور اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح نظم اردو کی اولیت کا فخر ولی دکھنی کو حاصل ہے اسی طرح اردو میں مذہبی بلکہ عام طور سے علمی تصنیف کا بانی آگاہ دیوری ہے اور گو آیندہ زمانہ میں دہلی و لکھنؤ میں اردو کے بڑے بڑے سرمایۂ ناز باعث فخر اشخاص پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ لیکن اس راہ کا کھولنے والا جس نے بلحاظ طرز تحریر زمانہ سب سے پہلے اسکی ضرورت سمجھی ایک مدراسی ہی تھا اگرچہ اسکے اہل وطن اپنی مردہ دلی سے جیسی چاہئے اسکو شہرت نہ دیسکے لیکن جوں جوں اردو لٹریچر کا دائرہ وسیع ہوتا جائیگا اور اسکی تاریخ روشنی میں آتی جائیگی اسکی اصلی بانیوں کی قدر و قیمت بھی بڑھتی جائیگی

محمد مرتضی

مولانا نے جس جامعیت اور تحقیق کیساتھ یہ مضمون لکھا ہے اس پر کسی طرح کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن باقر آگاہ کا کچھ انتخابی کلام کا پیش کیا جانا ضروری ہے۔ اسلئے ہم اس کمی کو پورا کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ تذکرہ معدن الجواہر میں لکھا ہے کہ علوم دینیہ میں توغل رکھنے کی وجہ سے شعر شاعری کی طرف زیادہ رجحان نہیں تھا لیکن بایں ہمہ جیسا کہ منقول ہے۔ اسقدر حاضر طبع اور سریع الفکر تھے کہ جب آزاد بلگرامی نے ان کا دیوان طلب کیا تو بہت ہی کم مدت میں ایک مختصر سا دیوان ترتیب دیکر بھیجا۔ ان کے کلام کی نسبت اسی تذکرہ میں لکھا ہے۔ "نثر فاضلانہ بہ نسبت نظم پاکیزہ ترمی نوشت" اس سے مولانا کی رائے کی جو آپ نے ان کے فارسی کلام کی نسبت دی ہے تصدیق ہوتی ہے۔ بہرحال تذکروں میں آگاہ کا کلام جسقدر دیکھا گیا ہے اُس میں سے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

در خاک ہم نزار لحد تو وا ریم پیچ و تاب سنبل چگونہ سر نکشد از مزار ما

شب کہ محراب نمازم خم ابروی تو بود — آیۃ النور بہ بکرار من از روی تو بود
شدہ ست کشتۂ ناز تو زندۂ جاوید — نخجوانی تو مگر آب زندگانی بود
گفتی چو ندر حسن تو کردم دل خویش — این غنچہ فسردہ نیاید بکار ما
ہر کہ از سلسلہ جنبانی عشق است آگاہ — فکرش از پیچ و خم سبحہ و زنار گذشت
گر بمیدانست اثر جذب محبت آگاہ — شمع را بر سر پروانہ چرا گریان کرد
پریروئیکہ از تاب خیالم ہی پردرنگش — چساں گیرم بآغوش نگاہ گرم خود تنگش

رباعی

ایران بقیاس ہر سقیم الافکار — رجحان دارد بہند جنت آثار
نشنیدہ کہ بر طبق احادیث آدم — در ہند فرود آمد و در ایران مار

عبد الباسط

غزل

انساں جو فرشتہ ہو لباس بشری میں — وہ آنہیں سکتا ہے قیاس بشری میں
سو مرتبہ جانچیں جو تری کہ حقیقت — سو نقص نکل آئیں حواس بشری میں
میں جسکا فدائی ہوں وہ انسان ہی لیکن — اک نور مجسم ہے لباس بشری میں
پھر کشمکش حسرت و ارماں کا مزا ہے — جب آس نکلی پوشیدہ ہو یاس بشری میں
الفت ہی کی بنیاد پہ قایم ہے یہ دنیا — الفت ہی کی مٹی ہے اساس بشری میں
کیوں ترک تعلق پہ مصر ہوتا ہے ناصح — شیطاں تو نہیں ہے تو لباس بشری میں
عصیاں کا ہو ڈر تو بندہی عفو کی امید — رحمت تری پنہاں ہے ہر اس بشری میں
کہنے نہیں دیتا بشریت کا تقاضہ — کیا کہئے کہ کیا کیا ہے قیاس بشری میں
بس حسن طلب چاہئے ملجائیگا سب کچھ — مخزن ہے مقاصد کا اساس بشری میں

ایسی ہی غزل پڑھئے سر معرکہ بازغ
سنتے ہی خلل آئے حواس بشری میں

عبد الحی بازغ

سوز | مرجانیکا قاتل لے زرالا دھب نکالا ہے | ہر اک سے پوچھتا ہے کس فن اسکو مار ڈالا ہے
جرأت | یہ بھی شوخی ہے کہ پوچھے ہے ترا حال ہی کیا | باوجودیکہ دوا گر ہے میرے حال سے خوب
" | میر افسانہ یہ یوں چتون بنا بیٹھے ہیں وہ | ذکر جیسے کوئی سنتا ہے کسی انجان کا
" | کیا کریں ناچار ہیں مطلب ہمارا ہے جو کچھ | ہم کہے جائینگے مشفق آپ ٹالے جائینگے
غالب | کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیئے | تمھیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیئے
" | بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک | ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا
ظفر | پڑھا تمام مرا نامہ اُس نے حرف بحرف | جو مدعا تھا مرا لیں وہی پڑھا نہ گیا

(۱۳) تاثیر صحبت (۳)

میر | کافروں سے مل کے مسلمان کیا رہے | ہو نحوط جو اُن سے تو ایمان کیا رہے
شہید | صحبت کامل سے ناقص ہو نہ کامل ہے محال | جب ملا اکسیر سے اکسیر تانبا ہو گیا
" | شیخ جی سچ ہے کہ ہوتا ہے اثر صحبت کا | خشکی زہد نے چھوڑی نہ تری شیشے میں

(۱۴) تحقیر نکرو (۷)

ذوق | اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھیے | سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں
میر | شریف مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ | یہ میر اب جو گدا ہے شراب خانے کا
" | جاتی ہے نظر خس پہ کہ چشم پریدن | یاں ہم نے پر کاہ بھی بیکار نہ پایا
معصفی | عجب کیا کام بیقدروں سے نکلے گا امیر اپنا | رفوے شال ہے موقوف اک اُدھی کی سوئی پر
مومن | آپ کی کون سی بڑھی عزت | میں اگر بزم میں ذلیل ہوا
ظفر | جو کہ ہے تجھ سے سوا اُسکو تو حیرت سے نہ دیکھ | اور جو تجھ سے ہو کم اُسکو حقارت سے نہ دیکھ
شہید | دیکھنا چشم حقارت سے نہ ہمکو منعموں | فقر کی دولت پہ کرتے ہونگے ان کو اس کا

(۱۵) تلاش راہبر (۳)

میر | قریب دیر خضر آئے تھے لیکن | ہمیں رستہ نہ کعبے کا بتایا
غالب | چلتا ہوں چند گام ہر اک تیز رو کیساتھ | پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
" | کیا کیا خضر نے سکندر سے | اب کسے رہنما کرے کوئی

(۱۶) تقلید (۴)

وحید — کرے کیا فائدہ ناچیز کو تقلید اچھوں کی — کہ جم جانے سے کچھ اولا تو گوہر ہو نہیں سکتا

ذوق — ناقص کا صفا کیش کو مطلب نہ بر آئے — جو کور ہو عینک سے اُسکو نظر آئے

〃 — وہی زیبا ہے اُسکے واسطے جو قطع جسکی — نکل سکتا ہے کوئی آستیں کا کام دامن سے

شہید — تقلید کب پہنچتی ہے تحقیق کو شہید — ہندی ہیں شعر کہتے ہیں ہندی زباں میں ہم

(۱۷) تعلقات دنیا (۴)

سودا — رکھے ہی سرنگوں اس باغ میں کثرت تعلق کی — ثمر کا بیشتر ہونا جھکا دیتا ہے ڈالی کو

غالب — تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد — سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

ذوق — ممکن نہیں ہے ذوق علایق سے چھوٹنا — جبتک کہ روح کو ہے تعلق بدن کیساتھ

شہید — فارغ ہوے دو جہاں سے پر بھی — حاصل نہوا فراغ دل کا

(۱۸) ترک آرایش ظاہری (۸)

میر — سیرت سے گفتگو ہے کیا مقتضے صورت — ہے ایک سو کبھی لکڑی جو بو نہو اگر میں

سودا — جامہ زیبوں کو تو زینت نہیں درکار اسود — کیا ہے حاجت کوئی گل کا جو سنوارے دامن

قایم — یہاں چاہیئے ہے زینت ظاہر کسے کہ ہے — عریاں تنی میں مثل گہر آبرو مجھے

ممنون — بلند طبع نہ ہو محو چتر سلطانی — برہنگی سر خورشید ہے تاج نورانی

سودا — کہ سلیماں سے نگیں پر اپنے تو نازاں نہو — پیش ارباب ہم یہ دست زر رنگ ہے

حسن — میلے کپڑوں پر نجا دل چاہیئے ایماندار — کاغذ کہنہ سے رتبہ کم نہو قرآن کا

ذوق — جان لباسیوں کے نہ ظاہر لباس پر — عاری عباے ہوش و قبای خرد کہیں

شہید — اکدم کی زندگی کے لئے کیا کروں لباس — ہے جوں حباب جزو بدن پیرہن مجھے

(۱۹) تکلف (۶)

ذوق — اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر — آرام میں وہ ہے جو تکلف نہیں کرتا

شہید — آداب و رسم و تمکیں اتنے نہیں ہیں دلکش — جیسے کہ خوشنما ہیں الوار بے تکلف

(۲۰) تسلی و بشارت (۴)

سوز پھر بہار آئی ہے تجھ میں اے گلستاں غم نکھا — وہ چلی آتی ہے فوج عندلیباں غم نکھا
" میں تو مر جانے کے قابل تھا مرا اچھا ہوا — تم خدا کیواسطے اسکا نہ ہرگز غم کرو
" چمن سے پھر صبا نے بوئے گل بھر لی ہے کالی — مبارکباد دو اب عندلیبوں کو بہار آئی
شہید ہر طرح صبح آج کی ہو جائیگی شہید — جس طرح سے گزر گئی بے یار کل کی رات

ترک مدعا

(۲۰) (۵)

میر آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں — تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
سوز نہ ہو آرزو آرزو کی جہاں میں — اگر آرزو ہے یہی آرزو ہے
معنی برائے سینہ خراشی جو خار رہا تھا آتا — تو اس چمن میں نہ ہم گل کی آرزو کرتے
غالب گر تجھکو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ — یعنے بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ
شہید اب مدعا یہی ہے کہ کچھ مدعا نہ ہو — اس کے سوا کچھ اور مرا مدعا نہیں

توبہ

(۲۱) (۱)

مومن ہوئے جو ہجر میں تائب تو کیا ہی ہے خوبی بلا — کسی نے توبہ جو عہد شباب میں کی ہے

تذکرہ

(۲۲) (۵)

درد یار و مرا شکوہ ہی بھلا کیجئے اس سے — ذکر کسی طرح سے جا کیجئے اس سے
غالب گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ — ذکر میرا مجھسے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
" تا ہمکو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا — سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
" غالب ترا احوال سنا دینگے ہم اُن کو — وہ سن کے بلا لیں یہ ادا رہ نہیں کرتے
" ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں — غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

تغافل

(۲۳) (۷)

میر مجھکو پوچھا بھی تو یہ کون ہے غمناک ہنوز — ہو چکا حشر میں پھر تا ہوں جگر چاک ہنوز
صبا کا برا ہو جسکی تغافلوں سے — کٹی قفس میں گزری ساری بہار مجھکو
غالب ہمنے مانا کہ تغافل نکروگے لیکن — خاک ہو جائینگے ہم تمکو خبر ہونے تک
شہید بیمار محبت کی ہے گو اور خبر آج — اب تک وہی عالم ہے وہاں بے خبری کا

شہید — تب اک ٹک کو تو نے دیکھا اسکو ای آرام جاں — سانس آئی جب شہید نیم جاں لینے لگا
" — مرا نالہ بر نگ شور بلبل جا بجا پہنچا — چمن میں کان تک تیرے نہ فرشک گل ندا پہنچا
" — فغان و نالۂ بلبل سمک سے تا سما پہنچا — چمن میں کان تک گل کے مگر ہی نہ جا پہنچا

(۲۴) (۱)

تجربہ

ظفر — برسوں دشت جہالت میں گمراہ بھٹکتے پھرتے ہیں — کھائی ٹھوکر جب آئی ہیں عقل و شعور کے رستے پر

(۲۵) (۸)

شکوہ

میر — کیا غضب ہے آشنا کا ہے گیے نا آشنا — یا تو بیگانے ہی رہیے ہو جیے یا آشنا
" — ملتے ملتے منہ چھپانا یہ لطیفہ ہے نیا — آشنائی یا نہ کیجے ہو جیے یا آشنا
درد — دل نے تیرا ہی ڈھنگ سیکھا ہے — آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
" — گرچہ بیزار تو ہے پر اسے کچھ پیار بھی ہے — ساتھ انکار کے پردے میں کچھ اقرار بھی ہے
سوز — آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے — میں تو اس کی ہر آن کے صدقے
قایم — کس بات پر کروں میں ترے اعتبار کا — اقرار اک طرف ہے تو انکار اک طرف
ظفر — ہمارا میل ہو کیا اس سے جس کی باتوں میں — کبھی ہو کلف کا میل اور کبھی عتاب کا میل
شہید — اک پل نہیں قرار پہ رہتا ترا مزاج — تو رنگ ہے جہاں میں شبیہ و فراز کا

(۲۶) (۱)

توحید

درد — وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے — آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

(۲۷) (۸)

ترک خیال غیر

سوز — روز اول سے سوز تمھارا غلام ہے — مشرب میں اس کے غیر سے ملنا حرام ہے
قایم — جو کوئی در پہ ترے بیٹھے ہیں — دونوں عالم سے پرے بیٹھے ہیں
ظفر — جبکہ نا آشنا ہوں میں سب سے — تب کہیں اس کی آشنا کچھ ہوں
" — چھوڑ کسکی دوستی کو دوستداری ایک کی — ایک کا ہو یار نبہہ جائیگی یاری ایک کی
" — تیری یاری میں گیا سب ہمی یار و نکلا پ — ایک ملنے سے ترے چھوٹا ہزاروں کا ملاپ
شہید — ہیں جو آشنا ترے ای شوخ بے وفا — بیگانے ہمسے ہو گئے سب اور سب سے ہم

شہید — کام کی ہے تو خدا کی جستجو — دوسرے کی جستجو اچھی نہیں
〃 — محو کلام دوست کو افسانہ کیا ضرور — اُلیوں غیر کی سنے دل دیوانہ کیا ضرور

(۲۸) (۱)

تامل

ظفر — ہوا کہنے سے لکھنا معتبر باعث تامل کے — اُلٹ چلتی ہے زباں جلد اور قدم آہستہ آہستہ

(۲۹) تنہائی و شب جدائی (۲۲)

میر — اے تجھ بغیر لالہ و باغ و بہار حیف — گل سے چمن بھرے ہوں نہ ہو تو ہزار حیف
سودا — وہ ہم نہیں جو کریں سیر بوستاں تنہا — بہشت ہو تو نہ منھ کیجے باغباں تنہا
قائم — ہوتی نہیں شمار نفس میں کہیں تمام — یارب یہ شب ہے یا کوئی روز حساب ہے
ممنون — ہوا ہے کیا پہاڑ اللہ اکبر روز تنہائی — نہ کٹتا ہے نہ گھٹتا ہے نہ ہٹتا ہے نہ ٹلتا ہے
درد — گل و گلزار خوش نہیں آتا — باغ بے یار خوش نہیں آتا
جرأت — نہ آیا اور کچھ اس چرخ کو آیا تو یہ آیا — گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجراں کا
〃 — غم فراق سے کٹتے ہیں یوں ہمارے دن — اُلٹ لوگ دیکھتے ہیں دست و پا کو سارے دن
〃 — گئی ہو جب ہی تم یاں سے نہیں سدھرتے ہیں — نہ جینے کی نہ مرنے کی نہ آنے کی نہ جانے کی
〃 — وہی لیل و نہار اور وہی زمین و آسماں وہی — پھر اُس بن ہو گئی کچھ اور ہی صورت زمانے کی
〃 — لطف بے یار ہمیں سیر گلستاں کب دے — دیکھنے دیدۂ گریاں گل خنداں کب دے
〃 — تم ہو اور غیر ہیں اور انجمن آرائی ہے — میں ہوں اور درد ہے اور گوشۂ تنہائی ہے
مصحفی — شاہد رہیو تو اے شب ہجر — جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی
〃 — اپنی تو رات گریہ و زاری میں کٹ گئی — اور یوں ہی کچھ ستارہ شماری میں کٹ گئی
〃 — اے شب ہجر کہیں تیری سحر ہے کہ نہیں — نالۂ یتیم شبی تجھ میں اثر ہے کہ نہیں
غالب — کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے — مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
〃 — دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں — خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
〃 — وحشت آتش دل سے شب تنہائی میں — دود کی طرح رہا سایہ پہ گریزاں مجھ سے
مومن — نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی — گو بہت طاقت آزمائی کی

ظفر — کوئی تو ہمدم شریک رنج و راحت چاہیے — لے ہنسی ہی ایک کی اچھی نہ زاری ایک کی
شہید — صبر و تسکیں ہے اب نہ تاب و تواں — درد فرقت سہا نہیں جاتا
〃 — شب ہجر کی نہ یاں کوئی ہمدم نہ تھا انیس — مونس جو تھا تو اک غم ہجراں تمام رات
〃 — دل میرا ہلتا ہی نہیں اب تو شہید آہ — لے یار کروں سیر چمن خاک چمن میں

(۳۰) تفرقہ عالم (۲)

سوز — بل کہیں تنگ کہیں اور ہم کہیں — کیا یہ دل جلے نہ ہوے ایکدم کہیں
قایم — کیا جانے ہم کہاں ہیں اور دین و دل کدھر ہے — عالم میں تفرقہ ہے کس کی کسے خبر ہے

(۳۱) ترک ملاقات (۲)

میر — آئے ہیں میر منہ کو بنائے خفا سے آج — شاید بگڑ گئی ہے کچھ اس بیوفا سے آج
〃 — تمکو تو التفات نہیں حال زار پر — اب ہم ملیں گے اور کسی مہربان سے

(۳۲) ترک خودی و خود فراموشی (۱۰)

میر — خردمندی ہوئی زنجیر ورنہ — گزرتی خوب تھی دیوانہ پن میں
درد — غافل خدا کی یاد نہ مست بھول زینہار — اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے
〃 — غیر سے کیا معاملہ آپ ہی اپنی دام میں — قید خودی نہو اگر پھر تو عجب فراغ ہے
انسی — حرم اور دیر میں یکساں ہے جلوہ دوست کا لیکن — یہ بینائی ہی اپنی مانع دیدار ہوتی ہے
غالب — ستایش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضوان کی — وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاق نسیاں کا
سوز — بے خبر آپ سے رہتا ہے بڑی باخبری — سوز کرتا ہوں خبر تجھ کو خبردار نہیں
〃 — گر مجھکو خبر ہوتی بیداری میں ہے آفت — سوتا ہی پڑا رہتا بیدار نہ ہوتا میں
شہید — خودی اٹھی تو پردہ خلق کا اٹھ جاے سب لیکن — یہ پردہ اب تو آگے سے نظر کے اٹھ نہیں سکتا
〃 — یاد وہی عمر تھی یا خواب تھا بیہوشی کا — ناکجا شکر ادا کیجے فراموشی کا
〃 — سیر اقلیم فنا کوکب ہے پا پر ضرور — منزل وارفتگی کو کچھ نہیں ہے سر ضرور

باب التا

(۱) ثابت قدمی (۵)

صفی سر کے قدم نہ لا کہ پڑے سر پہ تیغ ظلم — شکر خدا کہ ٹھہرے رہے امتحاں میں ہم
" تجھ غم نہیں منزل پہ پہنچ جائینگے ہم بھی — گو راہ ابھی دور ہے جی کا ہیکو ہاریں
شہید سنو کو نہیں اشتیاق میں دور اجلا — چھوڑا نہ ساتھ قیس نے پرسار بان کا
" سو بار اسپہ برق گری بہ صفیر باغ — پر خار و خس جلا نہ مرے آشیان کا
" آئیں کب تشکل نقش پا مٹ تیرے کوچہ کی — ہے تمنا گو آسماں لیکن کوئی ہم یاں سی ملتی ہیں

باب الجیم

(۲) جیسے کے ساتھ ویسے (۵)

ذوق لڑتے جوں کو نہیں ہم تو سخن میں سبقت — پر وہی ہم سے سنیگا جو کہیگا ہمکو
" بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے — ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہی ویسی سنے
ظفر وہی صلاح ہماری ہے جو ہو ان کی صلاح — اگر مزاج میں شر داں نہیں تو یہاں بھی نہیں
شہید جو تم کہو گے جس کو وہ بھی کہیگا تمکو — لعنت جواب لعنت رحمت جواب رحمت
" اٹھاؤں ناز تمھارا میں کچھ غلام نہیں — جو تمکو مجھسے تو مجھکو بھی تم سے کام نہیں

(۳) جذب دل (۳)

میر لایا مری مزار پہ اسکو یہ جذب دل — جس بیوفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا
نصیر یہ کھینچتا ہے کوہ کو وہ کاہ کو نصیر — دل کی کشش کا ہو مرے کیا کہر باٹھکانے
غالب خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے — کہ جتنا کھینچتا ہوں اتنا کھنچتا جائے ہے مجھسے

(۴) جد و جہد (۱)

شہید جو دل ہو صورت سیماب بیقرار تلاش — شہید جھوٹ ہی یہ بات کیمیا نہ ملے

(۵) جنت میراث آدم (۱)

شہید باغ جنت سے مجھے کوئی نہ روکیگا شہید — بالیقیں باپ کا گھر ہوگا پسر کی میراث

(۶) جسکا حال وہی جانے (۲)

سوز	خدا ہی جانے یا دل جو گزرتی ہے مرے دل پر	بلا درد دروں سنی کسی کی کیوں واقف ہو
〃	جو دل پہ ہی گزرتی اسکو خدا ہی جانے	کس سے بیاں کروں میں اور سمجھے ہی کون ناچار

جوانی

(۶) (۱۱)

تاباں	عیش سب خواب آتے ہیں جب تک جوانی ہے	مردہ دل وہ ہوتا ہے جو کہ شیخ فانی ہے
میر	دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا	جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا
〃	دیں عمر خضر موسم پیری میں تو نہ لے	مرنا ہے اس سے خوب ہی عہد شباب میں
سوز	جوانی ساتھ اپنے لے گئی اسباب عشرت کا	کہاں محفل کہاں مینا کہاں مطرب کہاں ساقی
جرأت	چلی منہ موڑ کر تو اے جوانی	ہمیں یہ ولولے اپنے دکھا کر
قایم	قایم شباب ہی میں مناسب تھا سودۂ عشق	جانے دے اب یہ کام کہ وہ ولولے گئے
مصحفی	ساقی شراب لا یا مطرب رباب لا یا	مجھ پر تو اک قیامت عہد شباب لا یا
ذوق	جنت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا	پیری ہے پہلے مرگ سے ہونا عذاب کا
ظفر	دیکھ غنچہ کو ہے آخر مثل گل پژمردگی	پیر یہ ہنستا ہے کیا تو اے جواں بیفائدہ
شہید	نوجوانی شہید کیا ہوئی ہائے	کیا ہوا وہ سرور کا عالم
〃	اے جوانو مزہ جوانی کا	وقت پیری ہمیں ہوا معلوم

چرب زبانی

(۷) (۱)

ظفر	اس دور میں جو کرتے ہیں کچھ چرب زبانیاں	جلتے ہیں ظفر گھی سے کہ چراغ انکے گھروں میں

باب الحا

حرص و طمع

(۸) (۱۹)

سودا	آرام پھر کہاں ہے جو ہو دل میں جا حرص	آسودہ نہ ہو چرخ نہیں آشنائے حرص
〃	اے مرغ دل سمجھ کے تو چشم طمع کو کھول	تو نے سنا ہے دام جو ہی وہ دانے میں
بیباکی	سودا اپنے دل میں نہ تو بہر سو کب تک	آوارہ ازیں کوچہ باں کو کب تک

تیار کردہ تھی۔ یورپ کے سوہنا اور عظیم الشان کلوں کے مقابل روز بروز قدیم طریقہ سے کام کرنے والے لوہاروں کو شکست ہو رہی ہے۔ اور آہنی سامان نہایت کثرت سے ملک میں آنے لگا ہے۔ حقیقت میں یہ امر بالکل غیر ممکن ہے کہ انسانی ہاتھ اسقدر جلد اور اسقدر کم خرچ میں ایسا عمدہ کام کر سکے جو یہ کلیں کر رہی ہیں اشیاے فولادی قدیم زمانہ سے ممالک محروسہ میں لوہے کے معادن کی کثرت کی وجہ سے بہت سے مقامات پر فولادی اشیاء تیار کئے جاتے تھے ضلع آصف آباد کے متعدد مقامات مثل نرمل، یلغڑپ وغیرہ۔ اور ابراہیم پٹن (ضلع محبوب نگر) خاص طور پر مشہور تھے۔ سب سے زیادہ مشہور اور عمدہ مقام کنا سمندرم (تعلقہ آرمور ضلع نظام آباد) تھا جسکی دھوم زمانۂ گزشتہ میں دور دور تک تھی اور ہندوستان ایران وغیرہ میں اعلیٰ درجہ کا خیال کیا جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایران میں متعدد مرتبہ کوشش کی گئی تھی کہ کنا سمندرم کے فولاد کا مقابلہ کیا جاے مگر کامیابی نہ ہو سکی تھی۔ قدیم دمشقی تلواریں جنکی شہرت دنیا بھر میں مچی ہوئی ہے انکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دکن کے فولاد ہی سے بنائی جاتی تھیں۔ یورپ کے کلوں اور اٹھارہویں صدی کے شورشوں نے نہ صرف اس صنعت کو تباہ کر دیا بلکہ ہنرمند کاریگروں تک کو فنا کر دیا۔ اس صنعت میں دیگر دستکاریوں کے مقابل جو زیادہ تر زوال ہے اُسکی ایک بڑی وجہ ہتیاروں کا استعمال بہت کم ہو جانا ہے۔ جب ہتیار ہی کی مانگ نہیں رہی تو پھر فولاد کیونکر مثل سابق تیار ہو سکتا ہے۔

فولاد سے جو ہتیار، چاقو، قینچی، سہروتے، تار، وغیرہ تیار ہوا کرتے تھے اُن سب کا اجمالی بیان حسب ذیل ہے۔

ہتیار۔ ایک صدی بلکہ چالیس پچاس سال پیشتر تک ممالک محروسہ کے ہر ایک مقام میں ہتیار بنائے جاتے تھے۔ حیدرآباد۔ جگدیو پور۔ گدوال۔ کھم۔ اورنگ آباد۔ بیدر۔ ونپرتی۔ اودگیر۔ بیڑ۔ ورنگل۔ وغیرہ کو

خاص شہرت تھی لاکھوں ہتیار ہر سال تیار ہوا کرتے تھے اور چونکہ تمام رعایا ہتیار بند ہوتی تھی اسلئے فروخت بھی ہو جاتے تھے اور دوسرے ملکوں میں بھی فروخت کیلئے جایا کرتے تھے۔ مغرب کی حکومت نے ایک نیا اور پرامن دور کل ہندوستان میں پیدا کیا اور اس کے معاوضہ میں برٹش رعایا سے ہتیار لے لئے گئے ہیں۔ اور قانون اسلحہ جاری کیا گیا ہے اگرچہ قلمرو آصفی میں کوئی قانون اسلحہ جاری نہیں ہے تاہم چونکہ جنگ وجدل کا کوئی کام نہیں پڑا کرتا اور نیز یورپین آتشین اسلحہ کے مقابل پرانی وضع کے ہتیار زیادہ کام نہیں آتے اسلئے بتدریج ان ممالک محروسہ سے ہتیاروں کا استعمال موقوف ہوتا جارہا ہے۔ لاکھوں اشخاص کو اس امر کا علم تک نہیں کہ ہتیار کو ہاتھ میں کسطرح لینا چاہئے۔ اگرچہ کاریگر موجود ہیں جو عمدہ ترین ہتیار بنا سکتے ہیں مگر ان سب نے یا تو اپنا پیشہ چھوڑ دیا ہے یا صرف چاقو، قینچی بناتے پرانے ہتیاروں کو صاف کرتے اور باڑ دیتے ہیں۔ شاید ہی کوئی مقام ہوگا جہاں نئے ہتیار بنتے ہوں۔ اور چند سال تک یہی حالت رہی تو کاریگر بھی باقی نہ رہینگے۔ اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا کہ ممالک محروسہ میں جو ہتیار ہوا کرتے تھے انکا مختصر تذکرہ کر دیا جائے تاکہ نئی نسل کو معلوم ہو کہ مارشل اسپرٹ کے زمانہ میں کسقدر ضرورت ہتیاروں کی ہوا کرتی تھی۔

سب سے زیادہ مروج ہتیار جو کثرت سے تیار کیا جاتا تھا تلوار ہے تلوار کی بہت سی قسمیں ہیں جنکی قیمت پانچ روپیہ سے پانچہزار روپیہ تک ہوا کرتی تھی قیمت کی زیادتی جوہر و فولاد کی عمدگی قدامت اور روایات تاریخی پر منحصر ہوتی تھی عمدہ تلواریں کناسمندرم کے فولاد سے بنائی جاتی تھیں عمدہ قسم کی تلواروں کے نام حسب ذیل ہیں۔

جوہر دار۔ یہ کناسمندرم کے فولاد سے تیار ہوتی اور سب سے زیادہ قیمتی ہوتی تھی

سروہی۔ ہلکی اور خدار تلوار جو جگدیو پورا علیٰ درجہ کے فولاد سے بنائی جاتی تھی اسکو اکثر راٹھور استعمال کرتے ہیں۔

تیغہ - وزنی اور چوڑی تلوار جو عام طور پر مستعمل ہے اور معمولی فولاد سے بنائی جاتی ہے -

عباسی - ایرانی وضع کی تلوار جو عمدہ فولاد سے تیار ہوتی ہے - اور بالکل ایرانی تلوار کے مشابہ ہوتی ہے - اُسکو مغل زیادہ استعمال کرتے تھے - یہ سیدھی اور چوڑی ہی ہوتی ہے -

اصیل - اِس کی کئی قسمیں ہیں بعض سیدھی ہوتی ہیں - اور بعض کسیقدر خمدار بعض اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں اور بعض معمولی - ہر طبقہ میں اِسکا استعمال مروج تھا جگدیو پور میں یہ بنا کرتی تھی -

مصری - عمدہ فولاد کی تلوار ہر کہیں بنتی تھی - دھار بہت تیز ہوتی ہے شرفا میں استعمال تھا -

دھوپ - بہت عمدہ فولاد سے تیار ہوتی ہے - دھار بہت تیز اور چوڑی ہوتی ہے - ہلکی بھی ہوتی ہے - امرا و معززین میں اِسکا استعمال تھا -

فرنگ - یوروپین قدیم تلواروں کے وضع کی جو معمولی فولاد سے تیار ہوتی تھی - بہت وزنی اور چوڑی ہوتی ہے - اِسکا استعمال پھکیت اور تلوار کے ہنر جاننے والے کرتے تھے -

پٹہ - پرانی وضع کی تلوار جو بہت عمدہ فولاد سے بنائی جاتی تھی - اِسکے ساتھ فولادی دستانہ لگا ہوتا تھا جو کہنیوں تک ہوتا ہے اور پرانے ہتیاروں کے ذخیروں میں نظر آتی ہے -

نوازخانی - یہ بھی قدیم وضع کی تلوار ہے اور اچھے فولاد کی ہوتی ہے - دوسری تلواروں کے خلاف جسکا خمیدہ حصہ تیز ہوتا ہے اِس تلوار کا اوپر کا رخ باڑدار ہوتا ہے

سیلاپہ - یہ عرب اور شام کی بنی ہوئی تلوار ہے جسکو عرب لائے تھے اور اعلیٰ درجہ کی سمجھی جاتی تھی اور اب بھی بڑی قیمت سے فروخت ہوتی ہے

عرب و شام میں یہ تلواریں کناسمندرم کے فولاد سے بنائی جاتی تھیں دکن میں بھی انکی نقل بنائی جاتی تھی۔

نیچہ۔ معمولی فولاد سے تیار ہوتی ہے اور نصف پیمانہ کی ہوتی ہے۔

اِن تلواروں کے ماسوا کرچ اور نئے یوروپین طرز کی تلواریں بھی کچھ زمانہ پیشتر تیار ہوتی تھیں۔

تلوار کے علاوہ چھوٹے ہتیاروں کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

جمبیہ۔ یہ دو دھار والا خنجر ہے جسکا پھل ۷ انچ طویل اور ۴ انچ عریض ہوتا ہے۔ اور عربوں میں مستعمل ہے اِسکی قیمت ۵ سے ۵۰ تک ہوتی ہے پہلے حیدرآباد میں نرمل کے فولاد سے بنتے تھے۔

سکین۔ ایک قسم کا چاقو جسکا پھل خمدار ہوتا ہے قیمت ۵۰ تک ہوتی ہے یہ بھی عربوں میں مستعمل ہے۔

کٹار۔ پٹھانوں کا ہتیار ہے۔ اِس کے بھی دو دھار ہوتے ہیں۔ پھل ۶ انچ سے ایک فٹ تک طویل اور دو تین انچ عریض ہوتا ہے۔ قیمت ۵۰ سے ۵۰ تک ہوتی ہے۔

پیش قبض۔ روہیلوں کا ہتیار۔ یہ بھی ایک قسم کا خنجر ہے جس کا پھل ایک فٹ طویل ہوتا ہے اور دھار ایک ہی رہتی ہے قیمت آٹھ روپیہ سے پچاس روپیہ تک ہوتی ہے۔

بانک۔ یہ ایک قسم کا خنجر جو آٹھ انچ لانبا اور خمدار ہوتا ہے۔

بچھوا۔ ۶ انچ لانبا ہوتا ہے۔

چھرا۔ (بڑی چاقو) جو دو فٹ تک طویل ہوتا ہے۔

خنجر۔ مشہور ہتیار جو جمبیہ کی طرح ہوتا ہے اور عربوں، مغلوں وغیرہ میں مستعمل ہے۔

ایک قسم کا چھوٹا خنجر ۶ انچ طویل ہوتا ہے عربوں میں مستعمل ہے

صفدرہ - سنانی کے قریب قریب ہوتا ہے
قرولی - چھوٹا ہتیار جو چار انچ طویل ہوتا ہے -

بندوقیں میسوں وضع کی اور توپیں متعدد قسم کی پہلے بلدہ حیدرآباد - بیدر - گلبرگہ - اور اُن سب مقامات میں جہاں جنگ و جدل سے کام پڑتا تھا اور مستقر سلطنت سے تیار ہوا کرتی تھیں - اور اُن کے بنانے میں یوروپین کاریگروں سے بھی کام لیا جاتا تھا اب اِن سب کا بنانا موقوف ہو چکا ہے - قدیم زمانہ کی بنی ہوئی بڑی بڑی توپیں جو ویران قلعوں میں رکھی ہوی ہیں اب بھی دیکھنے والوں کو متحیر کر دیتی ہیں -

یہ ہے ایک نہایت مختصر خاکہ پرانے زمانہ کے ہتیاروں کا - مگر اب جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے - نئے ہتیاروں کا بننا بنانا موقوف ہو چکا ہے - صرف پرانے ہتیاروں کی ہی تجارت ہوتی ہے - مگر اُن کے گاہک بھی زیادہ تر یوروپین شوقین ہیں جن کے پاس بعض عرب وغیرہ فروخت کرتے ہیں - نمایش گاہ چکاگو میں پیش کرنے کے لئے ایک یوروپین کمپنی نے ہزاروں روپیہ کے ہتیار خریدے تھے

تلوار و خنجر وغیرہ کے فولادی قبضے حیدرآباد - اورنگ آباد - گدوال وغیرہ میں نہایت عمدہ اور خوبصورت تیار ہوتے تھے - جس پر طلائی - نقروی - پچے کاری - میناکاری کام کیا جاتا تھا - اور اُس کی خاص شہرت دور دور تک تھی - اور اب بھی فرمایش وغیرہ پر تیار ہو سکتے ہیں -

گپتی - اب ضلع بیڑ میں اچھی بنائی جاتی ہے - پہلے ہر کہیں تیار ہوتی تھی -

جنگی ہتیاروں کے ماسوا خانہ داری کے چھوٹے چھوٹے ہتیار مثل چاقو قلم تراش - استرہ - قینچی - سروتہ وغیرہ بیشتر کثرت سے تیار ہوتے تھے - مگر یوروپین فولادی اشیا نے اُن کی قدر و قیمت گھٹا دی ہے - تاہم اب بھی اکثر جگہ یہ ہتیار تیار ہوتے ہیں - اورنگ آباد میں چاقو - قینچیاں - استرے - قابل تعریف بنتے ہیں - ایک دکان میں جو اشیا تیار ہوتی ہیں وہ ولایتی چیزوں کا

مقابلہ کرتی ہیں۔ ضلع بیڑ میں بھی اچھا کام ہوتا ہے۔ تعلقۂ حکم ضلع عثمان آباد میں سروتے اچھے ہوتے ہیں۔ حیدر آباد میں ہنر مند کاریگر ہیں جو نہایش پر عمدہ چاقو وغیرہ تیار کرتے ہیں۔ دوسرے بڑے بڑے قصبوں میں معمولی کام ہوا کرتا ہے۔ فولادی تار جو ستار و آلات موسیقی پر لگایا جاتا ہے حیدر آباد میں نہایت مضبوط تیار ہوتا ہے۔ "مولوی سید جلال صاحب نے اپنے مضمون صنائع دکن میں جو رسالہ صحیفہ میں چھپا ہے یہ لکھتے ہیں کہ غلام حسین صاحب نامی کوئی باکمال حیدر آباد میں ہیں وہ فولادی تار بناتے ہیں جو فی تولہ ایک اشرفی تک فروخت ہوتا ہے۔

اشیائے جست۔ اورنگ آباد میں جست کی صراحیاں۔ گلاسیں۔ تھالیاں وغیرہ سبک اور خوش وضع تیار ہوتی ہیں۔ مگر یورپ و مدراس میں بنے ہوئے کانچ و الیومینیم کے برتن جست کے بنے ہوئے سامان کی مانگ کو روز بروز گھٹا رہے ہیں۔

اشیائے بیدری۔ ممالک محروسہ کے مشہور ترین مصنوعات میں بیدری برتن بھی داخل ہیں۔ یہ اُن خانہ داری کے برتنوں کا نام ہے جو متعدد دھاتوں کو ترکیب دیکر بیدر میں بنائے جاتے ہیں اور اُن پر چاندی کی پچی کاری کا کام کیا جاتا ہے۔ اور بیدایش مسیح سے چار صدی پیشتر اس صنعت کا آغاز پہلے پہل بیدر ہی میں ہوا تھا۔ اور وہیں کے ایک راجہ نے اس کو ایجاد کیا تھا۔ اور اسی مناسبت سے یہ بیدری برتن کے نام موسوم ہو گئے۔ اس کے بعد سے مسلسل اُس میں ترقی ہوتی ہی رہی۔ جب مسلمان دکن میں آئے اور بیدر دکن کا اسلامی دار السلطنت قرار پایا تو انہوں نے بھی اپنی توجہ اسکی جانب کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس صنعت میں بہت کچھ ترقی ہو گئی اور دور دور تک اسکا شہرہ ہونے لگا۔ یورپ تک میں قدر ہونے لگی۔ اور رفتہ رفتہ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی اس کام کے جاننے والے موجود ہو گئے۔ بیدری

برتنوں میں حقے۔ اگالدان۔ پاندان۔ صراحیاں۔ آبخورے۔ آفتابے۔ سیلابچیاں رکابیاں۔ تھالیاں۔ کٹورے۔ ڈبیاں۔ ہتیاروں کے قبضے وغیرہ تیار ہوتے ہیں ان برتنوں کے اجزا کی تحقیقات بہت سے برٹش افسروں نے کی ہے۔ اگرچہ اُن کے باہمی بیانات میں مقدار کے متعلق اختلاف ہے۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ تانبا سیسہ۔ ٹن۔ نوشادر۔ شورہ۔ توتیا اُس میں شریک رہتی ہیں کچھ زمانہ سے اِس مشہور و معروف صنعت کو بیحد تنزل ہو چکا ہے اور پرانے برتنوں کے مقابل نئے تیار شدہ برتنوں کی کچھ حقیقت نہیں رہی ہے۔ اسکے وجوہات میں اول تو فیشن کی تبدیلی ہے۔ دوسرے یہ کہ بیدر گو ریلوے لائن سے اتصال نہیں ہوا جس سے وہاں کے بہت سے مصنوعات کا بازار میں ارزاں نرخ سے آنا بند ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ ہندوستان کے دیگر مصنوعات کی طرح اِس صنعت کا راز بھی چند خاص گھروں میں محدود ہے اور وہ وراثتاً اپنی اولاد کو تعلیم دیتے رہتے ہیں اور دوسروں کو سکھانے میں بے انتہا بخل کرتے ہیں اور بعض وقت تو اولاد کو بھی پورے اسرار سے واقفیت کا موقع نہیں دیتے۔ یہ ناممکن ہے کہ نسلاً بعد نسل کوئی خاص پیشہ کسی خاص خاندان میں قایم رہے اور ہر ایک نسل کو یکساں اُس میں کمال حاصل ہو۔ نتیجہ یہ کہ رفتہ رفتہ زوال ہوتا گیا۔ اب بیدر میں صرف دو تین ہی گھرانے باقی رہے ہیں جنکو یہ کام آتا ہے۔ اگرچہ وہ اسقدر مفلس ہیں کہ بغیر فرمایش اور پیشگی قیمت کے مال تیار نہیں کر سکتے اور اپنی گزران تنگدستی سے بسر کرتے ہیں۔ تاہم اُن کا دماغ عالم بالا پر رہتا ہے اور غیروں کو ہنر سکھاتے ہی نہیں اگر کچھ عرصہ تک اِس صنعت کے زوال کیلئے غفلت کی جاتی تو یقیناً مثل اور دیگر صنائع کی بالکل فنا ہو جاتی۔ مگر ملک کو نواب رفعت یار جنگ بہادر کا ممنون ہونا چاہیئے۔ جنہوں نے اُس کے متعلق اپنی خاص توجہ مبذول فرمائی جس کا تذکرہ آگے چلکر اُن تمام کوششوں کے ساتھ جو سرکار نے احیاء صنائع کے لئے کی ہیں ایک جگہ کیا جائیگا۔

یہ یقینی امر ہے کہ اگر اس صنعت کی ترقی کے لئے کوشش کیجائیگی اور زمانہ حال کے مذاق کا لحاظ رکھا جائیگا تو اس کا نتیجہ مفید ہوگا کیونکہ اب بھی اُس کی مانگ باقی ہے اور یوروپین بھی اُس کو پسند کرتے ہیں۔ لندن اور ہندوستان کی نمایشوں میں بعض وقت زمانہ گذشتہ کا بنا ہوا اعلیٰ درجہ کا سامان جو سرکار نے یا بعض پرانے اشیا کی تجارت کرنے والوں نے روانہ کیا تھا وہ خاص طور پر پسند کیا گیا تھا۔ نمایشگاہ حیدرآباد میں جو بیدری برتن رکھے گئے تھے اُن کی اطراف ہز رائل ہائنس پرنسز آف ویلز نے کی تھی۔ پرانا بیدری سامان جو فروخت ہوتا ہے اُس کو یوروپین اچھی قیمت سے خرید کرتے ہیں۔ قدیم بیدری برتنوں کا ذخیرہ شاہی محلسرا اور بعض امرا کے پاس موجود ہے۔ ہز اکسلنسی مہاراجہ مدارالمہام بہادر کے پاس بھی عمدہ اشیا موجود ہیں۔

اشیاے ٹن - بلدۂ حیدرآباد - اورنگ آباد - گلبرگہ اور دوسرے بڑے بڑے قصبوں میں ٹن کی قنادیل - صنادیق - لوٹے - ڈبیاں - سماوار - خانہ داری کا متفرق سامان اور کھلونا نہایت کثرت سے تیار کیا جاتا ہے۔ بلدہ کا کام زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ اور غربا میں کثرت سے فروخت ہوتا ہے۔ حیدرآباد میں ٹن کے صندوقوں پر رنگ و روغن چڑھایا جانے لگا ہے مگر ابھی کام معمولی قسم کا ہوتا ہے اور مدراس کے تیار شدہ مال کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

ٹن کے پاندان و کشتیاں جو شادیوں میں بکثرت دئے جاتے تھے وہ بھی یہاں تیار ہوتے تھے۔ مگر بھدے پن باعث اور کسی کام میں نہ آسکنے اور اُٹھا کر لیجانے کی دقت کی وجہ سے استعمال متروک ہوتا جارہا ہے اور اُن کی جگہ زنکین جرمنی چھوٹی ڈبیوں کا رواج روز بروز بڑھ رہا ہے۔ چونکہ ہاتھ سے ایسی ڈبیوں کا بنانا ناممکن ہے اسلئے یہاں کے پیشہ ور اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ تاہم ٹن کے اشیا کی ترقی کے لئے وسیع میدان موجود ہے۔ اور یہاں کے پیشہ ور اُسکو آہستہ آہستہ ترقی دے رہے ہیں۔

فصل سوم

اشیائے سنگ۔ شیشہ۔ گل

الماس تراشی۔ گزشتہ زمانہ اور خاصکر قطب شاہی دور حکومت میں الماس تراشی کی صنعت نہایت عروج پر پہونچی ہوئی تھی۔ اور ہر جگہ اُس کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ علاوہ رعایا کے کارگاہوں کے خاص شاہی کارخانے بھی اس کام کے لئے قایم تھے۔ یوروپین سیاح اُس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اب اس صنعت کو معدوم سمجھنا چاہیئے ترقی و تنزل کی وجہ صاف ہے یعنی جب تک معدنوں سے الماس نکالے جاتے تھے۔ اسوقت تک اُس کے قدردان بھی بکثرت ملک میں آتے جاتے تھے اور اُسی کی بدولت الماس تراشی کا ہنر بھی اوج پر تھا۔ جب معدنوں میں کام بند ہوچکا اور یوروپ والوں نے زور علم سے اس فن میں بھی کمال حاصل کرلیا تو یہاں سے یہ صنعت معدوم ہوگئی۔ اب تاوقتیکہ بڑے بڑے کارخانے قایم ہوکر باہر کے اہل کمال اُن میں نہ رکھے جائیں اس صنعت کی دوبارہ زندگی نہیں ہوسکتی۔

سنگ تراشی و تعمیرات کا ہنر دو ہزار سال تک نہایت درجہ عروج پر رہا ہے اور گزشتہ باکمالوں کی کاریگری کی شہادت آثار قدیمہ کے در و دیوار دے رہے ہیں۔

اس دو ہزار سال کے زمانہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں مختلف اسٹائل مروج رہے ہیں۔ اُن سب کی تفصیل اور اُن کی باریکیوں۔ نفاستوں نزاکتوں۔ نقاشیوں کو بتانے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

اجنٹا ایلورہ کے اور دوسرے مقامات کے غار۔ ہنمکنڈہ و کھمم مہادیو گوڑی وغیرہ کے مندر۔ قلعۂ دولت آباد۔ ہندو سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ اور عقل انسانی کو حیران کردیتے ہیں۔ اگرچہ دہلی۔ آگرہ وغیرہ

شمالی ہند کے شہروں میں جسطرح اسلامی تمدن کا چراغ عرصہ تک جلتا رہا ہے اُسطرح دکن میں کوئی شہر اُن کا مدمقابل نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے اسلامی دور کے عمدہ تعمیرات اُن ہی شہروں میں موجود ہیں۔ تاہم دکن میں بھی بہت سی نفیس اسلامی عمارات موجود ہیں۔ جس میں سے حیدرآباد کی مکہ مسجد۔ چار مینار۔ گولکنڈہ و گلبرگہ کی گنبدیں۔ رابعہ دورانی کا مقبرہ وغیرہ کا خصوصیت سے ذکر کیا جاسکتا ہے۔ سنگ تراشی و معماری کا کمال دکن میں بالکل پست حالت میں پہونچ گیا ہے۔ اور اسی وجہ اب یہ ناممکن ہے کہ ایسی نئی عمارتیں تیار کیجا سکیں جو گزشتہ دور کی عمارتوں کا مقابلہ کرسکیں۔

زوال کی وجہ زمانہ کا انقلاب اور حکومت گردی ہے۔ بودھ کی طرز تعمیر کو ہندوؤں نے اور ہندوؤں کی طرز تعمیر کو مسلمانوں نے صدمہ پہونچایا اور اسلامی دور کے عروج کو اٹھارہویں صدی کے انقلابات نے تباہ کردیا۔ نیز گزشتہ زمانہ میں بالعموم فرمانروا اور دولت مند بقائے نام اور اظہار اولوالعزمی کا بڑا ذریعہ تعمیر کو سمجھتے تھے۔ سب سے بڑی مذہبی قابل ثواب خدمت اکثر مذہبی کی تعمیر خیال کی جاتی تھی۔ ہر روز کے جنگ و جدل سے محفوظ رہنے کے لئے مستحکم قلعوں کی ضرورت ہوتی تھی اور ان سب وجوہ سے عمارتوں میں بیدریغ روپیہ صرف کیا جاتا تھا۔

ہندوستان کے ذی کمال معمار فنا ہوجانے کے بعد مغربی طرز تعمیر ہندوستان میں رائج ہوا۔ اور بجائے شاہنشاہی محلسراؤں اور عظیم الشان قلعوں کے مدارس، ہاسپٹال، دفاتر سرکاری، انی کٹ، ہاربر، پل ریلوے لائن کے سرنگ، اور دولت مند تاجروں کی شاہانہ حویلیوں وغیرہ کے بنانے میں فن تعمیر کا کمال دکھایا جانے لگا ہے چونکہ حیدرآباد میں تجارت وغیر وسیع پیمانہ پر نہیں ہے نہ گورنمنٹ کو برٹش انڈیا کے

مماثل سرکاری عمارات بنانے کا خیال تھا۔ اس لئے جو رونق کلکتہ، بمبئی، مدراس وغیرہ میں وہاں کے جدید عمارتوں کے وجہ سے نظر آتی ہے۔ حیدرآباد میں نظر نہیں آتی۔ کچھ عرصے سے گورنمنٹ اور تاجروں کو شہر میں رونق پیدا کرنے کا خیال ہو رہا ہے اس لئے امید ہوتی ہے کہ جلد حیدرآباد اور اس کے ماتحت قصبوں اور شہروں میں برٹش انڈیا کے شہروں اور قصبوں کے مماثل عمارتیں نظر آئینگی۔

اشیائے سنگ - سنگی اشیا اورنگا کی میں دکن شمالی ہند کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔ جس کی وجہ زیادہ تر یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرمر اور سرخ پتھر دکن میں کم ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف شمالی ہند اور راجپوتانہ میں ان کی بڑی بڑی کانیں ہیں۔ جن سے پتھر بآسانی ملجایا کرتا ہے۔ اور اسی لئے وہاں حکاک اپنی دستکاری کا کمال دکھاتے ہیں۔

اشیائے سنگی میں معمولی خانہ داری کی اشیا مثل سل۔ چکی کھرل۔ ہاون دستے اوکھلی۔ کونڈے۔ کٹریاں وغیرہ ہر کہیں تیار ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے مقاموں میں کام کسی قدر اچھا ہوتا ہے۔ محبوب نگر۔ مکھتل۔ امراباد میں ہاون دستے۔ کونڈے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔

تلوار اور دستی لکڑیوں کے دستے۔ قبضے عمدہ اور قیمتی پتھروں سنگ یشب وغیرہ سے حیدرآباد۔ اورنگ آباد میں تیار ہوتے ہیں۔ البتہ بیشتر جیسا نفیس کام ہوتا تھا اب نہیں ہوتا۔

کچھ عرصہ سے شمالی ہند کے چند حکاک حیدرآباد میں مقیم ہیں جو نازک کام کندہ کاری۔ میناکاری وغیرہ کیا کرتے ہیں۔ اگر خاص طور پر توجہ کیجائے اور باہر کے عمدہ آئے ہوئے کاریگروں کی سرپرستی کیجائے تو نتائج مفید پیدا ہوسکتے ہیں۔

اشیائے ابرک - ابرک کی قندیلیں۔ گلاس۔ سامان آرایش۔ سادہ

رنگین دونوں طرح پر بلدہ میں عمدہ تیار ہوتا ہے بعض بڑے بڑے مقامات پر بھی کچھ کام ہوتا ہے ۔ محرم کے تعزئے جو حیدرآباد میں تیار کئے جاتے ہیں وہ بہت قابل تعریف اور خوشنما ہوتے ہیں ۔

اشیائے شیشہ کانچ کی چوڑیاں حیدرآباد اور اکثر بڑے قصبات و دیہات میں بیشتر کثرت سے تیار ہوا کرتی تھیں مگر اب ولایتی بلوری چوڑیوں کی چمک دمک نے اُن کی مانگ کو بہت کچھ کم کر دیا ہے تاہم اب بھی ایک خاص حد تک وہ تیار ہوتی ہیں اور غربا کے استعمال میں زیادہ تر آتی ہیں ۔

بھونگیر اور جالنہ میں کانچ کا سامان مثل بوتل ۔ شیشہ ۔ آئینہ ۔ گلاس وغیرہ پہلے نہایت کثرت سے تیار ہوتا تھا اب وہاں اس صنعت کو بہت کچھ تنزل ہو گیا ہے ۔ کیونکہ یورپ سے جو خوشنما اور ارزاں شیشہ آلات بکثرت آتا ہے اُس کے مقابل یہاں کے بنے ہوئے سامان کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی ہے ۔

ضلع ورنگل قصبہ دیمنور میں جہاں کانچ کا پتھر پیدا ہوتا ہے نہایت عمدہ عینکیں تیار ہوا کرتی تھیں اب یہ صنعت مفقود ہو گئی ہے کیونکہ یورپ نے اس صنعت پر بھی قبضہ کر لیا ہے ۔

غالباً دکن میں اور بھی مقامات تھے جہاں شیشہ کا سامان تیار ہوا کرتا تھا ۔ مگر مجھکو مزید تحقیقات کا موقع نہیں مل سکا ۔

اشیائے گلی ۔ کل ہندوستان کی طرح ممالک محروسہ کے ہر ایک گاؤں میں کمہار نہایت قدیم زمانہ سے موجود ہیں جو تمام ضرورت و خانہ داری کے اشیائے گلی تیار کیا کرتے ہیں ۔ جیسے گھڑے ۔ لوٹے ۔ صراحیاں ۔ آنجورے ۔ کھلونے مصنوعی میوے ۔ انیٹ ۔ کھپریل ۔ ہنڈیاں ۔ اگالدان ۔ پیالے ۔ صحنک وغیرہ راجمندری حیدرآباد اور بھونگیر میں خانہ داری کے برتن اچھے اور سبک تیار ہوتے ہیں ۔ صراحیوں ۔ آنجوروں میں پانی بہت سرد ہوا کرتا ہے ۔

ان تینوں مقاموں میں صراحیوں وغیرہ پر روغن کاری کی جاتی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر ۷ صحیفہ جلد ۵

آمد اور آورد

قول فیصل

گزشتہ نمبر میں مولوی جلال صاحب کا ایک مضمون آمد اور آورد کے متعلق درج کیا گیا تھا جس میں مولانا حالی کے خیال کی جو آورد کو آمد پر ترجیح دینے کے متعلق مقدمہ حالی میں ذکر کیا گیا تھا۔ مخالفت کی گئی تھی اور آمد کو آورد پر ترجیح دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ مضمون دونوں اقوال و آرا پر قول فیصل ہے اس میں جس عمدگی سے امر متنازع فیہ کا تصفیہ کیا گیا ہے وہ قابل داد و لایق صاد ہے۔ اور درحقیقت اس قابل ہے کہ اسکو قول فیصل کہا جاے۔ اس مضمون کو پڑھ لینے کے بعد غالباً کسی کو اس پیچیدہ مسئلہ میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہیگا۔ اور رد و قدح اور بحث و مباحثہ کی ضرورت واقع نہوگی۔

صحیفہ کے گزشتہ نمبر میں آمد اور آورد کے متعلق ایک مضمون دیکھا گیا جس میں مولانا حالی کی راے کا بھی اقتباس کیا گیا تھا اور اس سے اختلاف بھی ظاہر کیا گیا تھا۔

ان دونوں لفظوں کے متعلق ارباب سخن میں اختلاف چلا آتا ہے۔ جو لوگ

آورد کے طرفدار ہیں اُن کے نزدیک آمد کے معنے بے سوچے سمجھے ایک بات بیساختہ منہ سے نکل جانے کے ہیں وہ اُس کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں ۔

ہر کہ تامل نکند در جواب بیشتر آید سخنش ناصواب

اُن کا عمل ع اول اندیش وانگہے گفتار ۔ پر ہے ۔

جو لوگ آمد کے پسند کرنے والے ہیں اُنکی نزدیک آورد کے معنی بناوٹ اور تکلف و تصنع کے ہیں وہ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں ۔

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

جنگل کے سبزے اور آسمان کے پانی کو مثال میں لاتے ہیں (دیکھو صحیفہ ماہ گزشتہ) طرفداران آورد کے نزدیک یہ قیاس مع الفارق یا جزئی سے کلی پر حکم کرنا ہے وہ کہتے ہیں کہ نیچر کی ہر ایک چیز جبتک اُس میں تصرف نکیا جاے استعمال کے قابل نہیں ہو سکتی ۔ مکان بنانے کے لئے جنگل سے لکڑی لاکر جبتک اُسکو درست نہ کیا جاے یا کان سے ہیرا نکالکر اُس میں اصلاح و تصرف اور تراش خراش نکی جاے اُن کو استعمال میں خوبی نہیں پیدا ہو سکتی ۔

ہم کہتے ہیں کہ دونوں دعوے غلط نہ تمام چیزوں کے لئے اصلاح و تصرف کی ضرورت ہے نہ تمام چیزیں بلا تصرف و اصلاح مستعمل ہو سکتی ہیں ۔ مثلاً بعض میوے درخت سے توڑتے ہی کھاے جا سکتے ہیں بعض میں اصلاح و تصرف کی ضرورت ہوتی ہے ۔

آمد کے طرفدار جو عمدہ اور برجستہ اشعار پیش کرکے آمد کی شان دکھاتے ہیں تو آورد کے طرفدار اُن کے بیساختہ اور فوری نظم ہونیکا ثبوت طلب کرتے ہیں ۔

ہماری راے میں یہ تمام نزاعیں اِن دو لفظوں کا اصلی مفہوم نہ سمجھنے کے سبب سے ہیں ۔ دراصل نہ آمد کے معنے بے ساختہ اور فوری کہنے کے ہیں نہ آورد کے معنے تکلف اور بناوٹ کے ہیں اگر یہی معنے مان لئے جائیں تو

بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ حکما کا قول ہے کہ ہر کام کے متعلق یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیسا کیا یہ نہیں پوچھا جاتا کہ کتنی دیر میں کیا۔

آمد و آورد شعر ہی پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام میں آمد و آورد ہے لیکن اُن معنوں کے لحاظ سے نہیں جنکا ذکر اوپر ہوا۔ بلکہ اُن کے اصلی مفہوم کے اعتبار سے جنکو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں۔

آمد کے معنے طبیعت کا آنا یعنے آمادہ ہونا اور اُس میں صلاحیت پیدا ہونا ہے۔ آورد کے معنے طبیعت سے جو صادر ہو اُسکو مرکز صحت پر لانا۔

آمد چلتا ہوا انجن ہے اور آورد اُس کی رفتار کی نگران و محافظ کمی و قصور آمد میں آورد کا استعمال شکستہ اور بگڑے ہوئے انجن کے چلانیوالے کی مثال ہے پس وہ آورد یہی ہے جسکو لوگ برا سمجھے ہوئے ہیں اور حق اُن کی جانب ہے۔ اسی لئے قدما نے کہا ہے کہ کن کن وقتوں میں اور کن کن حالتوں میں شعر کہنا چاہیئے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ صبح کا وقت بہتر ہے کہ اسوقت طبیعت بشاش رہتی ہے اور بعضوں نے کہا شب میں بہتر ہے کہ اُسوقت طبیعت مطمئن رہتی ہے اور یہ بھی کہا کہ فکر و تردد کی حالت میں ہرگز شعر کہنے کا ارادہ نکرو اور جس صنف کے مضمون کہنے کی طبیعت میں آمادگی نہ ہو اُسکو بھی نہ کہو۔

بغیر آورد کے آمد ایسی ہے جیسے انجن چل رہا ہے لیکن اُس کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں جس میں نقصان کا اندیشہ ہے۔ غنی نے اِس مسئلہ کو کیا خوب نظم کیا ہے۔

آب بود معنی روشن غنی خوب اگر بستہ شود گوہر است

یعنے جسطرح مشہور ہے کہ پانی بستہ ہو کر موتی بنتا ہے اسی طرح بندش سے مضمون اپنی اصلی خوبی کو مقبولیت کے ساتھ ظاہر کرتا ہے (بستہ شود کا لفظ قابل ملاحظہ ہے) ہم نے آمد اور آورد کی جو تعریف بیان کی ہے اُس کا ثبوت ذیل کے واقعات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ جو بات واقعات سے

ثابت ہوا اُس کے لئے دوسرے دلائل میں وقت ضائع کرنا بیکار ہے۔

محمد حسین آزاد آبِ حیات میں ذوق مرحوم کے تذکرہ میں لکھتے ہیں سات آٹھ بجے مکان ضرور جاتے تھے اور تین چار چلمیں حقے کی وہاں پیتے تھے میں چھٹی کے دن اُسوقت جایا کرتا تھا اور دن بھر وہیں رہتا تھا مکان ضرور دیوڑھی میں تھا پاؤں کی آہٹ پہچانتے تھے کہ تم ہو۔ میں تسلیم عرض کرتا چھوٹی سی انگیٹھی پاس ہی چارپائی وہیں بیٹھ جاتا۔ فرماتے اجی ہمارا وہ شعر اُس دن سے کیا پڑھا تھا۔ ایک دو لفظ اُس کے پڑھتے ہیں سارا شعر عرض کرتا۔ فرماتے کہ ہاں اُسے اب یوں بنالو۔ ایک دن ہنستے ہوئے پائخانے سے نکلے فرمایا کہ تینتیس ۳۳ برس کے بعد آج اصلاح دینی آئی ہے حافظ ویران نے کہا کہ حضرت کیونکر؟ فرمایا ایک دن شاہ نصیر مرحوم کسی شاگرد کو اصلاح دے رہے تھے اُس میں مصرع تھا ع کھاتی کمر ہے تین بل اک گدگدی کیساتھ۔ ابتداے مشق تھی اتنا خیال میں آیا کہ یہاں کچھ اور ہونا چاہیئے اور جب سے اکثر یہ مصرع کھٹکتا رہتا تھا آج وہ نکتہ حل ہوا عرض کی حضرت پھر کیا فرمایا ع کھاتی ہے تین نین بل اک گدگدی کیساتھ ؛ کمر کو اوپر ڈالدو۔ عرض کی وہ کیونکر ۳-۴ مصرع اُلٹ پلٹ کئے تھے ایک اسوقت خیال میں ہے۔

بل بے کمر کو زلف مسلسل کے بیچ میں کھاتی ہے تین تین بل اک گدگدی کیساتھ

اب آورد کے مخالفین اس تذکرے کو بغور پڑھیں اور راستا ذوق کے کلام کی نسبت رائے قایم کریں اور اُن کا اپنے کلام میں ہر وقت تبدل و تغیر کرنا اور ۳۳ برس میں ایک مصرع کا بننا بھی ملاحظہ کریں۔ اور کہیں یہ آورد کیسی ہے۔ اِسی طرح خزانۂ عامرہ میں مذکور ہے کہ نور العین واقف نے یہ مصرع کہا تھا (اے چراغت بکف از رنگ حنا زود وسا) تین ماہ کے بعد اسپر مصرع لگایا۔ آتش تو ہمیشہ ایک ہی مصرع کہتے تھے

اور اُس پر مصرع لگاتے تھے۔

دوسرا واقعہ آمد کے متعلق کہ اگر آمد نہ ہو تو آورد ہیچ ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ پر کسی نے اعتراض کیا کہ آپ سوائے پند و وعظ کے مضمون رزم نہیں لکھ سکتے۔ اس پر شیخ بہت ہی جھلائے اور ایک چھوٹا سا رزمیہ قصہ نظم کر دیا۔ ہم یہاں اُس کے ابتدائی دو شعر ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو ایک پہلوان کی تعریف میں ہیں۔ باقی قصہ آغاز باب پنجم بوستان میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ وہ دو شعر یہ ہیں۔

مرا در سیاہاں یکے یار بود — کہ جنگ آور و شوخ و عیار بود

مدامش بخوں دست و خنجر خضاب — بر آتش دل خصم از و چوں کباب

آمد کے مخالفین اس کو دیکھ لیں کہ شیخ جیسے کہن مشق، کامل الفن کو چونکہ طبیعت کی اسطرف آمد نہ تھی آورد نے کچھ فائدہ نہ دیا پہلوان کی تعریف دیکھو اور اُسکے لئے یار اور شوخ اور عیار کیساتھ خطاب، کرنا دیکھو حالانکہ یہ قصہ شیخ نے بڑے دعوے کیساتھ نظم کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

تو انم کہ تیغ زباں بر کشم — جہاں سخن را قلم در کشم

ندانند کہ مارا سر جنگ نیست — وگرنہ مجال سخن تنگ نیست

بیاتا دریں شیوہ جالش کنیم — سر خصم را سنگ بالش کنیم

اسی طرح میر تقی مرحوم کہ جنکو تمام ہندوستان نے مانا اور ریختہ میں خدائے سخن کا خطاب دیا جس کے وہ مستحق بھی تھے۔ لیکن جب قصیدہ کہنا چاہا چونکہ طبیعت میں اُس کی آمد نہ تھی محض آورد کام نہ دے سکی اتنا بہت کلام اور اُسمیں چھوٹے چھوٹے پانچ قصیدے ہیں اور وہ بھی نہ ہونے کے برابر۔ تمثیلاً قصیدے کا ایک مطلع ناظرین کے پیشکش ہے۔ شاہ خیبر شکن اسد اللہ الغالب کی منقبت میں فرماتے ہیں۔

ترے روز بازو کی طاقت عیاں ہے — کہ بر جسکی قوت سے شیر ژیاں ہے

صاحبان مذاق اس مطلع کے پایہ کو خیال فرما سکتے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ آورد آمد کی اصلاح کرتی ہے۔ جب آمد ہی نہ ہو تو آورد کیا کرے اور اگر آورد سے کام نہ لیا جائے محض آمد پر بھروسہ کیا جائے تو کلام میں محاسن پیدا نہیں ہو سکتے بلکہ سہو الفکر کا اندیشہ ہے۔ ہم آمد میں ایک غزل کہتے ہیں اُستاد اُس میں دس جگہ بناتا ہے۔ کلام میں غور و فکر کرنا اور اُس کو الٹ پلٹ کرنا اِس قسم کی آورد نہیں ہے جو معیوب سمجھی جائے۔ چنانچہ میر انیس اور مرزا دبیر کے واقعات تذکروں میں مندرج اور مشہور ہیں کہ میر صاحب سوچ سمجھکر کہتے تھے اور بہت ہی کم کہتے تھے اور جو کچھ کہتے اُس میں حک و اصلاح فرماتے رہتے تھے ایک ایک مصرع کو کس دس بار کاٹتے تھے لفظوں کو اِس طرح جماتے تھے جسطرح انگوٹھی میں نگینہ یہ لفظ رکھا اُٹھا لیا پھر وہ لفظ رکھا اُٹھا لیا۔ یہانتک کہ ٹھیک لفظ بیٹھ گیا اُسوقت چھوڑ دیا۔ مرزا صاحب کا یہ حال تھا کہ ایک شب میں ایک مرثیہ کہ لیا طبیعت کی آمد میں جو کچھ لکھا لکھا پھر پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ کیا لکھا اِن کے مرثیوں کی تعداد آبِ حیات میں دس ہزار لکھی ہے گو یہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دونوں کے کلام میں جو فرق ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

نعمت خان عالی نے قصۂ حسن و عشق کے آغاز میں حمدیہ ایک قطعہ کہا ہے اُس کا پہلا مصرع یہ ہے ع حدیث عشق شد زیب بیانم جب پڑھا گیا تو لوگوں نے اُس کو بجائے زیب بیان حسن بیانم بنا دیا دیکھو ایک لفظ سے کیا خوبی پیدا ہو گئی خوبی پیدا کرنے کے علاوہ آورد سہو الفکر سے بھی بچاتی ہے۔

خلاصہ

یہ ہے کہ بغیر آورد کے آمد اطمینان بخش نہیں ہو سکتی اور محاسن بھی پیدا

نہیں ہو سکتے - اسی کے لئے فن بلاغت کی تدوین ہوئی اور اس کے قواعد مقرر کئے گئے تاکہ کلام مناسب مقام رہے اس میں ایجاز مخل اور اطناب مُمل نہونے پائے اور ضعف تالیف سے محفوظ رہے یہ بات بغیر غور و فکر حاصل نہیں ہو سکتی - اِن قواعد کی پابندی کے لئے تامل درکار ہے مولانا حالی نے جس آورد کے متعلق ہدایت کی ہے وہ یہی ہے جس کا جی چاہے اس باب میں اُن سے دریافت کرے - ورنہ وہ آورد جو معیوب ہے دراصل وہ بیدلی اور برداشتہ خاطری سے یعنے جی نہ لگتا ہو اور طبیعت آمادہ نہ ہو خواہ مخواہ کھینچ تان کر کے ایک کام تکلف سے بہ تصنع کیا جاے ضرور وہ کام خراب ہوگا اور آورد اس میں اپنا کامل تصرف نہ کر سکے گی - جیسے ایک کاتب جو خوشنویس بھی ہو اور خط کو بنا کر لکھ رہا ہو - جب لکھتے لکھتے تھک جائیگا تو اس کے خط میں جو شان جنرابی پیدا ہوگی وہ ظاہر ہے - جو دائرہ بنائیگا بگڑا ہوا ہوگا اور جو شوشہ ہوگی بھدی ہوگی - اتفاق سے کوئی درست بھی ہو جائے یہ امر دیگر ہے - لیکن تسلم کا قابو میں ہونا امر دیگر ہے - ایسی حالت میں آورد کبھی محمود نہیں ہو سکتی - جن لوگوں نے آمد کو ترجیح دی ہے اور آورد سے مقدم مانا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ پہلے آمادگی اور صلاحیت ضرور ہے - جب کسی شے میں اصلاح پذیری کی قابلیت ہی نہ ہو تو اُس کی اصلاح کس طرح کیجا سکتی ہے - جوں جوں بناتے جائے بگڑتی جائیگی -

گر بود اصل جوہرے قابل تربیت را در و اثر باشد

پس ثابت ہوا کہ محض آورد کوئی شے نہیں و لغو ہے جبتک دونوں چیزیں جمع نہ ہوں کام نہیں بنتا - وذالک فضل اللہ

یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم فقط

لمعہ ابن حضرت شعلہ مرحوم

غزل

وہاں تو بزم میں دشمن چلی آتی ہیں دشمن پر
یہاں فریاد پر فریاد ہے شیون ہی شیون پر

ستم کرتے ہیں انداز حیا میں سادگی پن پر
دم رخصت وہ آنکا ہاتھ رکھنا میری دامن پر

کسی کو اس طرح عاشق بنا کر امتحاں کیجے
ہماری دوستی کی قدر ہے موقوف دشمن پر

سمجھ میں کچھ نہیں آتی مری ناگفتہ بحالت
کبھی روتا ہوں ہنسی پر کبھی ہنستا ہوں شیون پر

جنوں کی جوش میں ثابت گریباں رہ نہیں سکتا
مرا احسان رہتا ہے ہمیشہ میری گردن پر

تمنا اور پھر کیسی تمنا ان کے آنے کی
بر آئے گی مگر کب؟ بعد مرے میرے مدفن پر

نظر بازوں کی کثرت خود تمھیں چھپنا سکھائیگی
لگائے جائینگے پردے پہ پردے اور چلمن پر

کوئی ہر دلعزیزی سیکھ لے تصویر سے تیری
کہ پڑتی ہے نگاہ لطف یکساں دوست دشمن پر

ہوئی ہے طاقت پرواز ہی وجہ گرفتاری
خبر کیا تھی کہ نکلیں گے لغل میں اپنی دشمن پر

زیارت کیا کہاں کے پھول گیسی فاتحہ خوانی
دکھیں کے پائے نازک خاک ڈالو میری مدفن پر

ترے برعکس تیر اچاہنے والا بھٹکتا ہے
مجھے پھر کیوں نہ ہو ایسا پیار اپنے دشمن پر

مجھے مد نظر ہے حشر کے میلے کی تیاری
دُر اشک ندامت ٹانکتا ہوں اپنے دامن پر

محبت کی نظر سے جب انہیں ہم دیکھ لیتے ہیں
تو گھبرائی ہوئی ان کی نظر پڑتی ہے دشمن پر

جنوں کی دستکاری دیکھکر جامے سے باہر ہوں
کہ پیراہن کے بدلے زخم دامن دار ہیں تن پر

تمنا بوالہوس کو ہو رہی ہے جان دینے کی
کچھ اس انداز سے آیا ہے کوئی اپنے مدفن پر

دل بیتاب کو تسکین دیتے جاؤ رہ رہ کر
کہیں بیعت نہ لیجائے تمھارے چلمنے پن پر

وہی کیفی وہی رستہ ہے آندھی ہو کہ بارش ہو
چلے آتے ہیں حضرت میکدے میں ایک ہی کن پر

سید رضی الدین حسن کیفی

بیدر

حیدرآباد کے مغربی جانب (۸۰) میل کے فاصلہ پر دکن کا مشہور و معروف شہر محمد آباد بیدر کوہ نجور پرت کے وسیع اور دریا سے (۲۳۴۰) فیٹ بلند سطح پر آباد ہے۔ یہ شہر اپنی قدامت۔ آب و ہوا کی لطافت اور سرزمین کی شادابی اور مردم خیزی کی بدولت ممالک محروسہ سرکار عالی میں خاص امتیاز رکھتا ہے اسلامی شان و شوکت اور اسلامی سطوت و جبروت کے آثار اس میں اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ ہر حیدرآبادی کو خصوصیت کیساتھ مدت العمر میں یکبار ضرور اُن کے دیدار سے اپنی چشم عبرت کو منور کر لینا چاہیئے۔ انہی وجوہ سے میں نے زمانۂ دراز کے اشتیاق کے بعد بیدر کی سیر کی۔ مجھے امید نہیں ہے کہ بیدر کے مجسمۂ عبرت کو دیکھنے سے میرے دل پر جو نقش مرتسم ہوئے ہیں اُنہیں میں کامیابی کیساتھ اپنے دوستوں کو دکھا سکوں گا۔ لیکن یہ بھی گوارا نہیں کہ اپنی ممکنہ کوشش سے کام لئے بغیر محض بعض اُن بزرگوں کی طرح جو تقدیر پر اسقدر بھروسہ کر بیٹھے ہیں کہ تدبیر کے نام سے اُن کو وحشت ہوتی ہے اِس کام کو ناممکن تصور کر لوں۔ بیدر کے چشمدید حالات بیان کرنے میں تاریخی مدد بھی لیجائیگی۔

ہجرت نبوی صلعم سے تقریباً چودہ سو سال پیشتر جبکہ اسکندر رومی نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ دکن کے مشہور راجہ بیڈ[1] رفرزند راجہ پانڈو نے اِس شہر کو آباد کر کے اپنے نام سے موسوم کیا تھا۔ مگر چونکہ اس زمانہ میں یہاں بانس بن بکثرت تھا اور کنڑی میں بانس کو "ویدر" کہتے ہیں یہ شہر ایک زمانہ تک "ویدر بھہ" مشہور رہا اور بعد میں کثرت استعمال سے بیدر ہوگیا

[1] "قوم بیڈر" جو شجاعت اور بہادری میں مشہور عالم ہے اسی راجہ کی نسل سے ہے۔

راجگان یان ورنگل نزہت بخش آب وہوا اور دلفریب مناظر کی بہت قدر کرتے تھے اور اُن کا دارالسلطنت گورنگل تھا۔ لیکن کم از کم سال میں ایک دفعہ وہ ضرور اسکی سیر کرتے تھے راجہ بھیم سین نے تو اس کو اپنا دارالسلطنت بنالیا تھا ۱۳۲۲ء تک یہ شہر ورنگل کے راج میں شامل رہا۔ لیکن اسکے بعد "جونا خاں" فرزند غیاث الدین شہنشاہ دہلی نے پرتاب رودر راجہ ورنگل سے اس کا قبضہ چھین لیا۔ اسلام کے زیر اثر آنے کے بعد ناممکن تھا کہ اسکی شان وشوکت اور آبادی میں روز افزوں ترقی نہ ہوتی۔ شہزادہ نے شہاب سلطان المخاطب بنصرت خاں کو دکن کی مفتوحہ سرزمین کا حاکم مقرر کیا۔ اور اس کا مستقر بیدر ٹھیرایا۔ مفتوحہ ممالک پر مالکین کی ابتدائی حکومت "درشتی دنرمی بہم در بہ است" کے اعلیٰ اصول پر قایم نہیں ہوئی۔ اس سے بیدر کی شان وشوکت میں اور بھی ترقی ہوئی یہ بات بہت ہی معمولی ہے کہ جس مقام اور جس اجلاس پر مالکین کیساتھ جابرانہ سلوک کیا جاتا ہے اس کی عظمت وشوکت اور رعب داب کا اثر غیر معمولی طور پر دلوں پر مرتسم ہوجاتا ہے۔ بیدر کی اعلیٰ حکومت شہزادہ کی سیاست کی زیر نگرانی کل مملکت دکن پر اپنی غیر معمولی شان وشوکت کا سکہ جمانے لگی تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۷۲۵ھ میں جب شہزادہ نے تاج وتخت پایا اور اپنا نام سلطان محمد تغلق رکھا تو دکن زیادہ تر اسکی شجاعت اور مردانہ کارناموں کا مرکز بنگیا اور قریب قریب اُس کے ہر حصہ پر شہنشاہ دہلی کا پرچم اقبال لہرانے لگا۔ اب ملک کی وسعت نے

۵۔ ورنگل کا راج اہل ہنود کا بہت ہی قدیم اور مشہور راج ہے اس پر "اندر بنس" کے راجہ حکمران تھے۔

۶۔ "راجہ بھیم سین" "دمن" کا باپ تھا جو "راجہ نل" حاکم ملوہ کی معشوقہ تھی۔ فارسی میں اسکا قصہ فیضی کا تصنیف شدہ مشہور عالم ہے۔

یہ مشکل پیدا کی دہلی سنٹر اور دار السلطنت رہنے کے قابل نہیں سمجھی گئی۔ دیوگڑھ بنام نہاد دولت آباد پایہ تخت بنایا گیا۔ شہر دہلی کے علماء فضلاء صوفیان کرام اور تمام باشندے جبراً و قہراً وہاں لائے گئے اور دکن پر پوری پوری نگرانی قایم رکھنے کی ممکنہ وسائل آسان کر دئے گئے۔ اسطرح ایک عظیم الشان شہر اجڑ گیا۔ لیکن دولت آباد حسب مراد آباد نہ ہو سکا۔ بادشاہ کی اس حرکت نے عوام کو مغموم بنا دیا تھا۔ جب اس سے بھی گذر کر اس کی سیاستیں عموماً تکلیف دہ ہونے لگیں اور وہ بلا سوچے سمجھے سخت سے سخت احکام نافذ کرنے اور ناقابل برداشت سزائیں دینے کا عادی بنگیا تو امرائے دربار نے اسکی اطاعت سے منحرف ہونے کی ٹھان لی۔ اور بالاتفاق دکن میں اپنی قوتیں بڑھانے اور اس کو غصب کر لینے کی تجویزیں کرنے لگے۔ بیدر کا حاکم نصرت خاں بھی اسی سازش میں شریک ہو گیا۔ مگر یہ راز بہت جلد کھل گیا اور سلطان نے اسکو معزول کر کے قتلغ خاں کو حکومت بیدر سے سرفراز کیا جو اسکا استاد اور کسی قدر معتمد علیہ شخص تھا اب نصرت خاں نے آزادی کے ساتھ امرائے دکن سے ملکر بغاوت کے منصوبے کئے رعایا اور تمام راجاؤں کو اپنا موافق بنا لیا۔ اور ۷۴۲ھ میں جب بادشاہ مہمات دکن سے واپس ہوا تو سبھوں نے دولت آباد میں اپنے مرکز خاطر کا اعلان کیا۔ اور اسمٰعیل فتح خاں کو ناصر الدین شاہ خطاب دیکر اپنا خود مختار بادشاہ بنا لیا۔ یہ خبر پاتے ہی تغلق نے گو دولت آباد پر چڑھائی کی۔ اور باغیوں کو شکستیں بھی دیں مگر اسے سوائے نقصان کے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ مدھور و گجرات کے فتنہ و فساد کو فرو کرنے کے لئے اسے فوراً واپس ہو جانا پڑا اور پھر دکن باغیوں کا جولاں گاہ بنگیا۔ شاہ علی نامی ایک باغی امیر اپنے

---

۹ یہ شخص تمام باغی امرا میں سن رسیدہ تجربہ کار اور ذی اثر تھا۔

چھوٹے سے لشکر کے ساتھ بیدر پر مسلط ہو گیا۔ مگر قتلغ خاں حاکم بیدر نے بہت جلد اُس کا قبضہ اُٹھا دیا۔ اتنے میں سلطان محمد تغلق کا داماد عماد الملک تبرزی بھی ایک جرار فوج کیساتھ بیدر پہونچگیا اور باغیوں کی سرزنش شروع کر دی۔ امرائے دکن کی جانباز فوج بھی فوراً بسر کردگی حسن کانگوئی بہمنی سپہ سالار دکن اس کے مقابلہ پر آگئی۔ اس فوج کی تعداد تیس ہزار تھی۔ اس کے علاوہ راجہ ورنگل نے جو تغلق کا ستایا ہوا تھا۔ پندرہ ہزار فوج سے تائید کی اور دکن کا نیا پادشاہ "ناصر الدین شاہ" بھی پانچ سو سواروں کے ساتھ آپہنچا۔ طرفین میں کشت و خون شروع ہو گیا اور معرکہ کی لڑائیاں ہوئیں۔ بالآخر پرجوش دکنی غالب آگئے۔ اور عین معرکہ کارزار میں عماد الملک تبرزی مارا گیا۔ بیدر پر فتح و ظفر قابض ہونیکے بعد حسن نے دولت آباد کا ارادہ کیا اور یکے بعد دیگرے تغلق کے تمام متصرفہ قلعوں کو لے لیا اس بغاوت اور سرکشی میں زیادہ تر جانبازی اور اولوالعزمی حسن ہی نے دکھائی تھی۔ اور اکثر بلکہ کل فتوحات اسی کے ہاتھ پر ہوئی تھیں۔ اس لئے ناصر الدین شاہ نے بطیب خاطر بادشاہی

---

۹ "حسن" قوم کا افغان اور دارالخلافت دہلی میں "گنگو برہمن" نجم کے پاس ملازم تھا اور اس نجومی کو شہزادہ محمد تغلق کے پاس بڑی عزت حاصل تھی۔ "حسن" نہایت تنگی اور عسرت سے بسر کرتا تھا۔ گنگو نے اس کی حالت افلاس و فاقہ کشی پر رحم کر کے دو بیل دلا دئے۔ اور اپنے علاقہ کی کسی قدر زمین اس کے سپرد کی۔ ایک روز حسن اُس زمین میں ہل چلا رہا تھا۔ ہل زمین میں دھس گیا اور باوجود کوشش کے نکل نہ سکا اُس نے زمین کو کھودا۔ ہل میں زنجیریں الجھی ہوئی تھیں جب زنجیریں علیحدہ کی گئیں تو ایک ظرف دکھائی دیا۔ جس میں اشرفیاں بھری تھیں۔ حسن نے شب کے وقت اُس ظرف اور اشرفیوں کو چادر میں باندھکر منجم کے مکان کو پہنچا دیا اور اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کیا۔ گنگو نے اس نیک نیتی و دیانت داری پر تحسین کی۔ اور روز بہری

اسکو دے دی اور ۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ روز جمعہ کو تاج[۹] شاہی باضابطہ اُسکے حوالہ کر دیا۔ نئے بادشاہ نے اپنا لقب "سلطان علاؤالدین حسن کانکو بہمنی" رکھا اور گلبرگہ کو حسن آباد سے نامزد کر کے اپنا دار السلطنت قرار دیا۔

دکن کی اعلیٰ حکومت کا مستقر اٹھ جانیکی وجہ سے سلطان علاؤالدین حسن کانکو بہمنی کے ہاتھوں بیدر کی روز افزوں ترقی کو نقصان تو پونچا لیکن اسی کی ساتویں پشت میں ایسا زندہ دل جوہر شناس بادشاہ پیدا ہوا جس نے اس سرزمین کی بیحد قدر کی۔ اور اسے معراج کمال تک پونچا دیا۔ سلطان احمد شاہ ولی البہمنی کی فقادانہ نظروں سے یہاں کے پوشیدہ معادن بھی مخفی نہیں رہ سکے۔ تقریباً کل ممالک تلنگانہ مرہٹواری و کرناٹک فتح ہونے کے بعد سلطان نے بیدر کو احمد آباد سے موسوم کر کے ۸۳۲ھ میں اپنے پایۂ تخت کے لئے منتخب کیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ بیدر ان ممالک کے بیچوں بیچ ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دن یہ قصہ شہزادہ محمد تغلق سے بیان کیا۔ شہزادے حسن کو بلوایا۔ اور اسکو ایک سنجیدہ اور متین آدمی پاکر مصاحبوں میں شریک کر لیا کنگو علم نجوم میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ ایکروز اُس نے حسن کے طالع کا زائچہ دیکھکر بیان کیا کہ تو صاحب اقبال ہوگا۔ اور تجکو بادشاہت نصیب ہوگی۔ تو مجھسے اقرار کر کہ اگر اللہ تعالیٰ تجکو بادشاہت عطا کرے تو تو اپنے نام کیساتھ میرا نام بھی شریک رکھے گا۔ چونکہ حسن اسکا نمک پروردہ تھا۔ اور اس موہوم امید کے پوری ہونے کا یقین بھی نہیں تھا۔ اس شرط کو قبول کر لیا۔ اور اسی وقت اپنے نام کیساتھ "کانکو بہمنی" بڑھا دیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جب اُس سے نمایاں کام ظہور پذیر ہوئے تو وہ گروہ امرا میں شامل ہوگیا۔ اور بادشاہ کیساتھ دکن میں آیا۔ اور بعد واپسی بادشاہ سیاست کے خوف سے یہیں مقیم رہا۔ اور دکن کے باغی امرا میں شامل ہوگیا۔

۹۔ یہ تاج سونے کا تھا۔ اور یاقوت والماس و مروارید سے مرصع تھا۔ اسکی قیمت چودہ لاکھ روپیہ تھی ۱۲

اور یہاں سے ہر جگہ اچھی نگرانی ہو سکتی ہے۔ اب یہاں عالیشان عمارتیں شاہی محلات، امرا کے شاندار قصر، قلعہ باغات، مساجد وغیرہم کثرت سے تیار ہوئے۔ زمین کی صلاحیت اور اس کے قدر دانوں کی قابلیت سے ہر طرف گل و گلزار نظر آنے لگے صنعت و حرفت اور پیداوار میں بیحد ترقی ہوئی۔ اور باخدا سلطان کی بیدریغ فیاضیوں کی بدولت ہر گوشہ اور ہر حصہ ملک سے علما۔ فضلا۔ اور ہر قسم کے ہنرمند جمع ہو گئے۔ غرض تھوڑے ہی عرصہ میں بیدر ایک عالی شان شہر۔ ہندوستان بھر میں بہت بڑا دار الصنائع اعلیٰ درجہ کی علمی درس گاہ۔ اور بہت بڑی تجارتی منڈی ہو گیا۔ ۱۰۸۶ھ تک تمام مملکت دکن کا دار السلطنت رہنے کی وجہ سے اس کی ترقی اور چہل پہل روز افزوں رہی۔ مگر اس کے بعد سلطنت بہمنیہ کئی حصوں میں منقسم ہو گئی بیجاپور میں یوسف عادل خاں نے سلطنت عادل شاہی قایم کی۔ جنیر میں ملک حسن کے بیٹے احمد شاہ بحری نے سلطنت نظام شاہی قرار دی۔ اور احمد نگر بسایا۔ محمد قلی قطب شاہ نے گولکنڈہ کا نام محمد نگر رکھکر سلطنت قطب شاہی کی بنا ڈالی۔ فتح اللہ عماد الملک نے صوبیدار برار نے الیچپور کو سلطنت عماد شاہیہ کے نام سے مشہور کیا۔ اور سلطنت بیدر کی ماتحتی میں صرف دو تین ضلع اور چار ہزار فوج رہگئی۔ سلطنت کا رقبہ اسقدر محدود ہو جانیکی وجہ سے۔ دار السلطنت سے وہ اگلی شان و شوکت مفقود ہو گئی۔ اور اطراف و اکناف سے بوجہ ماتحتی جو آمد و رفت عوام تھی اس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اکثر مکانات ویران ہو گئے۔ غرض بیدر کو ہر طرح تنزل ہونے لگا۔ مگر بانیہمہ ۱۰۲۰ھ تک یہاں بادشاہت قایم رہی۔ اس کے بعد بیدر قلعداروں کی ماتحتی میں آگیا ۱۰۶۶ھ تک ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور کی طرف سے اور ۱۱۵۲ھ تک پادشاہ دہلی کی جانب سے اور پھر سالار جنگ اعظم کے زمانہ

وزارت تک سلطنت آصفیہ خلد اللہ ملکہا کی طرف سے قلعدار حکومت بیدر سے ممتاز رہے۔ مگر اس کے بعد بیدر قعر گمنامی سے کچھ ابھرا۔ دستور معظم کی قابل قدر کوششوں اور اعلیحضرت کی بیدریغ فیاضیوں نے اسکی گذشتہ شان و عظمت کو زندہ کر دیا۔ قلعدار صدر تعلقدار یا صوبیدار کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اور اسکی ماتحتی میں بہت سے عہدہ داروں کا تقرر عمل میں آیا۔ وسائل رسل و رسائل اور ذرائع تجارت کو ترقی دی گئی۔ رستے ہموار اور قابل گذر بنائے گئے۔ ہر صیغہ اور ہر سررشتہ کے لئے کافی عملہ رکھا گیا۔ اور جدا جدا کچہریاں قرار دیگئیں۔ اسطرح بیدر دارالسلطنت نہ سہی مگر ملک دکن کا ایک سربرآوردہ صوبہ بنگیا۔ مگر باوجود اس کے وہ ان متعات سے بہرہ اندوز نہ ہوسکا۔ جو ایک صوبہ کو حاصل ہونے چاہئیں۔ محکمۂ صوبیداری کے علاوہ صوبہ کی ممتاز اور خاص الخاص کچہریاں اس سے کوسوں دور ہیں۔ اور اسکی آبادی ایک ضلع کی آبادی سے زیادہ نہ ہوسکی۔ افسوس ہے بیدر کی بدقسمتی پر کہ ان کچہریوں کا مستقر ہونے کی حسرت اس کے دل میں باقی ہی تھی کہ ۱۳۲۹ف سنہ ۱۳۲۹ف میں وہ صوبہ سے ضلع بنا دیا گیا۔ اور اپنے ایک ہم عصر گرنام و نمود میں اپنے سے کم درجہ "صوبۂ گلبرگہ" کے ماتحت کر دیا گیا۔ جو خلاف امید ترقی وزیر اعظم کے زمانہ میں اسے حاصل ہوی تھی۔ گو اس کے آثار ابتک ویسے ہی برقرار ہیں۔ لیکن ایک ایسی بڑی یادگار کا اعتباری تنزل بھی عبرت خیز ہے

اب میں بیدر کے موجودہ حالات۔ قابل سیر مقامات۔ اور لایق زیارت مزارات کا بالاختصار ذکر کروں گا۔

موجودہ حالات

بیدر کی زمین نہایت سرخ اور گویا نرم پتھر کا سرمہ ہے جو کثرت آمد و رفت کی وجہ سے بنگیا ہے۔ اور اس کی مقدار اتنی بڑھگئی ہے

کہ بعض عام گذرگاہوں پر پاؤں ٹخنوں تک دھس جاتے ہیں۔ یہ بات سفید پوشوں کے لئے بیحد تکلیف دہ ہے۔ آپ کسی سڑک پر سے چار قدم ہی ہو آئے۔ غیر ممکن ہے کہ آپ کے پتلوں کا آدھے سے زیادہ نیچے کا حصہ بالکل سرخ نہ ہو جائے۔ اور آپ کو اپنے ہاتھ پاؤں اور اپنا چہرہ اصلی رنگ پر لانے کے لئے صابوں سے نہ دھونا پڑے۔ مگر باوجود اس کے تعجب ہے کہ یہاں ایام بارش میں مطلق کیچڑ نہیں ہوتی۔ حتی کہ جانور کے سم تک تر نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ باریک مٹی بہت جلد بہ جاتی ہے اور یہاں کی سخت زمین کو پانی جذب نہ کرنے میں خاص امتیاز ہے۔

اس پتھریلی زمین کی ظاہری حیثیت اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ اس کے دامن میں بہت سے معادن پوشیدہ ہوں گے۔ یہاں کا پانی بھی جو بعض جگہ صاف طور پر کبریتی بو دیتا ہے۔ اس خیال کا موئد ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم جب برآمد شدہ معادن ہی کو کھو بیٹھے ہیں تو ان پوشیدہ خزانوں سے کیا حاصل کر سکیں گے۔

یہ زمین ہر قسم کی زراعت اور ہر قسم کے بقولات اور میوہ جات پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ سفید جوار تو یہاں کی خاص پیداوار ہے لیکن چاول بھی بہت ہی عمدہ اور خوشبودار ہوتے ہیں۔ ان میں سے خاص طور پر "کالا بھات" اور "موتی پور" چاول مشہور ہیں۔ کالا بھات لذیذ اور خوشبودار ہوتا ہے۔ موتی چور بہت ہی چھوٹا چاول ہوتا ہے پکنے کے بعد لمبا اور خوشبودار ہوتا ہے۔ نیشکر کی پیداوار بہت زیادہ ہے۔ اس وجہ سے یہاں کے اکثر باشندے گڑ کے روزانہ استعمال کے عادی ہیں۔

آبادی میں یا اس کے قریب کوئی تالاب یا ایسا چشمہ موجود نہیں ہے جس سے آبادی کا کوئی حصہ سیراب ہو سکے۔ البتہ باؤلیاں کثرت سے

ہیں۔ غالباً کوئی مکان ایسا نہ ہوگا جس میں بالی نہ ہو۔ چونکہ بیدر پہاڑ پر آباد ہے اس لئے یہاں کی باؤلیاں بہت عمیق ہیں۔ (۶۰) فیٹ سے (۱۵۰) تک ان کے عمق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پانی گو شیریں اور مزیدار نہیں لیکن بہت ہی مقوی اور ہاضم ہے۔ اور ہر قسم کی انسانی۔ حیوانی و نباتی نشوونما کے لئے مفید ثابت ہوا ہے۔

ہوا کسی زمانہ میں بہت ہی صاف اور مفرح تھی۔ مگر اب عدن آبادی میں ناگ پھنی کے بکثرت پھیلجانے کی وجہ سے یقین ہے کہ اس کو بھی نقصان پہنچا ہوگا۔

بیدر کے انسان قوی۔ بیل فربہ۔ گاؤمیش بہت شیر دہندہ اور بابو تیز رو ہوتے ہیں۔ مکانات زیادہ اور آبادی کم ہونیکی وجہ سے الو۔ چیل۔ اور کوے بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ کھٹمل اور پسو ہر وقت اور ہر موسم میں رہتے ہیں اور لنگور اس کثرت سے ہیں کہ سرکار کو ماہانہ (۴۰) کا صرفہ برداشت کر کے ان کے لئے روزانہ (۲۰۰) روٹیاں مقرر کرنیکی ضرورت پڑی ہے۔ تاکہ وہ لوگوں کو زیادہ تکلیف دینے سے باز رہیں۔ میں ان کے حالات کسی قدر تفصیل سے بیان کروں گا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ یہ ضرور دلچسپ ہوں گے۔

تمام لنگور کوئی پانچ چھ ٹکڑیوں میں منقسم ہیں ایک ٹکڑی صرف نروں ہی کی ہے جس کا مستقر فرح باغ ہے اور باقی ٹکڑیوں میں صرف ایک ایک نر اور باقی تمام مادہ ہیں۔ یہ نر اپنی ٹکڑی کی تمام مادیوں پر قابض ہوتا ہے اسے بغدہ کہتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ ایک ٹکڑی میں سے کوئی مادہ دوسری ٹکڑی میں چلی جائے۔ اگر ایسا ہو تو دونوں ٹکڑیوں کے بغدوں میں سخت لڑائی ہوتی ہے۔ اور غالب فریق مغلوب کی ٹکڑی پر قابض ہو جاتا ہے۔ ٹکڑی کی اکثر لنگورنیاں بچے والی ہوتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا

اپنی اپنی ماؤں کے آس پاس کھیلنا کودنا۔ اور اگر کوئی ڈرائے تو فوراً اُن کے پیٹ سے چمٹ جانا۔ اور ایسا چپٹنا کہ اگر اُن کی مائیں چلیں پھریں یا جست کریں تو وہ چھوٹے نہ پائیں۔ بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو نر نکالدئے جاتے ہیں اور وہ فرح باغ کی ٹکڑیوں میں شریک ہوجاتے ہیں۔ اور مادہ اسی ٹکڑی میں شریک کرلی جاتی ہیں۔ فرح باغ کے لنگوروں میں سے جو نر زیادہ مست ہوجاتا ہے وہ بھی سن رسیدہ بعدہ سے زور آزمائی کرتا ہے۔ اگر غالب آجائے تو ٹکڑی پر قابض ہوجاتا ہے۔ اور پہلا بعدہ اگر جنگ میں مارا نہیں گیا ہے تو کم از کم سخت زخمی ہوکر فرح باغ میں جاگزیں ہوتا ہے۔

نواب ناصر الدولہ بہادر کے زمانہ سے اِن ٹکڑیوں کو روزانہ باری باری روٹی تقسیم ہوتی ہے جو صدر مجلس میں تیار کرائی جاتی ہے۔ یہ امر کچھ تعجب خیز نہیں کہ جس ٹکڑی کی باری ہوتی ہے وہی رات کھاتی ہے۔ اور اُس کی منتظر رہتی ہے۔ دوسری ٹکڑی کے کسی لنگور کو اگر کہیں روٹی مل بھی جائے تو وہ اس کی طرف ملتفت نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی بھوکا ہو۔ یہ لنگور البتہ خود کبھی حملہ نہیں کرتے۔ لیکن جوان کو ستائے۔ یا ان کی باہمی لڑائی میں مزاحم ہو اس کو تکلیف پہنچائے بغیر نہیں رہتے۔

بیدر میں زبان اُردو کا زیادہ رواج ہے۔ مرہٹی۔ تلنگی۔ کنڑی بھی عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

بیدر کے مکانات جنکی تعداد تقریباً تین ہزار ہے معمولی اور عموماً اسی سرخ اور نرم پتھر کے تعمیر کردہ ہیں۔ حال کی عمارتوں میں مکان ہائی اسکول خاص طور پر تعریف کے قابل ہے۔ یہ بہت ہی خوشنما اور ضروریات تعلیم کے مطابق بنایا گیا ہے۔ دروازہ کے سامنے جمنا سٹک کے ستون بھی گڑے ہیں۔ اس مدرسہ میں انگریزی۔ اردو۔ فارسی۔

مرہٹی کی تعلیم ہوتی ہے۔ حاضر باش طلبہ کی تعداد تخمیناً (۳۰۰) یا اس سے کچھ زیادہ ہے۔

مدرسہ صوفیہ۔ مسجد صوفیہ۔ اور کمان صوفیہ بھی حال کی عمارتوں میں قابل وقعت سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ تینوں عمارتیں حضرت چندہ شاہصاحب قدس سرہ کی یادگار ہیں۔ مدرسہ صوفیہ میں مذہبی تعلیم ہوتی ہے مسجد صوفیہ بہت ہی خوشنما ہے۔ اور اسکی گلکاریاں قابل دید ہیں کمان صوفیہ ضرورت کے موافق بلند ہے۔ اور ظاہری حیثیت سے پختہ معلوم ہوتی ہے اس پر یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

چوں کمان در سگاہ صوفیاں تیار کرد — واقف سر علوم ظاہری و باطنی
گفت با عاقل سن تعمیر آں معمار عقل — شد بنای قوس چند اشاہصاحب قادری

آبادی کے باہر مکان کچہری تحصیل اور پادری کا بنگلہ بھی خوبیش وضع بنایا گیا ہے۔ کچہری کا مکان بالکل حال میں بنا ہے۔ اور ابتک گلن محل کی اس میں دفتر منتقل نہیں ہوا ہے گلن محل قلعہ کے اندر نہایت پختہ اور عالیشان مکان ہے۔ ایسے محفوظ اور شاہی مکان کے ہوتے ہوئے تحصیل کی کچہری کے لئے خزانہ شاہی پر بار ڈالنے اور آبادی کے باہر بالکل غیر محفوظ مقام پر نیا مکان بنانے کی ضرورت خدا جانے کن وجوہ سے تسلیم کی گئی۔

سب سے زیادہ خوشنما تجارت گاہ عثمان گنج ہے۔ محبوب گنج اور شاہ گنج میں بھی اچھی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ مگر یہاں بیدر کی مصنوعہ چیزیں نہیں مل سکتیں۔ صنعت کے اعتبار سے بھی یہ شہر خاص شہرت رکھتا ہے۔ جست کے برتن اور روئی کے دلکے۔ سوزنیاں۔ اور نیم آستین اور سونے چاندی کے ورق نہایت نفیس اور پائدار تیار ہوتے ہیں۔ کسی زمانہ میں ان کی مانگ بہت تھی۔ اور یہاں کی صناع متمول تھی

ف ایک عظیم الشان محراب ہے جسکا نام کمان صوفیہ پڑگیا ہے۔

مگر اب نہ وہ قدر ہے نہ ویسی کاریگروں کی کثرت۔ صرف ایک دو مکان برتن ڈھالنے والوں اور زرگروں کے باقی رہ گئے ہیں۔ اور اُن کو بھی روز بروز تنزل ہی ہوتا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ تجارت کو ترقی دینے اور صنعتوں میں نت نئی ایجادیں کرنے کے طریقے ان کو معلوم نہیں۔ بیدر کے باہر کسی جگہ کوئی دوکان ایسی نہیں ہے جہاں بیدری برتن وغیرہ فروخت ہوتے ہوں یا اُن کے توسط سے فرمایش کی جاسکتی ہو۔ دوسری جگہ تو کجا۔ خاص بیدر میں بھی یہ چیزیں تیار میسر نہیں آسکتیں تاوقتیکہ فرمایش اور ایک دو مہینوں تک انتظار نہ کیا جاے۔ اِن کا دستیاب ہونا مشکل ہے۔ بیدری برتنوں میں قلمدان۔ دوات۔ خاصدان۔ چھڑیوں کے شام۔ صراحی۔ جام۔ ڈبیاں۔ تھالیاں۔ اوگالدان۔ پاندان۔ اور حقے ہر قسم اور ہر وضع کے بکثرت بنتے ہیں۔ اِن کے ڈھالنے کا طریقہ اگر بالاختصار بیان کردیا جاے تو نامناسب نہ ہوگا۔

جو چیز تیار کرنی ہو پہلے اُس کا سانچہ مٹی کا بنا لیا جاتا ہے اور اُسکو سایہ میں خشک کرکے ہموار اور صاف کردیا جاتا ہے پھر اسی وضع کا ایک دوسرا موم کا سانچہ بنا کر مٹی کے سانچے پر اس طرح سے جما دیا جاتا ہے کہ دونوں کے بیچ میں حسب مقدار مطلوبہ خلورہ جاے۔ اُس کے بعد جست پگلا کر اُس میں ڈالدیا جاتا ہے۔ اور اُس کے جم جانے کے بعد سانچے توڑ دے جاتے ہیں۔ اِسطرح برتن تیار ہوجاتا ہے۔ مگر وہ بہت ہی ناہموار رہتا ہے۔ اِس لئے اُس کو خرچ پر چڑھا کر صاف و شفاف اور ہموار کردیتے ہیں۔ اِن برتنوں پر خوشنما گلکاری بھی کیجاتی ہے یہ کام زرگر کرتے ہیں۔ برتن ڈھالنے والوں کو اس صنعت سے کوئی تعلق نہیں۔

جست میں پارہ ملاکر بھی برتن بنایا جاتا ہے۔ ان کو "روپ جست"

کے برتن کہتے ہیں۔ ایسے برتن ہمیشہ سفید اور بالکل ظروف نقروی کے مشابہ ہوتے ہیں صرف جست کے برتن ڈیڑھ روپیہ کو سیر اور روپ جست کے برتن چار روپیہ کو سیر ملتے ہیں۔ گلکاری میں جسقدر چاندی صرف کرنی طلب ہو اُسکی قیمت کے علاوہ فی تولہ یکروپیہ اجرت لیجاتی ہے۔

سوزنیاں۔ دگلے۔ اور نیم آستین۔ درزی تیار کرتے ہیں۔ سوزنی پانچ روپیہ سے دس روپیہ تک۔ دگلے ایکروپیہ سے دو روپیہ تک اور نیم آستین آٹھ آنہ سے چودہ آنہ تک ملتی ہے۔

بیدر کے باشندے کسی زمانہ میں نہایت ہی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ پرانی تاریخوں میں اِن کا نام بہت ہی عزت سے لیا گیا ہے۔ مگر سخت افسوس ہے کہ آجکل اُن کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہوگئی ہے۔ اتفاق و اتحاد باہمی اُن میں مطلقاً نہیں ہے۔ خواہ مخواہ اور بلاوجہ بھی کسی کو تکلیف پہنچانا۔ اور دوستی کی شکل میں دشمنی کا برتاؤ کرنا ان کا شعار ہو رہا ہے۔ تعلیم و تربیت کی جانب بہت ہی کم توجہ کیجاتی ہے اور سستی و کاہلی کی بدولت بیدر کی چار دیواری سے باہر نکلنے اور ترقی کے وسائل پیدا کرنے کا مادہ اُن سے مفقود ہو رہا ہے۔ بیہودہ رسم و رواج۔ اور بیہودہ عادتیں ایسی عام ہوگئی ہیں کہ بیدر کا مقدس طبقہ مشائخین بھی اس سے محفوظ نظر نہیں آتا۔ ماہ محرم میں یہاں جو اُدھم مچتا ہے۔ اُس کی نظیر غالباً ممالک محروسہ میں کسی جگہ مشکل سے مل سکیگی۔ بیدر میں چار تعلیم خانے[1] ہیں۔ اُن کے طرفدار محرم میں ایک دوسرے کے ایسے مخالف

[1] سلاطین بہمنیہ کے زمانہ میں یہ تعلیم خانے "تہدید خانے" کہلاتے تھے اور اِن میں سے ہر ایک پر کوئی مشہور اور مسلم الثبوت اُستاد (پہلوان) نگران کار رہتا تھا۔ سال میں ایک دفعہ (ماہ محرم میں) ہر پہلوان کے شاگردوں کی آزمایشیں ہوتی تھیں۔ اور کامیاب شاگرد اعلیٰ اعلیٰ خدمتوں پر مامور کئے جاتے تھے۔ اِن

بن جاتے ہیں کہ قرابت قریبہ کا بھی انہیں پاس نہیں رہتا۔ بہت سخت ضرورت ہے کہ زندہ دلان پربھنی کی طرح چند سربرآوردہ اور تعلیم یافتہ حضرات یہاں ایک انجمن قایم کریں اور پرجوش اسپیچوں اور موثر لکچروں کے ذریعہ سے باشندگان بیدر کے خیالات کی اصلاح کریں۔ تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دلائیں اور ترغیبی وظائف جاری کرکے کامیاب طلبہ کی حوصلہ افزائی کریں سخت تعجب ہے کہ بیدر میں باوجودیکہ اعلیٰ حکام۔ لائق وکلا۔ اور اکثرت تعلیم یافتہ حضرات موجود ہیں۔ لیکن یہاں کوئی ایسی کلب یا انجمن نہیں ہے جہاں تبادلہ خیالات ہوتا ہو۔ اور روزانہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہوکر اتحاد و ارتباط کا ثبوت

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ تہہ خانوں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں ایک بہت بڑی کڑائی لوہے کی رکھی جاتی تھی۔ اور اس میں ہمیشہ گرم اور کھولتا ہوا تیل تیار رہتا تھا۔ جب کوئی شخص ایسے جرم کا ارتکاب کرتا جسکی پاداش میں سزائے موت دیجاسکتی ہو تو وہ اس میں جھونک دیا جاتا۔ ان تہہ خانوں کے اب یہ نام مشہور ہیں۔

(۱) نورخاں کا تعلیم خانہ (شرقی)
(۲) صدیق شاہ کا تعلیم خانہ (غربی)
(۳) منیار کی تعلیم (شمالی)
(۴) پنسالی تعلیم (جنوبی)

۵ سنہ ۱۳۱۵ سے پربھنی میں ایک انجمن بنام "انجمن اتحاد پربھنی" قایم ہے۔ پربھنی کے تقریباً کل لایق باشندے اس سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اتحاد و یکجہتی کا جو سبق اس نے پربھنی والوں کو دیا ہے وہ بہت ہی قابل قدر ہے۔ حال میں انجمن نے مدرسۂ سرکاری پربھنی کے کامیاب مگر غریب طلبہ کو ترغیبی وظائف دینے کا ارادہ کیا ہے اللہ تعالیٰ ہر حصۂ ملک کو اس نظیر سے فائدہ اٹھانیکی توفیق عطا فرمائے اور انجمن کے ارادوں میں کامیابی اور برکت دے

دیتے ہوں۔ گو قلعہ کے سامنے ایک چھوٹا سا مکان کلب کے نام سے موسوم ہے۔ مگر وہ صرف برائے نام ہے۔ اور اس سے کسی قسم کا کوئی فائدہ بیدر والوں کو ہوا ہے نہ یہ امید ہے کہ آیندہ ہوگا۔

بیدر کے مردہ نما ڈھانچے میں اگر کچھ روح نظر آتی ہے تو وہ "بیدر رگزٹ" ہے لیکن اسکی حالت کچھ ایسی پست اور اُس کی رفتار کچھ ایسی سست ہے کہ وہ کچھ پنپتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اِس اخبار کو دلچسپ بنانے کی طرف بیدر والوں کو متوجہ ہونا چاہیئے۔ اور اڈیٹر صاحب کو لکھائی۔ چھپائی۔ پر کافی نگرانی اور اصلاح زبان کی کوشش کے علاوہ اخبار کی قیمت واجبی قرار دینی چاہیئے۔

بیدر میں صبح کے چار بجے دن کے بارہ بجے رات کے آٹھ بجے ایک چھوٹی سی توپ سر کیجاتی ہے۔ مگر بالکل غیر صحیح وقت شب میں بعض بڑے بڑے راستوں پر روشنی ہوتی ہے۔ مگر نہایت مدھم اور ترمیم طلب قندیلوں کے ذریعہ سے۔ سڑکیں بنی ہوی ہیں اور ان پر راستہ بتلانے والی تختیاں بھی لگی ہوی ہیں۔ مگر قلعہ کی سڑک کے سوائے سب کی سب محتاج ترمیم ہیں۔

بیدر میں کوئی باغ نہیں ہے۔ حالانکہ آب وہوا کی عمدگی اور زمین کی صلاحیت اس امر کی مقتضی تھی کہ یہاں بہت سے باغات ہوتے۔ اس کی وجہ وہی بیدر والوں کی سستی اور کاہلی ہے۔ ملک التجار محمود گاوان کے زمانہ میں یہاں زعفران کی کاشت ہوتی تھی۔ باغات بکثرت تھے۔ اور ہر قسم کے میووں کی افراط تھی۔ مگر افسوس۔

"آں قدح بشکست وآں ساقی نماند"

اُن باغوں کی ایک یادگار اب بھی باقی ہے۔ بیدر کے شرقی جانب ایک میل کے فاصلہ پر ایک مقام "فرح باغ" کہلاتا ہے۔ اب یہاں

صرف آم کے چند درخت باقی ہیں۔ اور بس۔

آثار قدیمہ

فصیل شہر

شہر کے اطراف نہایت ہی پختہ اور کنگرہ دار فصیل ہے جو ایک عمیق خندق سے محصور کی گئی ہے۔ خندق کے متصل آمد و رفت کیلئے پختہ سڑک ہے۔ یہ سڑک بہت اونچی ہے۔ اور اس عمدگی سے بنائی گئی ہے کہ فصیل کی دیواریں اگر کچھ فاصلہ پر سے دیکھا جائے تو بہت ہی چھوٹی نظر آتی ہیں۔ غیر ممکن ہے کہ توپ کا گولہ آسانی سے فصیل کو نقصان پہنچا سکے۔ اس لئے کہ وہ اونچی سڑک جو گاؤدم بھی بنائی گئی ہے گولہ کو دیوار فصیل تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ فصیل پر جا بجا برج بنے ہوئے ہیں اور اس میں سے اکثر پر توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ اس کی بلندی (۱۲) گز ہے۔ خندق بھی (۱۲) گز عریض ہے۔ اسکا عمق (۱۵) گز تھا مگر اب اس میں مٹی بھر گئی ہے۔ اور ناگ پھنی پھیلی گئی ہے۔ فصیل کے بعض پتھر پر قبروں کے تعویذ دکھائی دیتے اسی کی وجہ یہ ہے علی بریدنے ۹۶۳ھ میں گنبدوں اور مزاروں کو توڑوا کر ان کے پتھروں سے اسے تعمیر کرایا ہے۔

شہر میں داخل ہونے کے لئے پانچ دروازہ ہیں۔

(۱) منگل پیٹہ (شرقی)
(۲) فتح دروازہ (جنوبی)
(۳) تلگھاٹی دروازہ (شمالی)
(۴) دروازہ شاہ گنج (غربی)
(۵) دلہن دروازہ (شمال و شرق میں)

یہ دروازے بہت ہی شاندار اور مستحکم ہیں اور ان پر لوہے کی نوکدار مگر گاؤدم اور موٹی سلاخیں ایک ایک انچ کے فاصلہ سے لگی ہوئی ہیں سوائے دروازۂ شاہ گنج کے ہر دروازہ کے سامنے برج ہے اور دو قلعہ کے دروازوں کی طرح بنایا گیا ہے یعنے برج کے بازو سے اور حصار کے اندر تھوڑا سا غیر متقبل راستہ طے کرنے کے بعد دروازہ ملتا ہے۔ تلگھاٹی دروازہ کے بعد ہی بہت بڑا نشیب شروع ہو جاتا ہے۔ اس پر پختہ اور سنگ بست مگر ناہموار راستہ بنا دیا گیا ہے یہی ایک دروازہ ایسا ہے جس میں سے گاڑی وغیرہ نہیں آسکتی۔ دولہن دروزہ کے سوائے ہر دروازہ کے دائیں پٹ پر بالکل بیچوں بیچ آہنی تختی پر نہایت ہی خوش خط کتبے کندہ ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

دروازۂ تلگھاٹ

"روز دوشنبہ دوم شہر ذی قعدہ ۱۰۸۵ھ از جلوس میمنت مانوس حضرت قدر قدرت جمجاہ ملائک سپاہ ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ موافق ۱۰۸۲ھ ہجری نبوی در صوبیداری کمترین بندگان مختار خاں الحسینی سبزواری ایں دروازہ صورت اتمام پذیرفت"

دروازۂ شاہ گنج۔

"روز چہار شنبہ ۵ شوال ۱۰۸۴ھ از جلوس میمنت مانوس حضرت قدر قدرت جمجاہ ملائک سپاہ ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ موافق ۱۰۸۱ھ در صوبیداری کمترین بندگان مختار خاں الحسینی السبزواری ایں دروازہ صورت اتمام پذیرفت"

فتح دروازہ

"روز جمعہ پانزدہم شہر ربیع الثانی ۱۱۴۳ھ جلوس میمنت مانوس حضرت قدر قدرت جمجاہ ملائک سپاہ ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ موافق ۱۱۴۳ھ ہجری نبوی در صوبہ داری کمترین بندگان مختار خاں الحسینی سبزواری ایں دروازہ صورت اتمام پذیرفت"

دروازہ منگل پیٹہ

"حسب الفرمان جلیل الشان اعلیحضرت قدر قدرت حضور پر نور نواب ناصر الدولہ بہادر آصفجاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بروز یکشنبہ یازدہم شہر ربیع الثانی مطابق ۲۳ جلوس ہمایوں در تعلقداری وحسن ارادت بندۂ جانفشاں شمس الدین خاں عرف ابن صاحب تیاری دروازۂ حصار قلعہ روبروئے محمود گنج فی ۱۱۶۶ ہجری النبوی زیب اتمام پذیرفت وللہ الحمد"

فتح دروازہ کو نورس دروازہ ۔ دروازۂ شاہ گنج کو سکی دروازہ اور دروازۂ منگل پیٹہ کو محمود دروازہ بھی کہتے ہیں اورنگ زیب علیہ الرحمہ نورس دروازہ سے بیدر میں تشریف لائے تھے اس لئے اس کا نام فتح دروازہ رکھا گیا ۔

باقی آئندہ

محمد عبد الوہاب عندلیب حیدرآبادی

تختِ طاؤس

"تخت" فارسی میں کرسی کو کہتے ہیں لیکن اب اس لفظ نے ایک ایسی خصوصیت حاصل کرلی ہے کہ عام طور پر بیٹھنے کی کرسی کو تخت نہیں کہا جاتا کیونکہ تخت کی وہ ہیئت کذائی جس کی وجہ سے کرسی پر اس کا اطلاق ہوتا تھا بالکل بدل گئی ہے اور اب عام اصطلاح میں تخت ایک مربع مستطیل ہموار تختہ کو کہتے ہیں جو چار پایوں پر قائم اور پلنگ سے بالکل مشابہ ہوتا ہے۔ یہ تو اس تخت کا بیان ہے جو عوام میں بکثرت مستعمل ہے لیکن خاص اصطلاح میں "تخت" اس نشست گاہ کا نام ہے جس پر کسی ملک کا بادشاہ جلوہ افروز ہو کر سلطنت کے کام انجام دیتا ہے اس تخت کی شکل و صورت بھی عام تخت کے مشابہ ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ تخت شاہی زیادہ تر متمن۔ یا مسدس اور کمتر مربع ہوتا ہے اور اسکی پشت کی جانب تکیہ لگا کر بیٹھنے اور اوپر ایک چتر زرنگار کے سایہ فگن رہنے کا لحاظ ملحوظ رہتا ہے۔

یہ موخر الذکر تخت شاہانہ لوازمات میں نہایت ضروری سمجھا گیا ہے اس کے ساتھ ایک ایسی شاندار شاہانہ رسم متعلق ہے جس کو تخت نشینی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہی وہ رسم ہے جس کے بعد بادشاہ کو ایک مستقل اور خود مختار فرمانروائی کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ تخت کے ساتھ اسی کے برابر ضروری

ایک اور چیز بھی ہے جو "تاج" کے نام سے موسوم ہے شروع ہی سے تخت و تاج میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے جس کی وجہ سے اس رسم کو جو تخت نشینی کے نام سے موسوم ہے رسم تاج پوشی بھی کہتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے مضمون کا موضوع "تاج" نہیں ہے اس لئے ہم اسکی نسبت اس سے زیادہ لکھنا نہیں چاہتے اور "تخت" کی چند ابتدائی تاریخی حالات بیان کر کے اصل مضمون کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں۔

"تاریخ مروج سلطانی" میں لکھا ہے کہ "تخت" کی ابتدا جمشید سے ہوئی جس کو سوای اس کے اور کئی ایجادوں کا فخر حاصل تھا اس نے اپنے تخت کو طرح طرح کے بیش قیمت جواہرات سے مرصع اور آراستہ و پیراستہ کر کے نجومیوں کی رائے سے نیک ساعت میں جلوس کیا اور اپنی تخت نشینی کی خوشی میں نہایت شاندار جشن منایا جب جمشید سے زمانہ کے انقلاب نے فارس کا تخت چھین لیا اور اسکی جگہ دوسرے بادشاہ حکمرانی کرنے لگے تو انھوں نے بھی جمشید کی اس ایجاد کو نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا اور چونکہ یہ عام دستور ہے کہ جب موجد کسی چیز کو ایجاد کر جاتا ہے تو اسکے بعد اوس میں نئی نئی اصلاحیں ہوتی رہتی ہیں اسی طرح جمشید کی تخت کی ایجاد میں بھی فریدوں نے جو فارس کا ایک نہایت باحشم فرمانروا گزرا ہے ضروری اصلاحیں کیں اور اس کو اس قدر خوبصورتی کے ساتھ بہشت بریں تیار کرا کے بیش بہا جواہرات اور سونے چاندی میں مغرق کر دیا کہ وہ بالکل ایک نئی ایجاد معلوم ہونے لگا فریدون کی تخت کی نسبت اکثر لوگوں نے خامہ فرسائی کی ہے لیکن ہم اسکی کل باتوں کو چھوڑ کر صرف اس کی بیش قیمتی کا اندازہ کرینگے کہ

اتنا بیان کرتے ہیں کہ اوس کے گرد ایک ہزار طلائی گیند آویزاں تھے جن میں سے ہر ایک گیند کا وزن پانسو مثقال یعنے دو سو تولے تھا۔

اب تخت فریدوں کی تصویر کو پیش نظر رکھ کے ہم کو شاید یہ خیال ہو کہ قدیم زمانہ میں تو کجا زمانہ حال میں بھی اس قسم کے انمول اور عجوبہ روزگار تخت کی نظیر نہیں مل سکے گی لیکن فوراً ہمارا تصور ہمارے سامنے تخت طاؤس کا وہ دل آویز نقشہ پیش کر دیتا ہے جس کے آگے تخت فریدوں کی تصویر کا رنگ پھیکا پڑ جاتا اور ہم کو مجبوراً تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ "تخت طاؤس" تخت فریدوں سے کسی بات میں کم نہیں تھا۔ چونکہ تخت طاؤس مغلیہ خاندان کے اُس نکتہ اس اور نازک مزاج شہنشاہ شاہ جہاں کی ایجاد پسندی کا نتیجہ تھا جس کی جدت طرازی کی مشہور آفاق تاج محل زبان حال سے شہادت دے رہا ہے اس لئے ہم کو تخت فریدوں سے بڑھا ہوا ماننے میں بھی ہم کو عذر نہیں ہو سکتا۔ فی الحقیقت شاہ جہاں نے فارس کے حکمرانوں کی شوکت و جلال کو بے حقیقت ثابت کرنے کے لئے ایسے ایسے نادر الوجود آثار چھوڑے ہیں جن کو دنیا آج تعجب کی نظر سے دیکھ رہی ہے۔ چنانچہ تخت طاؤس بھی شاہ جہان کی اسی شوکت کا ایک ادنے نمونہ ہے۔ کہنے کو تو یہ بادشاہ کے بیٹھنے کا تخت تھا لیکن اس میں کن کن صناعیوں اور خوبصورتیوں سے کام لیا گیا تھا اوس کا ذکر ذیل میں ناظرین خود ملاحظہ فرمائیں گے چونکہ فطرۃً شاہجہاں شوکت پسند پیدا ہوا تھا اس لئے باپ کی جگہ سنبھالتے ہی سنبھالتے اُس کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جس طرح اُسکے لقب سے عظمت و جبروت ظاہر ہوتی ہے اسی طرح اُس کے دربار سے بھی شان و شوکت اور

جاہ و جلال کا اظہار ہو۔ تخت نشینی کی بھی ہی اس کو جو خیال ہوا وہ یہ تھا کہ اپنے جلوس کے لیے ایک نہایت قیمتی اور خوبصورت تخت تیار کرائے جو نہ صرف بیش قیمتی ہی میں بے مثل ہو بلکہ صنعت و کاریگری میں بھی اُس کی کوئی نظیر نہ نکلے۔ اس ارادہ کو پورا کرنے کے لیے اس نے بے بدل خاں داروغہ زرگرخانہ کو حکم دیا کہ محلات شاہی کے خاص خاص خزانوں کے علاوہ جس قدر متفرق اور بیرونی جواہر ہوں پیش کیے جائیں جب حسب الحکم جواہر دربار میں لائے گئے تو انکی چمک اور آبداری کا یہ عالم تھا کہ یک بیک تمام دربار بقعۂ نور بن گیا اور اُن میں سے نکل نکل کر چاروں طرف پھیلنے والی چکدار شعاعیں ہر ایک کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگیں۔ اگرچہ یہ تمام جواہر ایسے بیش قیمت اور خوش رنگ تھے کہ کسی بادشاہ کے خزانہ میں اُن کی نظیر نہیں مل سکتی تھی لیکن اُن میں سے بھی شاہ جہاں نے وہ جواہر چن لیے جو سب میں وزنی خوبصورت اور بیش قیمت تھے اور انکا جملہ وزن پچاس ہزار مثقال یعنے دو ہزار تولے تھا[1] یہ جواہرات بے بدل خاں کو دیکر حکم فرمایا کہ ایک لاکھ تولہ خالص سونے اور ان جواہرات سے ایک تخت تیار کیا جائے اور اس کی نسبت کئی ضروری ہدایتیں مثلاً تخت کا نقشہ اس کی وضع قطع غرض کل جزوی و کلی باتیں جو ایک استاد فن اس کی نسبت سمجھا سکتا تھا بے بدل خاں کو سمجھائیں۔

ڈاکٹر برنیر۔ جو ہندوستان کا مشہور سیاح ہے اس تخت کی قیمت کا اندازہ قطعاً چار کروڑ روپیہ کرتا اور کہتا ہے کہ وہ تخت جو سونے چاندی اور جواہرات بیش بہا میں سرتاپا مغرق ہو اس سے کم قیمت میں کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔ ملا عبدالحمید مورخ بادشاہ نامہ نے اس کی قیمت کا اندازہ تین کروڑ روپیہ کا لگایا ہے بعض مورخین نے

[1] حاشیہ صفحہ تیس میں دیکھا جاے ۱۲

صرف ایک ہی کروڑ روپیہ پر اکتفا کی ہے جس کو ہم تخت کے بیش بہا جواہر اور شاہ جہاں کی عظمت و بزرگی کا خیال کر کے کبھی صحیح تسلیم نہیں کر سکتے ٹیونیر فرانسیسی جوہری نے جو اپنے زمانہ کا بڑا ماہر تھا کئی روز تک پرکھنے کے بعد اسکی قیمت ساڑھے چھ کروڑ روپیہ بتلائی ہے جو بغیر کسی پس و پیش کے قبول کی جا سکتی ہے۔

بہر حال جب حسب الحکم شہنشاہ تخت کی تیاری ہونے لگی جس میں نہایت نامی گرامی یگانۂ روزگار اور چابک دست کاریگر کام کیا کرتے تھے تو بعض وقت شاہ جہاں خود بھی بہ نفس نفیس اسکی نگرانی کیا کرتا اور کاریگروں کو اس کی نسبت ایسے ایسے معقول مشورے دیتا کہ وہ بھی اس کی ہنرمندی اور ایجاد پسندی کو دیکھکر متحیر رہ جاتے اس طرح یہ تخت سات سال کے عرصہ میں بنکر تیار ہوا اور اس کا نام "تخت طاؤس" رکھا گیا کسی خوش گو شاعر نے اس کا سن اختتام کیا خوب کہا ہے۔ "سریر ہمایوں صاحب قرانی" ۱۰۴۴ھ

جب تخت طاؤس ایوان شاہی میں لاکر رکھا گیا تو اوس پر عجیب شان و شوکت کا جلوہ نمودار تھا۔ بادشاہ اپنی خاص ایجاد کو مکمل دیکھکر نہایت مسرور ہوا اور اس پر جلوہ افروز ہونے سے پہلے دو رکعتیں شکرانہ کی ادا کیں اور پھر اہل دربار سے یوں مخاطب ہوا:۔

"میں خدائے برتر و بزرگ کا شکر بجا لاتا ہوں کہ اُس نے میرے قبضہ میں ایسی وسیع اور زر خیز مملکت دی اور کروڑوں آدمیوں کی جانیں میرے ایک حکم سے وابستہ فرمائیں۔ تم کو معلوم ہے کہ فرعون نے آبنوس کا تخت بنا کر جس کو میرے تخت سے نسبت نہیں خدائی کا دعوے کیا تھا میں لاکھ مرتبہ خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی اور عبودیت کا اقرار کرتا ہوں اور سر نیاز نہایت عجز کیساتھ اُسکے

آستانۂ جلال پر رکھ کر دعا کرتا ہوں جس طرح اوس نے مجھے دنیا میں با اقتدار کیا ہے ویسا ہی عقبیٰ میں بھی مجھے سرخ رو کرے۔ اور رسول مقبول سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جنکی ستایش سے میری کمزور زبان قاصر ہے قیامت میں میری دستگیری اور شفاعت فرمائیں' یہ کہکر بادشاہ اور ساتھ ہی کل اہل دربار سجدہ میں گر پڑے اور جب بادشاہ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو ریش مقدس پر سے آنسو ڈھلک رہے تھے اور دربار پر ایک عجیب رقت کا عالم طاری تھا

اب ہم یہاں سے (ا) امید پر ناظرین کی روبرو تخت طاؤس کی دل لبھانے والی تصویر پیش کرتے ہیں کہ وہ اسکو دلچسپی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

تخت طاؤس پانچ گز شاہ جہانی، بلند تھا اور اُس کا عرض ڈھائی گز طول سوا تین گز تھا۔ یہ چھ پایوں پر قائم تھا جو خالص سونے کے اور ٹھوس تھے اس پر چڑھنے کے لئے تین زینے بنائے گئے تھے جو اس قدر قیمتی اور آبدار جواہر سے مرصع تھے کہ اُن کی چمک سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چوندھیا جاتی تھیں۔ بارہ زمرد کے ستون جن پر نہایت باریک اور خوشنما کام کیا ہوا تھا تخت کی چھت کو سنبھالے ہوئے تھے جو طرح طرح کے جواہرات سے منڈھا ہوا تھا اور جس کے اطراف بڑے بڑے آبدار موتیوں کی جھالر لٹک رہی تھی۔ چھت کے اندرونی حصہ میں ایسی خوشنما مینا کاری اور ایسے نظر فریب نقش و نگار کئے گئے تھے کہ خدا کی شان نظر آجاتی تھی اور جب شاہ جہاں شاہی رعب داب کے ساتھ تخت پر متمکن ہوتا تو جواہر نگار

(ا) مورخ جہاں کشائے نادری نے اُن کل جواہر کی تعداد جو تخت طاؤس میں منصب تھے دو کروڑ بتلائی ہے ۱۲

چتر سے نکلتی ہوئی شعاعیں اس کے پرسطوت چہرہ پر پڑ کر کچھ عجیب نظارہ پیدا کرتی تھیں۔ تخت کے دونوں بازو دو نہایت خوبصورت طاؤس جو جواہر سے مرصع اور اپنی الماسی چونچ میں درِ شہوار کی تسبیح لئے ہوئے تھے اپنے جواہر نگار پروں کو کھولے سایہ افگن تھے۔ یہ طاؤس طلائی مرصع بجواہر ہونے کے علاوہ اس قدر خوبصورت بھی تھے کہ برنیر نے اُن کو بے کھٹکے ایک فرنچ کی صنعت قرار دیدیا جو فرانس میں نقلی جواہرات کو اصلی قیمت پر بیچنے کا مجرم قرار دیا گیا تھا اور اپنے خوفناک نتیجہ سے خائف ہو کر ہندوستان بھاگ آیا تھا۔ لیکن مورخین کے پاس برنیر کی یہ رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی اور اس کے اس رشک و تعصب کو ثابت کرتی ہے۔ جو ایشیا کی صنعت کو اس قدر نفیس اور بے نظیر دیکھکر اُسکے دل میں بھڑک اُٹھا تھا۔ غرض تخت طاؤس کے یہ دلکش طاؤس اس ان اور طغازی سے اپنے سینوں کو جن میں ایک ایک یاقوت احمر جڑا ہوا تھا اُبھارے ہوئے کھڑے تھے کہ دیکھنے والا اُن کو زندہ تصور کرتا تھا اور جب تک ان کو غور و خوض سے نہ دیکھتا اُن کی نقلی ہیئت کو تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ تخت کی پشت پر ایک طلائی جہاز تھا جس کی شاخیں الماس کار۔ پتے زمردیں اور پھول یاقوت احمر کے ترشے ہوئے اور پھل مروارید شہوار کے نہایت دل آویزی سے انگور کی خوشوں کی طرح لٹک رہے تھے۔ یہ جہاڑ اس بے نظیر صناعی سے بنایا گیا تھا کہ اس کی صنعت کے آگے اُن جواہرات کی بھی کچھ حقیقت نہیں تھی جن سے وہ مرصع کیا گیا تھا۔ تخت طاؤس میں گیارہ تختیاں ایسی بیش قیمت نصب تھیں کہ ان میں سے صرف پشت کی ایک تختی جس پر بادشاہ تکیہ دیکر بیٹھتا تھا دس لاکھ روپیہ کی تھی ان مرصع تختیوں میں جس قدر جواہرات جڑے ہوئے تھے اُن کے بیچوں بیچ وہ اصل بلگنا رہا تھا

جس کو شاہ عباس صفوی والی ایران نے زنبیل بیگ معتمد کی سفارت سے جہانگیر جنت مکانی کے پاس تحفتاً بھیجا تھا۔ اسکی قیمت اسوقت ایک لاکھ روپیہ تھی یہ لعل مثل اور جواہرات کے شاہ جہاں کو خزانہ شاہی سے نہیں ملا تھا بلکہ خاص جہانگیر نے جب یہ خبر سنی تھی کہ شاہ جہاں نے دکن کو فتح کر لیا ہے تو خوش ہو کر شاہزادہ کو عنایت فرمایا تھا کہا جاتا ہے کہ پہلے اس لعل پر صاحب قران اول اور مرزا شاہ رخ اور مرزا الغ بیگ کے نام کندہ تھے لیکن جب انقلاب زمانہ کی وجہ سے شاہ عباس صفوی کے ہاتھ لگا تو اُس نے اپنا نام بھی اُس پر نقش کرایا اس کے بعد شاہ جہاں نے اپنے باپ کے نام کے ساتھ اپنا نام بھی اس پر کندہ کرایا دیا تھا گویا اس لعل کی قسمت میں اس قدر بادشاہوں کے تصرف میں رہنے کے بعد آخر میں تخت طاؤس کی زینت بن کر چمکنا لکھا تھا۔

تخت طاؤس پر نظر پڑتے ہی سب سے پہلے جو چیز اپنی طرف مائل کر لیتی تھی اور وہ حاجی محمد جان قدسی کی تاریخی مثنوی تھی جو طلا کاری اور بے انتہا خوشنما خط میں موقع بموقع تخت پر سبز مینا میں جس کے اطراف سونے اور جواہر کا نقش و نگار کیا گیا تھا درج تھی اس مثنوی کا ایک ایک شعر ایسا پُر لطف اور چٹخارا دینے والا تھا کہ بے کم و کاست پوری کی پوری مثنوی شاہ جہاں نے اوس پر منقش کرا دی۔ ہم بھی ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہ مثنوی درج ذیل کرتے ہیں۔

مثنوی

زہے فرخندہ تخت بادشاہی — کہ شد سامان بتائید الٰہی
فلک روزی کہ میکردش تکمیل — زخورشید رابگداخت اول
بحکم کارفرما صرف شد پاک — بہ مینا کاریش مینائے افلاک

جز ایں تخت از زر و گوہر چہ مقصود — وجود بحر و کاں را حکمت ایں بود
زیاقوتش کہ در قید بہا نیست — لب لعل بتاں را دل بجا نیست
بہائے پایہ اش عمرے کشیدہ — گہر افسر بسر خاتم بدیدہ
بخرخش عالم از زر شد جہاں پاک — کہ شد از گنج خالی کیسۂ خاک
رساند گر فلک خود را بپایش — دہد خورشید و مہ را روز نایش
سرافرازی کہ سر بر پایہ اش بود — ز گردوں پایۂ بر تخت افزود
خراج بحر و کاں پیرایۂ او — پناہ عرش و کرسی سایۂ او
ز انواع جواہر گشتہ ایواں — چراغ عالمے پروانۂ آں
در اطرافش بود گلہائے رینا — فروزاں چوں چراغ از طور سینا
چو سیکر داز فرازش کوتہی دست — نگین خویش جم بر پایہ اش بست
شب تار از فروغ لعل و گوہر — تواند صد فلک را داد اختر
دہد شاہ جہاں را بوسہ بر پائے — ازاں شد پایۂ قدرش فلک سائے
کند شاہ جہاں بخش دواں بخت — خراج عالمے را خرج یک لخت
خداوندی کہ عرش و کرسی افراشت — تواند قدر تش تختے چنیں ساخت
اثر پا قیست تا کون و مکاں را — بود بر تخت جا شاہ جہاں را
بود تختے چنیں ہر روز جایش — خراج ہفت کشور زیر پایش
چو تاریخش زباں پرسید از دل — بگفت اورنگ شاہنشاہ عادل ۱۰۴۴

تخت طاؤس کے آگے شہ نشین پر ایک زربفتی شامیانہ جو لعل و الماس سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا اور جس کے حاشیوں پر خوبصورت زرتار جھالر جس میں آبدار موتی جھمکوں کی طرح آویزاں تھے ٹکے ہوئی تھی گنگا جمنی کے طلائی چوبوں پر استادہ تھا اور اوس کے گرد امرائے دولت کی کرسیاں حسب مراتب سجی ہوئی دربار کی رونق دوبالا کر رہی تھیں تخت کے اطراف دو گز کا حاشیہ چھوڑ کر جس سے شاہی ادب متصور تھا ایک چاندنی کٹہرا اتیار

کیا گیا تھا جس کی خوبصورت جالیوں پر ایسی مینا کاری کی گئی تھی کہ نظر جھکر نہ اٹھتی تھی۔ اب ہم یہاں تخت طاؤس کے اس بیان کو ختم کرکے اوس کی نسبت برنیر کی رائے نہایت افسوس کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں وہ یہ کہتا ہے کہ تخت اس قدر قیمتی جواہرات سے مرصع تھا کہ اس کے لاقیمت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں لیکن اسمیں ایسی کاریگری ہیں کیگئی تھی کہ ایشیائی صنعت کا عمدہ نمونہ خیال کیا جائے سوائے اس کے کہ آبدار جواہر سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا اسکی صنعت میں اور کوئی قابل توصیف بات نہیں پائی جاتی۔ ڈاکٹر برنیر کی یہ رائے گو اُس نے اور بانوں کے بیان کرنے میں انصاف کو ہاتھ سے ندیا ہو سراسر ناانصافی پر مبنی ہے اس جگہ اس نے مورخانہ حیثیت سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے آپکو ایک پورا پورا متعصب فرنج ثابت کر دکھلایا ہے جس کی نگاہ میں ایشیائی صنعت خواہ وہ کیسی ہی اچھی ہو ہمیشہ خار کی طرح کھٹکتی رہتی تھی۔

تخت طاؤس پر شاہان مغلیہ نادرشاہ کے حملہ تک نہایت آب و تاب کے ساتھ جلوہ فرماتے رہے لیکن جب ۱۷۳۹ء میں اس ایرانی سردار نے محمد شاہ کی عیش پرستی۔ فوج کی کمی اور رعایا کی کمزوری کے فسانے سنکر ہندوستان کی بے کراں دولت پر قبضہ کرنے لئے ایرانی اور افغانی قہار فوجوں کے ساتھ ہندوستان پر لوٹ پڑا اُس وقت بیشمار زر و جواہر کے ساتھ تخت طاؤس بھی جسے شاہ جہاں نے نہایت شوق اور جانفشانی سے تیار کرایا اور جو صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں بے نظیر مانا جاتا تھا نادری لوٹ میں مال غنیمت بنکر ایران پہنچ گیا۔ جہاں کشائے نادری میں لکھا ہے کہ تخت طاؤس کے ساتھ اور اور بھی لاقیمت اشیاء یعنے موتی۔ لعل۔ الماس۔ یاقوت اور قسم قسم کے ایسے بیش قیمت اور چمکدار جواہر نادر کے ساتھ ایران پہنچ گئے تھے جنکی نظیر دنیا کی

کوئی سلطنت پیش نہیں کر سکتی۔ جب نادر شاہ ہندوستان کی دولت سے خوب مالا مال ہو گیا اور بے گنتی زر و جواہر لے چکا تو ایران کو واپس ہوا چونکہ اُسے بذات خود کسی دوسری مہم پر جانا تھا اس لئے تمام مال غنیمت ہرات کو روانہ کر دیا اور تاکید کی کہ جب تک میں واپس ہوں تمام فوج و لشکر کابل میں قیام رہے ساتھ ہی اپنے سرداروں کو یہ بھی حکم دیا کہ میرے ہم سے واپس آنے تک اُن جواہرات جو ہندوستان سے لائے گئے ہیں ایک تخت ایسا تیار کیا جائے جو کسی بات میں تخت طاؤس سے کم نہ ہو۔ بھلا نادری حکم کی تعمیل کیونکر نہ ہوتی فوراً تخت کا نقشہ مرتب کیا گیا اور ایرانی و ہندی کاریگروں نے اُس کو بنانا شروع کر دیا چونکہ اُن کے دلوں میں نادر کا خوف تھا اس لئے انھوں نے اس خیال سے کہ نادر کی واپسی تک تخت تیار ہو جائے نہایت سرعت سے کام کیا اور رات دن کی محنت شاقہ کے بعد ایک سال کی مدت میں تیار کر کے اُس کا نام تخت نادری رکھا۔ اس تخت نادری میں اسی قدر زر و جواہر سے کام لیا گیا تھا جس قدر تخت طاؤس میں صرف ہوئے تھے لیکن اہتمام و انتظام کے بعد بھی تخت طاؤس اور تخت نادری میں ہمیشہ کیلئے اس قدر فرق باقی رہ گیا کہ تخت طاؤس کا ذکر آج تک زبان زد خاص و عام ہے اور تخت نادری سے بہت کم لوگوں کے کان آشنا ہیں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ تخت طاؤس کی خوبصورتی اور نفیس صنعت کا دنیا بھر میں چرچا ہو گیا مگر تخت نادری جو اسی قیمت میں تیار ہوا تھا گوشہ گمنامی میں پڑا رہا ظاہر اس کے دو سبب خیال میں آتے ہیں پہلے تو یہ کہ تخت طاؤس کا نقشہ شاہ جہاں نے جس کو اس فن کا خاص مذاق تھا مرتب کیا تھا اور دوسرا سبب یہ ہے کہ صناعوں نے تخت طاؤس میں بہت سہولت اور اطمینان کے ساتھ اپنی کاریگری کے جوہر دکھائے تھے

چنانچہ وہ سات سال کے مدید عرصہ میں جاکر تیار رہوا برعکس اس کے تخت نادری کی صنعت میں نادری حکم کی وجہ سے اس قدر سرعت اور غیر اطمینانی کے ساتھ کام لیا گیا تھا کہ صناع اپنی کاریگری کے جوہر اس میں خاطر خواہ نہ دکھا سکے کیونکہ اُن کو ہر وقت نادر شاہ کے مہم سے واپس آنیکا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ گو نادر شاہ تخت نادری تیار ہو جانے کے بعد اُس کو تخت طاؤس کے پہلو میں جگہ دیکر ایک عرصہ تک جشن شاہانہ مناتا رہا تاہم اُسکی نظر میں جیسی تخت طاؤس کی آب و تاب چھپتی رہی اُسکا کچھ حصہ بھی تخت نادری کو نہیں ملا۔ نادر شاہ کا تخت طاؤس کو ایران لیجانا اور تخت نادری کے پہلو بہ پہلو رکھ کر جشن منانا تو پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ لیکن بہ امر کہ نادر کے بعد تخت طاؤس کہاں رہا اور کس کے پاس رہا۔ اس کے متعلق جہاں تک ہم کو تاریخ مدد دیتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں کوئی ایسا ملکی انقلاب نہیں ہوا کہ جس سے ثابت ہو کہ تخت طاؤس کو دستبرد زمانہ نے وہاں سے منتقل کر دیا یا اس کو صفحہ ہستی سے میٹ دیا ہو لہذا اس بات کے قیاس کرنے کی وجہ موجود ہے کہ تخت طاؤس نادر کے بعد ایران ہی میں رہا اور اب تک وہیں موجود ہے۔ نیز ہم نے اخباروں میں دیکھا تھا کہ جب مظفر الدین شاہ قاچار کی موت کے بعد اُن کے بیٹے تخت نشین ہوئے تو اُنھوں نے تخت طاؤس ہی پر جلوس کیا تھا۔

افسوس! ۱۱۴۳ھ ہجری سے ۱۳۴۱ ہجری تک تخت طاؤس مغلیہ بادشاہوں کی نشست گاہ رہنے کے بعد ہندوستان کو اپنی غم میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر دولت ایران میں داخل ہو گیا۔

افسوس! اے ہندوستان تیرا حال اب ایک ایسی لٹی ہوئی دلہن کا سا ہے جس کا قیمتی زیور ایک ایک کر کے چھین لیا گیا ہو۔ تجھ کو زینت

بخشنے والی چیزیں تجھ سے اس طرح زبردستی جدا کرلی گئی ہیں کہ تو اُن کے
لئے قیامت تک خون کے آنسو بہایا کرے تو بھی تجھکو نہیں مل سکتیں فقط
سید اللہ بخش مہدوی ممبر سلطانیہ ریڈنگ روم حیدرآباد دکن

رباعیات کیفی حیدرآبادی

طاعت میں تری کوئی غل و غش نہ رہے — امید بہشت و خوف آتش نہ رہے
اے قاضیٔ حاجات بقول کیفی — خواہش ہو یہی کہ کوئی خواہش نہ رہے

میدان قیامت میں مری بات ہو — جب مجھسے ہو پرسش تو بڑی رات رہے
چھپ چھپ کے گنہ میں نہ کریں ہم کیفی — اللہ مری شرم ترے ہاتھ رہے

ہم دیکھ نہیں سکتے یہ بد اخلاقی تو — جاتی ہیں تری بزم سے اب اے ساقی
کیفی کبھی آجائینگے ہم انشاء اللہ — زندہ ہیں اگر یار تو صحبت باقی

رباعی میر سعادت علیخاں اول حیدرآبادی

ہر قسم کے ہر طرح کے صد دو چھیلے — پھرتے رہے کوچہ کوچہ میلے میلے
ہاتھ آیا نہ کچھ سوائے دست افسوس — اک عمر تری راہ میں پاپڑ بیلے

کلام قدیم کیفی

منھ بنائے ہوئے بیٹھے ہیں بگڑنا کیسا — بات تک بھی نہیں کرتے تو یہ لڑنا کیسا
ہونا جو نہ تھا ہو چکا ہو سکتا ہے کیا — ہم پر چکی بس آپ پہ بتلائیں سب کیا
بھولے ہیں لازم ہی نہ تھا دل تمہیں دینا — جب دے چکے دل پھر تو ستم کیا ہے غضب کیا
ہوش آتا ہے کسی کو تو یہ ہوتا ہے خیال — ہائے اسوقت مرا دیکھنے والا ہوتا
شراب خلد بھی حور و لب کے ساتھ پی لینا — جناب شیخ ہماری بھی ساتھ تھوڑی سی

قاضی بدرالدولہ مرحوم

مولوی محمد باقر آگاہ کا مختصر تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ قاضی بدرالدولہ مرحوم کی اردو تصانیف نے ان کی تصانیف کا رواج کم کر دیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگاہ مرحوم کی طرح قاضی بدرالدولہ اور قاضی الملک مرحوم کا بھی مختصر تذکرہ قلمبند کیا جائے جنکے احسانات اردو لٹریچر پر آگاہ سے کم نہیں ہیں۔

قاضی الملک مرحوم کا خاندان بھی ان عربی النسل خاندانوں میں سے ہے جنھوں نے براہ راست عرب سے سواحل ہند میں توطن اختیار کیا اور جنوبی ہند میں اس خاندان کی وجاہت دہلی میں شاہ ولی اللہ کے خاندان کی وجاہت سے کم نہیں۔ اس خاندان کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ کم از کم (۱۵) پشت سے مسلسل مذہب کی علمی خدمتوں میں مصروف رہا ہے جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

(۱) خاندان کے جدِ اعلےٰ مخدوم اسحٰق کے جو کچھ حالات موجود ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اشاعت اسلام میں انھوں نے حصہ لیا تھا۔ ان کی تیسری پشت میں قاضی احمد تھے جن کی اولاد میں مولا حبیب اللہ بیجاپوری ایک مشہور عالم اور شاہ صبغۃ اللہ بیجاپوری کے خلیفہ اعظم تھے۔ قاضی احمد کے فرزند قاضی محمود جن کی اولاد میں قاضی سید الدولہ

(۱) قاضی الملک مرحوم کے فرزند مولوی حاجی احمد نے اپنی خاص نگرانی سے ایک مفید خاندانی تاریخ ۱۳۱۰ھ میں مرتب کی تھی۔ یہ حالات اس کتاب سے ماخوذ ہیں ۱۲۔

ہیں گورہ کے قاضی تھے اور ان کے فتووں کا مختصر مجموعہ موجود ہے۔ ان کے فرزند قاضی رضی الدین مرتضےٰ نے فن معانی و بیان میں ایک کتاب تحفۃ الفقیر لکھی ہے ان کے پوتے نظام الدین احمد اول کو علم حدیث سے خاص شغف تھا چنانچہ انھوں نے شیخ عوض بن سقاف سے سند حدیث حاصل کی تھی جس کا سلسلہ ہندوستان کے متعارف سلسلوں سے علٰحدہ اور اس خاندان میں جاری رہا ہے۔

ان کی اولاد میں ایک مولوی محمد حسین قادری امام المدرسین مشہور مدرسہ بیدر کے ایک نامور استاد گزرے ہیں جن کا مزار بیدر میں مشہور ہے۔ نظام الدین احمد ثانی (جو نظام احمد کے پوتے ہیں) ارکاٹ میں داروغہ عدالت کی خدمت پر مامور تھے ان کی تصانیف میں ایک عربی رسالہ انبار الاذکیا بتجیب الطیب والنسار الی سید الانبیاء ہدایت محققانہ رسالہ ہے اور ہم آئندہ کسی وقت خاص اسی رسالہ کے متعلق لکھیں گے۔ ان کے پوتے مولوی محمد غوث شرف الملک دیوان ریاست کرناٹک مدراس کے ایک مشہور و ممتاز فرد گزرے ہیں جو بحر العلوم کے ارشد تلامذہ میں داخل ہیں۔ اور ان کی ایک کتاب نثر المرجان فی رسم خط القرآن دو ضخیم جلدوں میں اپنے فن کی بے مثل کتاب ہے۔ مولوی محمد غوث کے دو فرزند تھے۔ بڑے فرزند مولوی عبدالوہاب مدار المہام دیوان ریاست کرناٹک فن رجال کے آخری مستند مصنف ہیں۔ چھوٹے فرزند۔ مولوی محمد صبغۃ اللہ بادا العلماء قاضی الملک ہیں جن کا مختصر تذکرہ اس وقت تکملہ بند کیا جاتا ہے۔ ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ بحر العلوم سے تبرکاً پڑھنا شروع کیا۔ باقی تکمیل تعلیم اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں کی اور دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ اگرچہ معقولات کی بھی تکمیل کی تھی لیکن اصلی ذوق مذہبی

علوم سے تھا اور مذہب کی علمی خدمت ہی ان کی زندگی کا فرض تھا۔ دربار ریاست کرناٹک میں (جو دراصل ایک اسٹیٹ تھی) مفتی اور صدارت کے خدمات پر مامور تھے۔ اور آخری نواب کرناٹک غلام محمد غوث خاں مرحوم کے انتقال کے بعد ۱۲۹۸ھ ہجری میں ۷۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا اور جامع مسجد مدراس کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

تصانیف عربی۔ فارسی۔ اردو میں تصانیف بکثرت ہیں۔ اردو میں جو تصانیف ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔ فواید بدریہ۔ سیر میں بہشت گلزار حضرت صدیق کے حالات میں۔ تفسیر فیض الکریم۔ نثر الجواہر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے حالات میں۔ ریاض النسواں فقہ شافعی میں خزانہ معدلت۔ رسالہ در احکام عدت و وفات۔ توشۂ فلاح مناسک حج میں۔ قوت الارواح اس کی شرح۔ سیف المسلمین۔ مناظرہ میں۔ گلزار ہدایت (بدعتوں کے بیان میں)، ترجمہ حصن حصین۔

فواید بدریہ یہ کتاب سیر نبوی میں لکھی گئی ہے جس کو جنوبی ہند میں مقبولیت عام حاصل ہوئی اور اس کے بیسیوں اڈیشن مدراس بمبئی وغیرہ میں اب تک طبع ہو چکے ہیں۔ درحقیقت یہ کتاب فن سیر کا نہایت عمدہ خلاصہ ہے اور قدیم اصول کے مطابق عربی مواد موجودہ سے شاید اس سے زیادہ نہیں لکھا جا سکتا تھا۔ آگاہ کی ہشت بہشت ۱۱۸۵ھ ہجری میں لکھی گئی۔ فواید بدریہ تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں لکھی گئی ہے آگاہ کی ہشت بہشت کے دیباچہ کی طرح فواید بدریہ کے دیباچہ کا انتخاب بھی اس مقام پر درج کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ قاضی بدر الدولہ مرحوم نے زبان کے صاف کرنے میں کہاں تک حصہ پر درحصہ لیا ہے جس سے آگاہ کی زبان میں اور قاضی بدر الدولہ کی زبان میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔

"پھر دل چاہا کہ حسب خواہش اس غریق رحمت کے رسالے کو بسط کروں لیکن دیکھا کہ بازار علم کا بہت کاسد ہو گیا ہے اور علم جاننے والے دنیا کر گزر گئے اب کوئی کتاب زبان عربی یا فارسی میں تصنیف کئے تو کچھ فائدہ اس پر مترتب نہیں جن کو ان زبانوں کی معرفت حاصل ہے انکے لئے بہت سے کتب موجود ہیں اور کسی کو خواہشمند بھی نہیں پایا تب زبان ہندی میں یہ کتاب لکھنا شروع کیا تا عوام مومنوں کو اس سے فائدہ حاصل ہووے اور اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال سے واقف ہو کر ان کی پیروی خوبی کے ساتھ کریں اور اس کی تالیف کا سبب حقیقت میں نواب مغفور (نواب اعظم جاہ کرناٹک) تھے تو اللہ تعالے ان کی روح کو بھی اس کا اجر پہنچاوے"

جس طرح آگاہ کی تصانیف پر پون صدی گزر جانے کے ان کی زبان نہایت پرانی معلوم ہوتی تھی اسی طرح فوائد بدریہ کی زبان اب بھی پون صدی گزر جانے کے بعد موجودہ اردو کی معیار فصاحت پر پوری نہیں اترتی گو ہماری زبان آئندہ کیسی ہی فصیح کیوں نہ ہو جائے لیکن اس سے انکی اس کوشش کی کسی طرح بے قدری نہیں کی جا سکتی۔ اور اس زمانہ میں بھی خطبات احمدیہ سے قطع نظر اردو میں کوئی ایسی کتاب فن سیر میں پائی نہیں جاتی جو فوائد بدریہ سے بڑھکر مستند سمجھی جا سکے۔

فوائد بدریہ کے دوسرے باب میں جس میں "حضرت کی صورت یا جمال اور سیرت باکمال" کا بیان ہے شمایل کا ایسا بے مثل خلاصہ مرتب کیا گیا ہے جس سے زیادہ ممکن نہیں۔ اور اس بات کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ عربی الفاظ کے لئے نہایت مناسب اردو الفاظ لکھے جائیں درحقیقت شمایل کا مقصد اسیوقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ کتاب کو پڑھنے والا اپنی مادری زبان میں مناسب الفاظ

بنے۔ نمونہ کے طور پر پیشانی اور بھوں کا بیان لکھا جاتا ہے۔
"علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیشانی مبارک کشادہ تھی اور بھوں دونوں ملے ہوئے تھے۔ اور ہند بن ابی ہالہ سے روایت ہے کہ بھوں کمانداز تھی اور اس کے موے پوری تھے اور دونوں ابرو پیوستہ نہ تھے دونوں کے درمیان ایک رگ تھی غصے کے وقت نون سے بھر جاکے موٹی ہوتی۔ ان دونوں روایت میں اختلاف ہے صحیح بات یہی ہے کہ بھوں ملے ہوئے نہ تھے لیکن موئے باریک تھے سو اس سبب کر کوئی روایت کرتا ہے کہ بھوں ملے ہوئے تھے اور کوئی کہتا ہے جدا تھے۔

ریاض النسواں دوسری مقبول عام تصنیف ریاض النسواں ہے جس میں ضروری عقاید اور عبادات وغیرہ کے ضروری مسایل حسب فقہ شافعی صاف اور عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں اس کتاب نے جس قدر عام نفع پہونچایا ہے اس کا بیان نہیں کیا جاسکتا عموماً ہر شافعی اس کو اپنی زندگی کے لئے لازمی چیز سمجھتا ہے اور فی الواقع اس جامعیت کے ساتھ تمام ضروری مسایل بیان کردئے گئے ہیں کہ اسکے سامنے پھر دوسری کتاب کی حاجت نہیں ہوتی۔

سب سے ضخیم کتاب قوت الارواح شرح قوشۂ فلاح مناسک میں ہے جو بڑے سائز کے (۸۰۰) صفحوں میں ختم ہوئی ہے اور بلاشبہ خاص فن مناسک میں اس قدر ضخیم کتاب عربی زبان میں عام طور پر متداول نہیں ہوگی۔

گلزار ہدایت میں ان بدعتوں کا ذکر ہے جو عام طور پر مسلمانوں کی سوسائٹی میں سرایت کر گئے ہیں۔ قاضی بدرالدولہ کے زمانہ میں وہ تحریک پھیل چکی تھی جو بدعتوں کی بیخ کنی کی وجہ مشہور ہے یہ تحریک

اگرچہ بڑی حد تک درست تھی لیکن دین دار خواص علماء کی نظر میں بھی اس میں غلو از حد تھا۔ بہر حال قاضی بدر الدولہ نے لکھا ہے" بازار علم و فضل کا اس زمانہ میں بہت کاسد ہوا۔ شعلۂ جہل و نادانی کا نہایت بھڑکا۔ بدعت کا رواج پھیلا۔ سنت پر چلنے والے کم ہوئے۔ بدعت کو سنت اور ضلالت کو ہدایت سمجھ لینے لگے۔ چنانچہ بنگلور کے شہر میں لوگ آپس میں چند مقدمات کے لئے جھگڑ رہے ہیں بعضے لوگ چند بدعتوں کا سوال کئے۔ یہ عاصی ایک مختصر رسالہ ان کی خواہش کے موافق ہندی زبان میں لکھا تا عوام اس سے فائدہ اٹھاویں اور بدعتوں سے بچیں"

درحقیقت اس رسالہ میں نہایت معتدل روش اختیار کی گئی ہے واقعی بدعتوں کا بخوف و خطر سختی کے ساتھ اظہار کیا ہے اور وسائش کر عیوب صاف صاف جتا دیے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ غلو بھی نہیں ہے جس نے جدید تحریک کی راہ میں روڑے اٹکا دیئے۔ نہایت معتدل انداز کے ساتھ مابہ النزاع مسایل پر قلم فرسائی کی ہے اور اس اعتدال اور جادۂ حقیقت کے ملحوظ رکھنے کا اثر ہے کہ یہ کتاب معیار تمیز بدعت سمجھی جاتی ہے۔

اس مختصر بیان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اردو زبان نے کہاں تک قاضی بدر الدولہ کی وجہ سے مذہبی تصنیف کے دائرہ میں ترقی حاصل کی ہے

عربی فارسی تصنیف اردو تصانیف کے ساتھ ان کی عربی و فارسی تصانیف بھی کچھ کم نہیں ہیں جن میں سے چند کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ ہدایت السالک لموطا امام مالک۔ یہ موطا کی شرح ہے۔ رسالہ فن تعلیم النساء الکتابۃ اس رسالہ میں عورتوں کو کتابت سکھلانے کے مسئلہ پر محدثانہ بحث

کرکے جواز ثابت کیا ہے۔ رسالہ فی صداق فاطمۃ الزہرا اس میں حضرت فاطمۃ زہرا کی مہر کا تعین کیا گیا ہے۔ رسالہ فی تعین صلاۃ الوسطے اسمیں صلوٰۃ وسطے کی بحث ہے۔ رسالہ فی صوم ستہ فی شوال۔ ذیل علی القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد۔ فارسی میں چند تصانیف یہ ہیں داستان غم۔ جس میں حضرت امام حسین کا مفصل تذکرہ ہے۔ رسالہ شروط اقتدا۔ رسالہ در بحث اجتہاد۔ رسالہ بحث رویت ہلال۔ آپ نے حرمین شریفین کا مختصر اور مفید روزنامچہ بھی مرتب کیا ہے۔

تصانیف کے علاوہ وقتاً فوقتاً جو فتوے وغیرہ تحریر کئے جاتے تھے ان کا ایک ضخیم مجموعہ موجود ہے جس کو ان کے فرزند مولوی احمد مرحوم جمع کرکے فتاوی صغیہ نام رکھا ہے۔

ان سب تصانیف و تحریرات کے علاوہ درس و تدریس کا سلسلہ بھی ہمیشہ آخری عمر تک جاری تھا اور ان کے فیض تعلیم کی بدولت بیسیوں علماء پیدا ہوئے اور اسوقت تک اس کا سلسلہ جاری ہے اور ان ہی کوششوں کا اثر ہے کہ ان کا نام مدراس میں زندہ جاوید ہو گیا۔ اور ان تمام علمی خدمات پر کافی غور کرنیکے بعد یہ کہنا خلاف حقیقت نہیں ہوگا کہ ہندوستان کے آخری دور میں مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کے بعد قاضی بدرالدولہ کا نام لیا جا سکتا ہے جنھوں نے علوم مذہبی اور خاکسر فن حدیث کی ایسی مقبول خدمتیں انجام دیں۔

سوشل اصلاح علمی خدمات کے ساتھ ہی سوشل اصلاح میں ان کی یادگار رسوم شادی کی اصلاح ہے جس میں تمام غیر ضروری اور مضر تمول و اخلاق رسوم خارج کرکے صرف ضروری مراسم نکاح باقی رکھے گئے۔ اس اصلاح کی ضرورت اور طریقہ اصلاح ایک مضمون میں بیان کی گئی ہے جس کا "ضابطہ نکاح" نام رکھا گیا ہے۔ اس اصلاح میں انکے بڑے رفیق سالار الملک مرحوم

تھے اگرچہ عام قاعدہ کے لحاظ سے نا عاقبت اندیشی اور جہالت کی آندھیوں نے بڑے زور شور سے اسکی اصلاح کا مقابلہ کیا لیکن حامیان اصلاح کی کوششیں اس سے مطلق متاثر نہیں ہوئیں اور انھوں نے بلا خوف لومتہ لائم اس کو اپنے خاندان کا ایک ضروری علمی دستور قرار دیکر اسکے رکھنے کا بیڑا اٹھا لیا اگرچہ اس وقت بھی ان قدیم مضر اخلاق و تمول و رسوم کی گھٹا قوم پر سے دور نہیں ہوئی ہے لیکن عموماً سمجھدار افراد اسکی ضرورت تسلیم کرتے اور ایک حد تک اس پر عمل پیرا بھی ہونے لگے ہیں۔

طبی خدمات قاضی بدرالدولہ صرف ایک عالم نہیں تھے بلکہ حاذق طبیب بھی۔ ان کا مطب بطور پیشہ کے نہ تھا بلکہ ہمدردی کے لحاظ سے اور ان کے مطب کی خصوصیت یہ تھی کہ برخلاف عام اطبا کے جو مغربی طب سے ناواقف اور ان کے ادویہ کے استعمال سے عاری تھے وہ نئی ادویہ کے داخل مطب کرنے میں آزاد تھے۔ دبائی امراض معدہ مثلاً ہیضہ میں انھوں نے غوتا غما (پیوڑی) کا استعمال جاری کیا جو معدہ کی سمی عفونتوں کے خارج کرنے میں بے مثل دوا ہے نہایت غور و تلاش کے بعد اور جس قدر مریضوں پر اس کا استعمال کرایا گیا ان میں سے قریب قریب اکثر شفایاب ہوتے تھے۔ افسوس ہے کہ یاران وطن کی مردگی اس درجہ پہونچ گئی تھی کہ اس عمدہ کام کو ترقی دینا تو کجا ان سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس ایک دوا کے استعمال کو بھی جاری رکھ سکیں اور اس کا نتیجہ ہے کہ آج کوئی اس کا استعمال نہیں کرتا۔ بہر حال کہا جا سکتا ہے کہ طب یونانی و انگریزی کے ملانے اور عام طور سے طب کو ترقی دینے کا جو کام ایک عرصہ کے بعد دہلی میں شروع کیا گیا وہ کم از کم اس سے نصف صدی پیشتر مدراس میں شروع کر دیا گیا تھا۔

ہیئت مولوی محمد غوث شرف الملک مرحوم کو فن ہیئت سے خاص دلچسپی اور شغف تھا ستاروں کی معرفت ان کو پوری حاصل تھی ایک مختصر رسالہ مواضع الانوار فی معرفۃ اوقات الصلوٰۃ الاسحار نہایت مفید لکھا ہے۔ جدید ہیئت کے مسایل سے جو اس وقت نئے ہندوستان میں پہونچ رہے تھے واقفیت حاصل کرنے کی پوری جستجو رکھتے تھے اس شغف کا اثر ان کے دونوں فرزندوں میں بھی آیا تھا۔ قاضی بدرالدولہ مرحوم کو بھی علم ہیئت کے اس حصہ سے جس کی مسلمانوں کو خاص ضرورت لاحق ہوتی ہے یعنے معرفت سمت قبلہ معرفت اوقات صلوٰۃ۔ طلوع و غروب نیز اصطرلاب وغیرہ میں پورا کمال حاصل تھا اور عملی طور پر آلات سے ان کے نتایج استعمال نے بیش بہا فایدے پہونچائے ہیں۔

اولاد علمی اور عملی باقیات الصالحات کے علاوہ اولاد کے لحاظ سے بھی ان کے باقیات صالحات کچھ کم قابل اعتنا نہیں ہیں جنھوں نے اس خاندان کے اس شرف کو جو پشت سے حاصل ہے برقرار رکھنے میں پورا حصہ لیا۔ ان فرزندوں میں سے مولوی مفتی محمد سعید خاں صاحب مرحوم اور مولوی حسین عطاء اللہ صاحب مرحوم سے حیدرآباد پورے طور سے واقف ہے مفتی محمد سعید خاں صاحب کا علوم ظاہر و باطن میں کمال۔ مذہبی شغف اور تقدس نے ان کا نام زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ اور سرکار عالی نے تسلیم کیا کہ عہدۂ افتا کو انکی ذات سے اعزاز حاصل تھا۔ مولوی حسن عطاء اللہ صاحب مرحوم کو انتقال کئے ہوئے ایک ہی سال کا عرصہ گزرا ہے علوم ہیئت سے ان کو بھی خاص دلچسپی تھی۔ اور میدان سیاست کے تیرہ و تار گرد و غبار میں ان کی بے غل و غش متدین پالیسی "انسٹی ازدی بسٹ پالیسی"

کا اصلی مصداق انکو سچا صاحبدل ثابت کرتی ہے۔ اصلی صاحب دل وہی ہے جو دنیا کے دھندوں میں پھنسے رہنے کے باوجود اپنے نیک اوصاف کی روشنی دوسروں کے لئے نمونہ بنا کر چھوڑ جائے۔

دو فرزندوں۔ مولوی حاجی محمود صاحب اور شمس العلماء مولوی قاضی عبداللہ صاحب سے مدراس میں اس خاندان کی وہ روشنی جو کئی صدیوں سے مسلسل چلی آرہی ہے اب بھی برقرار ہے۔ خدا کرے کہ اس خاندان کی آیندہ نسلوں کو بھی زمانہ کے دیگر گوں رفتار کے ساتھ مذہبی اور علمی فواید کا چراغ زور کے ساتھ دنیا میں روشن کرنے اور پشتہا پشت کے شرف اور اصلی عزت کے برقرار رکھنے کی توفیق عطا ہو اور اپنا آئندہ کے لئے یہ ماٹو بنائیں۔

تکیہ بر جاہ بزرگاں نتواں زد بگزاف — مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

محمد مرتضی

کلام قدیم کیفی

دل گم گشتہ کو ڈھونڈا کہیں پایا نہ گیا — وہ یہ کہتے ہیں یہاں کوئی تو آیا نہ گیا

ہائے ہم بھی کوئی انسان ہیں انسانوں میں — ہم سے روٹھا ہوا معشوق منایا نہ گیا

کس سے انصاف ستم چاہیے مری تشنہ لبی — مے تو مے زہر بھی ساقی سے پلایا نہ گیا

صدمۂ ہجر بھی ایک طرح کا احساں ہے مگر — وضعداروں سے ترے وہ بھی اٹھایا نہ گیا

خامشی میری ہوئی نکتہ سرائے غم دل — لب ہلائے نہ گئے راز چھپایا نہ گیا

ایسی فکری سے مرے قرض کی پیتے تھے مدام — کہ کوئی ہم سے کریگا ہی نہیں دام طلب

شعر لکھنے کو قلم اٹھ نہیں سکتا کیفی — ہائے اب ہو گئے ہم کس قدر آرام طلب

رسالہ تعلیم جبری پر تقریظ

اور

مسئلہ تعلیم کے متعلق مفید خیالات کا اظہار

پچھلے دنوں والد مرحوم کے پرانے دفتر کو الٹتے پلٹتے میری نظر ایک مضمون پر پڑی جس کو مولوی غلام محمد صاحب اول تعلقدار ضلع عثمان آباد نے والد مرحوم کی کتاب استدعائے تعلیم جبری کے متعلق بطور تقریظ کے تحریر فرمایا تھا۔ یہ مضمون کہنے کو تو تقریظ ہے لیکن اس میں تعلیم کے متعلق ایسے بیش بہا اور معلومات افزا خیالات ظاہر کئے گئے ہیں کہ ابنائے ملک کو ان سے واقف ہونے کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ اس مضمون کو پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ پچھلے زمانہ میں مسلمان تعلیم کو کسقدر ضروری سمجھتے تھے۔ امرازادوں اور بادشاہ زادوں کی تعلیم و تربیت میں کس قدر اہتمام کیا جاتا تھا لیکن اب ہمارے ملک کی تعلیمی حالت کیا ہے اور تعلیم کے متعلق ملک کے اعلیٰ طبقہ کے کیا خیالات ہیں اور کس قدر ان کے لئے جبری تعلیم کی شدید ضرورت ہے اس مضمون کو پڑھنے سے نہ صرف یہ معلوم ہوگا کہ ملک کی موجودہ حالت تعلیم جبری کی سخت محتاج ہے بلکہ مذہبی طور سے بھی جبری تعلیم کی ضرورت ثابت ہوگی ضمناً اس مضمون میں اصلاح ملک کے متعلق بہت سے عمدہ خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ اہل ملک کو بہت سے مفید مشورے دئے گئے ہیں اور تعلیم کے متعلق سلف کے خیالات اور ان کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے چونکہ یہ مضمون ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو بوجہ اسکی اہمیت اور عمدگی کے صیغہ کے ذریعہ سے ابنائے ملک کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تاکہ انھیں اپنی حالت کا صحیح

اندازہ ہو سکے اور وہ اپنی ضروریات سے واقف ہوں اور ان کو پورا کرنے کے لئے ہاتھ پیر ہلائیں۔ محمد عبدالباسط

جناب مولانا ملا صاحب کی غرض اس رسالہ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارا ملک اپنی تدریجی رفتار سے آئندہ سو برس میں جس قدر علمی ترقی حاصل کرنیکی موہوم امید رکھتا ہے اوس کو بذریعۂ تعلیم جبری پانچ برس میں قرار واقعی حاصل کرلے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اور اس محمود تجویز سے کوئی ہوشمند جو ملک کا بہی خواہ ہو اختلاف نہیں کر سکتا لیکن قوم کچھ ایسی نیند نہیں سوئی ہے کہ کسی کی مجرد ہانک پکار اس کو جگا سکے ؎

آبے نزد بردی گراں خواب بخت ما ۔ با آنکہ گریہ داد سیلاب رخت ما

اور ملا صاحب کی آواز کچھ جادو نہیں ہے ہاتف غیبی کی آواز نہیں ہے کہ بجلی کی طرح دلوں پر اثر کر جائے پہلے تو ہماری نیند پچھلے پہر کی میٹھی نیند ہے ہم اس حالت میں کسی آواز کی پرواہی کیا کرتے۔ دوسرے اگر زور سے کوئی آواز ہمارے کانوں تک پہونچائی جائے تو ہم ایسی آواز کو اپنا مخل اور ہارج سمجھکر ضرور اس کے دفعیہ کی کوشش کرینگے۔ ہاں ایک امید ہو سکتی ہے اگر خدا نے توفیق دی اور حکومت نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور سرگرمی سے اس کا انتظام کیا اور کچھ تو ترغیب اور کچھ تہ ہیب سے کام لیا تو کیا عجب ہے کہ ہمارے ساتھ ہمارا بخت خفتہ بھی کروٹ بدلے اور کچھ کامیابی کی صورت نظر آئے۔

جبری تعلیم کے الفاظ میں جبر کے معنی وہ نہیں ہیں جن کا مصداق تصرف فی ملک الغیر کی حد تک پہونچتا ہو۔ یہ ایک جائز اور مجبور علیہ کے حق میں مفید جبر ہے اور یہ ایک ایسا جبر ہے جیسا کہ حاکم اقدام خود خودکشی کے مرتکب پر اس کو اپنے فعل سے باز رکھنے کے لئے عمل میں لاتا ہے اگر خودکشی کوئی جرم مستوجب سزا ہے تو میری رائے میں عمل د

بے علمی کی متعدی مضرتیں اور قباحتیں اوس سے بدرجہا بدتر اور مستحق دفع ہیں پس ایسے جبر میں نقصان نہیں ہے بلکہ یہ خود جبر نقصان ہے اور اسمیں شک نہیں ہے کہ ایسے مضرتوں اور قباحتوں کا روکنا عقلاً و شرعاً حاکم کے فرایض میں شمار کیا گیا ہے گزشتہ شاہان اسلام بہت سے ایسے کام عمل میں لائے ہیں چنانچہ تیمور نے حکم عام دیدیا تھا کہ ملک کے بھیک مانگنے والے جمع کئے جائیں ان کیلئے وظائف مقرر کئے جائیں اور حکم دیا جائے کہ وہ ملک میں گداگری نہ کریں اس کے بعد پھر کوئی اس پیشہ کا مرتکب ہو تو اس کو خارج البلد کر دیا جائے تاکہ ملک گدا پیشہ لوگوں سے پاک ہو جائے (تزک تیموری صفحہ ۱۹۰)۔

فیروز تغلق نے یہ عام حکم کوتوالی کو دیا تھا کہ جو شخص ملک میں بیکار نظر آئے اُس کو گرفتار کر کے تخت کے سامنے لایا جائے شمس سراج عفیف مورخ فیروز شاہی کی عبارت یہ ہے۔ "ایشنیں معارفان و بزرگ زادگاں را محلہ داران پیش کوتوال می آوردند کوتوال اسامی ایشان با کیفیت و ماہیت می نویسانید و ایشاں را در محل صالح پیش تخت بردے سلطان فیروز شاہ ہر یکی را بمعرفت بزرگاں آں شخص شناختی و بکارے و مصلحتے مشغول گردانیدے" (فیروز شاہی صفحہ ۳۴۴)۔

انہیں تدابیر کا نتیجہ تھا کہ اس پادشاہ کے زمانۂ حکومت میں شہر دہلی کے ادنے زراعت پیشہ رعیت کے گھر سے بھی سونے چاندی کی بو آتی تھی چنانچہ وہی مورخ لکھتا ہے۔ درخانہ ہائے رعیت چنداں غلہ و مال و اسباب کہ نتواں گفت و ہر یکی را زر و نقرہ بسیار و اسباب بیشمار ہیچ عورتے از عورات رعایا بغیر از پیرایہ نبودے در خانہ ہر یکی از رعایا بسترہائے پاکیزہ و پلنگ ہائے خوب و اشیا ہائے بسیار و مال فراوان ہر ہمہ را رخت بے پایاں جملہ

مملکت دہلی بفیض ازلی از بسیاری دستگاہ بغیم شدہ) غرض کہ اس قسم کے تصرفات کا حق سلطان وقت کو بغرض اصلاح حال رعایا ہر وقت حاصل ہے ممالک منتظمہ یورپ میں جو قواعد تعلیم جبری کے اس وقت جاری ہیں اون کو جناب ملا صاحب نے مفصل بیان کیا ہے ملک جاپان نے جو کامیابیاں اس تجویز سے حاصل کی ہیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ملک جاپان کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ گو جاپانی کی سی ترقی ہمارے ملک میں متوقع نہیں ہے وہاں کے باشندوں میں عام صلاحیت پیدا ہو گئی تھی جس کو تعلیم جبری نے پورا کر دیا اور ملک کی حالت کو ایک دم سے بدل دیا تاہم حیدرآباد میں اس تجویز کا جاری ہونا خالی از نفع نہ ہوگا۔

فقہائے اسلام نے تصریح کر دی ہے اور کوئی خلاف اس میں نہیں ہے کہ اس قسم کے تصرفات کا حق سلطان کو حاصل ہے بلکہ تربیت اولاد مسلمین اوس کے فرائض منصبی میں شمار کی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن صاحب بحر الرائق نے رسالہ فوائد زینیہ میں لکھا ہے (الامام نصب ناظرا لمصالح المسلمین فی فتح القدیر بانہ وصی الیتیم) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ (صرح الامام الزیلعی فی شرح الکنز بان للامام ولایۃ وله ان یتصرف فی مصالح المسلمین) اور ایک مقام پر لکھتے ہیں (من وظایف السلطان تربیۃ اولاد المسلمین)۔

ان اقوال سے صاف صاف معلوم ہو گیا کہ ایسے انتظامات کا جاری کرنا جو مبنی بر مصالح ہوں عموماً سلطان کے اختیار میں ہے خصوصاً تربیت اولاد مسلمین فرائض منصبی میں ہے بعد اس تصریح کے کوئی دیندار مسلمان اس سے غفلت و انکار نہیں کر سکتا کیونکہ مسلمانوں پر ایمان کے بعد سب سے پہلے جو چیز فرض ہے وہ علم ہے دیکھو تصریحات فقہا و کتب

حدیث کو کہ بعد کتاب الایمان کے کتاب العلم ہی لکھا جاتا ہے اور اسی طرح فقہا نے تصریح کردی ہے کہ اس قسم کے احکام سلطانی کی اطاعت اور اس کی تعمیل عامہ رعایا پر واجب ہے علامہ حموی نے لکھا ہے کہ

اطاعۃ الامام فی غیر المعصیۃ واجبۃ فلو امر الامام بصوم یوم وجب	امام کی اطاعت اُن امور کے سوائے جنمیں گناہ کا خوف ہو واجب ہے حتی کہ اگر وہ روزہ رکھنے کا حکم دے تو اسکی تعمیل واجب ہوگی ۱۲

غرض کہ تعلیم جبری کا جاری کرنا بالکل اور سراسر مناسب اور مقتضائے وقت ہے اور اس کا قبول کرنا عقل میں لانا اور اوس میں مدد دینا تمام امراء غربا پر واجب ہے۔

جس طرح امرا کے مناصب اور اُن کی ذمہ داریاں نسبت عامۃ الناس کے سنگین ہیں اُسی نسبت سے ان کا فضایل علمیہ و ادبیہ سے محلی ہونا واجب و لازم ہے۔ امرا کے خیالات و عادات کا اثر نہایت قوت کے ساتھ عامۃ الناس پر پڑا کرتا ہے اگر وہ خیال اچھا ہے تو بہت جلد اُس کے عمدہ نتایج کا فہ انام میں دائر و سائر ہو جاتے ہیں اور اگر وہ خیال بُرا ہے تو اس کی برائیاں بہت جلد ملک میں پھیل جاتی ہیں۔ اگر ملک ترقی کرتا ہے تو امرا اور سرداران قوم کی شایستگی اور تہذیب سے اور اگر ملک تنزل کرتا ہے تو اُنھیں کی بدکاری اور فسق و فجور سے۔ اور یہی معنی ہیں کلام پاک ربانی کے

کما قال اللہ تعالیٰ وتعالےٰ واذا اردنا ان نہلک قریۃ امرنا مترفیہا ففسقوا فیہا	جب ہم چاہتے ہیں کہ کسی بستی کو برباد کردیں تو وہاں کے دولتمندوں کو فسق و فجور کرنے کا حکم دیتے ہیں جسکی وجہ سے ان پر عذاب نازل کرتا

فحق عليها القول فدمرناها تدميرا

لازمی ہو جاتا ہے پس ہم اس بستی کو ویران اور برباد کر دیتے ہیں۔

یہ عادت اللہ ہے اور یہی دنیا میں ہوا کرتا ہے اور یہی عقل کا مقتضا ہے اور یہی رائے ہے علامہ ابن خلدون کی جہاں اس نے شہروں کے خراب اور ویران ہونے کے اسباب لکھے ہیں وہ لکھتا ہے۔

ویموج بحر المدينة بالسفلة من اهل الاخلاق الذميمة ويجاريهم فيها كثير من ناشئة الدولة وولد انعمهم من اهل عنه التاديب وغلب عليه خلق الجوار وان كانوا اهل انساب وبيوتات وذالك ان الناس بشر متماثلون وانما تفاضلوا وتميزوا بالخلق واكتساب الفضايل واجتناب الرذايل فمن استحكمت فيه صبغة الرذايل باى وجه كان وفسد خلق الخير فيه لم ينفعه زكاء نسبه ولا طيب منبته ولهذا تجد كثيرا من اعقاب البيوت وذوى الاحساب والاصالة

ملک میں کمینوں اور بدکاروں کی کثرت ہو جاتی ہے جنکی اتباع بہت سے نو دولت یافتہ لوگ اور انکی ناتربیت یافتہ اولاد کرتی ہے ایسے لوگ اگرچہ حسب و نسب کے اچھے اور بڑے گھرانے کے ہوتے ہیں لیکن تقاضائے بشریت اور ہمجنسیت کی وجہ سے کمینوں اور رذیلوں کے اخلاق و عادات ان میں سرایت کر جاتے ہیں ان کو جو فضیلت حاصل ہے۔ اکتساب فضایل اور اجتناب رذائل کی وجہ سے پس جس شخص میں رذائل چڑ پکڑ گئی ہوں اور اسکے اخلاق بگڑ گئے ہوں خواہ کسی وجہ سے تو اسکو عالی نسب اور عالی خاندان ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ اچھے اچھے شریف اور

واهل الدول منطرحين في الغمار متخلين للحوف الدنية في معاشهم بما فسد من اخلاقهم وتلونوا به من صبغة الشر والسفسفة واذا كثر ذلك في المدينة او الامة تاذن الله بخرابها وانقراضها (مقدمہ ابن خلدون)	دولتمند گھرانے تباہی اور بربادی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں اور رذیل پیشے اختیار کرتے جاتے ہیں جسکی وجہ محض یہ ہے کہ انکے اخلاق وعادات بد ہوگئے اور برائی اور بدکاری انمیں سرایت کرگئی ہے اور جب یہ خرابی کسی شہر یا قوم میں پھیل جاتی ہے تو سمجھ لو اس کی کشتی گرداب تباہی میں آگئی اور آج نہیں تو کل تباہ ہوئی۔

یہ بالکل سچ ہے کہ تمام دنیا کی تاریخ اسکی تصدیق کررہی ہے دور کیوں جاؤ ہمارے ہندوستان اور ہماری قوم ہی کا حال دیکھ لو جب تک مسلمان امرائے ہند ذوالیدین تھے یعنے اُن کے ایک ہاتھ میں سیف اور دوسرے ہاتھ میں قلم تھا اور جب تک اُن کی سیف کی چمکا چاک اور قلم کی صریر چار دانگ عالم کے کانوں میں گونج رہی تھی تب تک کسی کو مجال نہ تھی کہ اُن کو آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے جب سے اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے تلوار اور قلم رکھ دیا اُن کے ہاتھ میں کچھ نہ رہا عالمگیر کی وہ باشوکت وشان سلطنت اور وہ وسیع اور زرخیز مملکت کدھر گئی اور کیوں خراب ہوگئی تم کو معلوم ہے کہ عالمگیر نے اُس کو اپنے اُن ہاتھوں میں سنبھال رکھا تھا جن میں سیف اور قلم نے کسی اور چیز کے لئے جگہ باقی نہیں چھوڑی تھی جو عزت اور حکومت و انتظام دولت و رفاہیت رعیت کے آلہ و ذریعہ ہیں اُسی زمانہ میں بادشاہ کو یہ شکایت پیدا ہوگئی تھی کہ ملکی انتظامات کے لئے لایق امرا دربار میں نہیں ہیں چنانچہ اسی وجہ سے اُس کو کاروبار سلطنت اور ہر صیغہ کے انتظام کا بوجھ اپنے ذمہ لینا پڑا۔ اس روشن دماغ

بادشاہ نے ہر ایک صیغہ کے ملکی مالی اور فوجی انتظام جس خوبی اور چستی سے اخیر دم تک خود اپنے ہاتھوں انجام دیا ہے غور کیا جائے تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ کیا اس قدر وسیع مملکت کے ہر ایک چھوٹے بڑے امر کو ایک بادشاہ ذاتی نگرانی سے انجام دے سکتا ہے علاوہ ان اہم اور سنگین اور پولیٹکل امور ریاست کے جن کا انجام دینا بادشاہ کا حق ہے اپنی ضعیفی کی حالت میں بھی ہر ایک جزئی امر پہ اسکی نظر تھی چنانچہ انفیسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ "عالم گیر ضلع کی مالگزاری کے ادنے افسر کا تقرر یا کسی دفتر میں کسی محرر کا انتخاب اپنی توجہ بغیر نا مناسب سمجھتا تھا" یہ ایک خداداد ذکاوت و قابلیت و استعداد تھی اسکی نظیر دنیا میں کم مل سکتی ہے۔

اس موقع پر اُن خیالات پر غور کرنا چاہیے جو عالمگیر کے زمانہ میں امرازادوں کی تعلیم کے نسبت خود عالمگیر اور اُنکے معاصرین کو پیدا ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر برنیر۔ ایک فرانسیسی سیاح عالمگیر کے دربار میں موجود تھا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔

ڈاکٹر برنیر کی تقریر
تعلیم امرازادگان ہند کی بابتہ شاہ عالمگیر کے عہد میں

"شاہ جبش اور بصرہ اور سلطان یمن اور شریف مکہ کے سفیر ابھی دہلی ہی میں تھے کہ اورنگ زیب نے اپنے دربار کے خاص خاص امرا اعلیٰ کو اس مشورت کے واسطے جمع کیا کہ اپنے تیسرے لڑکے سلطان اکبر کی تعلیم و تربیت کیلئے جسکو ولیعہد بنانا چاہتا تھا ایک اتالیق تجویز کرے اور ان سے فرمایا کہ میری بڑی آرزو ہے کہ اسکی تعلیم و تربیت ایسی کیجائے کہ جس سے کامل توقع اس کی

ہو سکے کہ ہر طرح کی لیاقتوں کے لحاظ سے یہ لڑکا مشہور آفاق ہو۔ چنانچہ میری رائے میں کوئی شخص اور نگ زیب سے زیادہ اس سے واقف نہیں کہ امرا زادوں میں ہر ایک طرح کے مفید علموں اور ہنروں کا موجود ہونا ضروری اور لابدی ہے کیونکہ ان کی نسبت یہ امید ہوتی ہے کہ کسی آیندہ وقت میں فرماں روا اور حاکم بنینگے۔ اور اس کا قول ہے کہ جہاں سے باعتبار اپنے مرتبہ اور اختیار کے ان کو اور لوگوں پر فضیلت ہے اوسی طرح لازم ہے کہ دانائی اور صفات حمیدہ میں بھی اُن سے افضل ہوں اور خوب جانتا ہے کہ ممالک ایشیا میں جو آفتیں اور مصیبتیں سلطنتوں پر پڑا کرتی ہیں اور وہ بدعملی اور بد انتظامی جس سے آخر کار وہ برباد اور تباہ ہو جاتی ہیں اُس کا باعث اگر ڈھونڈا جائے تو ہمیشہ یہی نکلیگا کہ امرا زادوں کی تعلیم و تربیت نا فی اور برے طور پر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بچپن ہی سے عورتوں اور خواجہ سراؤں یا اُن غلاموں کے سپرد رہتے ہیں جو ملک روس اور سرکیشیا اور مغولستان اور گرجستان اور حبش سے آتے ہیں اور کمبخت غلامی کا یہ خاصہ ہی ہے کہ اس سے عقل و تمیز خراب اور یہ عادت ہو جاتی ہے کہ اپنے سے زیر دستوں کے سامنے بہت ہی عجز اور فروتنی سے پیش آتے اور کمزوروں اور ماتحتوں پر خواہ مخواہ زور و زیادتی جتاتے ہیں۔ پس یہ امرا زادے جب محلوں میں سے نکلکر صدر نشین ہوتے ہیں تو وہی ظالمانہ اور خراب عادتیں جو سیکھے ہوئے ہوتے ہیں ساتھ لے آتے ہیں اور اُن فرایض سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں جو اُن کی اس نئی حالت کو لازم ہیں اور اپنی زندگانی کے اس تماشہ گاہ میں اس طرح پر خلائق کے سامنے آتے ہیں کہ گویا کسی اور ہی دنیا سے آئے ہیں اور ہر ایک چیز کو ایسے بھولے پن اور حیرانی کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا کسی اندھیری کوٹھری یا تہ خانہ میں سے آج ہی پہلے پہل نکلے ہیں اور یا تو بچوں کی طرح ہر بات پر یقین

کر لینے یا ہر چیز سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں یا ایسے ہٹیلے اور بے پروا اور احمق ہوتے ہیں کہ معقول صلاح اور مشورہ کی بات کو سنتے ہی نہیں اور کیسا ہی خراب کام کیوں نہ ہو اس کے بٹھنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے اور صدر پر بیٹھکر یا تو اپنی جبلی طبیعت اور مزاج کے سبب سے یا اُن خیالات کی وجہ سے جو پہلے سے اُن کے دل میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں ایک مصنوعی وقار اور تمکنت دکھاتے ہیں مگر ہر کسی کو بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل سنجیدگی اور وقار اُن میں نام کو بھی نہیں اور یہ ظاہر داری صرف کسی بُری سکھاوٹ کا اثر ہے جسکو بجائے متانت اور سنجیدگی کے ایک حیوانیت اور بیہودہ نمائش کہنا چاہئے اور بہ تکلف ایک ایسی خوش خلقی اختیار کرتے ہیں جو اُن کی شان کو ہرگز لائق نہیں ہوتی اور بناوٹی ہونے کی وجہ سے مکروہ معلوم ہوتی ہے پس ایسا کون شخص ہے جو ممالک ایشیا کی تاریخ سے واقف ہو اور میرے اس بیان کی صحت سے جو ایشیائی امرازادوں کے حالت کی ایک ٹھیک تصویر ہے انکار کر سکے۔ اور میں پوچھتا ہوں کہ کیا ممالک ایشیا کے اُمرا آنکھیں بند کر کے حیوانوں کی سی بیرحمیاں نہیں کرتے رہے۔ اور اُن کی بیرحمی کبھی کسی معین طریقہ پر ہوتی تھی؟ اور کیا وہ مطلقاً ناسفاہ تھی؟ اور کیا وہ بیحد شراب خواری کی ذلیل اور کمینہ عادت میں مبتلا اور بغیر کسی طرح کی شرم کے حیاشی و شہوت پرستی میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں؟ اور حرموں کی صحبت میں اپنی تندرستی اور عقل بالکل غارت اور برباد نہیں کرتے" انتہے کلامہ۔

خود بادشاہ عالمگیر بھی امیرزادوں کی خراب عادت سے واقف ہو گیا تھا اور اس نے حتی الامکان اس کی اصلاح کی کوشش کی لیکن چونکہ اثر پذیر صلاحیت اُن میں باقی نہ تھی کچھ فائدہ نہ ہوا عالمگیر کے

خیالات اور اسوقت کی طرز تعلیم کا اُس تقریر سے پتہ لگتا ہی جو کہ اُس نے ملا صالح اپنے استاد کے ساتھ کی تھی جبکہ وہ عالمگیر کی تخت نشینی کے بعد بامید کامیابی اُس کے دربار میں آیا تھا۔ عالمگیر کی اس تقریر سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہی کہ امرزادوں کی تعلیم کے لئے اس وقت عالمگیر نے کیا کیا امور ضروری خیال کئے تھے جنکو وہ داخل تعلیم ملکی کرنا چاہتا تھا اور طرز نہج تعلیم کے بابتہ اس کیا عمدہ مذاق تھا بعینہ اُس نے ان امور کو اسوقت تعلیم میں داخل کرنا ضروری سمجھا اور بیان کیا جواب بعد ترقی دو سو سال کے داخل تعلیم ہوئے اور ضروری سمجھے جاتے ہیں جبکہ عالمگیر کے بعد سے اس درمیان میں کوئی تدبیر اُنکی تعلیم و تربیت کیلئے نہ ہوئی ہو تو کیا حالت ہونی چاہیئے اس اندازہ کر لیا جا سکتا ہے۔ (باقی آیندہ)

غزل عالی حیدرآبادی

عمریست کہ از قید تنم جاں بگلہ دارد یوسف زگرفتاری زنداں بگلہ دارد از فطرت عالی نبود عیب شماری انسان نبود ہر کہ ز انساں بگلہ دارد

از اشکم کہ بطوفان بود از خون کمانہا نبود عجب ار دوزخ سوزاں بگلہ دارد در منزل ما بیکسی ما دلکش ما نیست ہمراہ دل آزار جہاں بگلہ دارد

گر شستگی چرخ پریشانی دلہاست تا چرخ بگردش بود انساں بگلہ دارد بستیم دو صد بار شکستم دو صد بار از شہر بیا ساقی و پیماں بگلہ دارد

داغ غم شستم نفروزند چراغے نے شکوہ رہا دہ نہ رواماں بگلہ دارد عاشق نکند سوگ گل و لالہ نگاہے باحسن نو از سیر گلستاں بگلہ دارد

ناخوندہ بزم ایم و بسیار نشنیم از دست من افتادہ جاناں بگلہ دارد ہر کس کہ بود محو بہ تصویر خیالش تا خشت و اکردن ز فرگاں بگلہ دارد

ما طاقت چاکیم ضعیف ایم و نازیم مضمون جنوں جیب و کمر یاں بگلہ دارد در دشت دہ گرمی مژگان من آخر از پا بہ جنوں خار مغیلاں بگلہ دارد

صد بار زدر اندہ شد و باز در آید از شوخی نومید آتو در یاں بگلہ دارد راحت طلبی نیاز غم عشق نہ نیست در دل عشاق زر و یاں بگلہ دارد

تا راح شد ای عشق ز جد محفل ما ہم این گلہ دارد ز تو ہم آں بگلہ دارد تا آتش عشق تو بہ سامان نہ نشست از داغ دلم گلشن رضواں بگلہ دارد

زاں روز کہ شد عشق تو یاں عالی بیتاب اسلام از و شکوہ دیماں بگلہ دارد

* یہ تقریر سفرنامہ ڈاکٹر برنیر ترجمہ محمد حسین صاحب وزیر پٹیالہ میں موجود ہے طوالت کی وجہ سے حذف کر دی گئی اگر کوئی شخص چاہے تو کتاب مذکور میں اس کو دیکھ سکتا ہے ۱۲

رباعی	حاصل یہی اس سے ناکہ تا دنیا ہو	بالفرض ہو ایوں بھی تو پھر تو کبتک
درد	حرص کہ ذاتی ہی رو بہ بازیاں سب	اپنے اپنے بورئے پر جو گدا تھا شیر تھا
؂	ہے محال عقل زیر آسماں	حرص ہو جس دل میں وہ خرم رہے
مصحفی	اہل دنیا نقل سے دنیا کی ہوں سرگرم کیوں	بوجھ سر پر ہو تو جلد اوٹھے قدم فرودکا
ذوق	سب کو دنیا میں ہوس خوار لیے پھرتی ہے	کون پھرتا ہے یہ مردار لئے پھرتی ہے
؂	اگر انسان قانع ہو غنی ہو دو دو عالم کا	ہوا حرص لیکن اسکی مٹی خوار کرتی ہے
نصیر	خلق سے دست طمع کھینچا جنھوں نے اے نصیر	کس فراغت سے ہیں بیٹھے پاؤں پھیلا ئے ہوئے
غالب	غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوس زر	کیوں شاہد گل باغ سے بازار میں آئے
ظفر	اوکھاڑ نخل طمع کو تو باغ عالم میں	رکھے ہے یہ شجر بے ثمر فساد کی جڑ
؂	دنیا کی چاٹ چھٹتی نہیں کیا کریں حریص	نسل مگس ہیں یہ شکر و شہد میں پھنسی
؂	ہم نے یہاں پختہ مزاجوں کو بہت دیکھ لیا	کوئی بھی انکی نہیں بے طمع خام طلب
شہید	ہر چند فلک سے دہ شہوار ہو روزی	مانند صدف تو دہن حرص نہ بھر
؂	قارون کا حال اہل جہاں پر ہے منکشف	ہرگز نہ جمع کیجئے مال و درم بہت
؂	جمع سے زر کے دل غنچہ پریشاں ہوا	تو نہ دولت کی کر اے صاحب ادراک ہوس
؂	جوں غنچہ پریشانی خاطر کے سوا کچھ	حاصل نہ ہوا جمع زر و مال سے ابتک
؂	کھوئی عزت ہوس نے دنیا کی	مجھ کو ممنون اغنیا کر کے

حسد (۲)

ذوق	جو حسد کسی کو تجھ پر ہو تو ہی یہ تیری خوبی	کہ جو تو نہ خوب ہوتا تو وہ کیوں حسود ہوتا
شہید	ابنائے زماں کرتے نہیں غیر حسد بات	کیوں نیک سمجھتے ہیں کہ ہے سخت یہ بیدا

حق الناس (۱)

شہید	جرم حق اللہ بندے کے جو نہ ہو تو ہو	مظلمہ لیکن برا ہے اس سے حق الناس کا

حسرت و یاس (۱۳)

میر	چمن کا نام سنا تھا مگر دیکھا ہائے	جہاں میں ہمنے قفس ہی میں زندگانی کی
درد	سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا	بس ہجوم یاس دم گھبرا گیا
سوز	اے اہل بزم میں بھی مرقع میں دھر کے	تصویر ہوں دلے لب حسرت گزیدہ ہوں
مصحفی	ہم اسیران قفس کو تب خبر دی تو نے	لٹ گئے جب باغ میں پھولوں کے خرمن ہائے صبا
؍؍	اوٹھا ہوں بسکہ زمانہ سے حیرتی لیکر	جنازہ دوش احبا پہ ہے گراں میرا
؍؍	اٹھ گئی ہے دل سے مطلق صبح ہونیکی امید	بخت بد نے منہ دکھایا ہی شب دیجور کا
غالب	دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد	کام یار و نکا بقدر لب و دندان نکلا
انسوں	نے پھول اس چمن سے لئے نے ثمر لئے	حسرت کے داغ دل میں فقط ہمنے بھر لئے
غالب	دائم الحبس اسمیں ہیں لاکھو تمنائیں اسد	جانتے ہیں میکدہ پر خوں کو زندان خانہ ہم
ذوق	کھلکے گل کچھ تو بہار اپنی صیاد دکھلا گئی	حسرت جن غنچہ یہ ہے جو بے کھلے مرجھائے
ظفر	بھری ہو دلمیں جو حسرت کہوں تو کس سے کہوں	سنے یہ کون مصیبت کہوں تو کس سے کہوں
شہید	غنچہ و گل سے غرض کیا مرغ حسرت زاد کو	آنکھ جب کھولی تو دیکھا خانۂ صیاد کو
؍؍	ہمصفیر اڑتے پھرتے ہیں صبا	ہم قفس میں یہاں پھڑکتے ہیں

حسن طلب (۳)

غالب	بقدر ظرف ہی ساقی خمار تشنہ کامی بھی	جو تو دریائے مے ہو تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا
؍؍	نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں	ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں
مصحفی	کوئی یہ ساقی محفل سے کہدو آکر اک دم	کبھی ہمارے بھی حصہ میں دور ساغر کا

حسن معشوق (۴)

میر	حسن اس کا عدم کو جا پہنچا	خط بھی اوسکی رسید کا پہنچا

سودا	منہ دیکھو آئینہ کا تری تاب لاکے	خورشید پہلے آنکھ تو تجھسے ملا سکے
مصحفی	جو خوبرو ہے اوسکو خریدار ہی ضرور ہے	یوسف کو حسن بر سر بازار لے گیا
شہید	سنبل ہے زلف سرو ہے قد روی یار گل	وہ ہی وہ باغ حسن ہیں جسمیں ہزار گل

باب الخا

خط و کتابت

(۲۷)

میر	صد سحر ایک کرشمہ خط میرجی کا دیکھا	قاصد نہیں چلا ہے جادو مگر چلا ہے
〃	یوں تو رہ و رسم اسکو اس شہر میں سب سے ہے	اک میر ہی سے خط و پیغام نہیں رکھتا
〃	اے بگڑوش تو نامہ تو لکھ بھیج مت پیام	قاصد کا میری سیدھی طرح سے تو اسلام
〃	ہمنے جانا تھا لکھیگا تو کوئی حرف امید	پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا۔
سودا	جن کے نامہ پہنچتے ہیں مجھ تک	کاش میں اُن کا نامہ بر ہوتا
〃	سنو تو تمنے کبھی ہم کو یاد بھی نہ کیا	کبھی پیام و کتابت سے شاد بھی نہ کیا
ممنون	کسقدر شرح گرانباری غم لکھی تھی	کہ میرے نامہ نے بازوئے کبوتر توڑا
مصحفی	لکھا ہے اوسنے خط میں ہر اک شخص کو سلام	اک اسمیں نام بندۂ درگاہ ہی نہیں۔
〃	نامے کو اوسکے پڑھکر اول تو خوش ہوا تھا	رونے لگا میں آخر کچھ مدعا سمجھکر
〃	نہ قاصد ہی نہ نامہ ہی نہ پیغام زبانی ہے	کئی دن سے ہماری حال پر نامہربانی ہے
〃	خط پہ خط نامے پہ نامہ بسکہ ہم بھیجا کئے	آہ و شد سے نہ اکدم نامہ برخالی ہوئے
غالب	درد دل لکھوں کبتک جاؤں انکو دکھلا	اونگلیاں فگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا
〃	قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں	میں جانتا ہوں وہ جو لکھینگے جواب میں
〃	گوش مہجور پیام و دیدہ مشتاق جمال	ایک دل تسپر نہ امیدواری ہائے ہائے
〃	خط لکھینگے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو۔	ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
〃	ندے نامہ کو اتنا طول غالب مختصر لکھدے	کہ حسرت سنج ہوں غرض ستم ہائے جدائی کا
〃	نامہ کے ساتھ آگیا پیغام مرگ	رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

مومن	اوس نے نامہ لکھا نصیب پھرے	نامہ بر کیا پھرا نصیب پھرے
ظفر	نہ لکھو غیر کا مطلب ہمارے مطلب میں	کہ مخلصوں کو تو خط کا جواب ہو اخلاص
〃	لکھو خدا کیلئے وجہ اس تغافل کی	لکھا جو تم نے نہیں ابتلاک ظفر کو خط
شہید	کیونکر شروع نامہ براب بیقرار ہو	مضمون خط میں ہو دل پُر اضطرار کا
〃	خفا جو آپ ہوئے ایسی کیا قباحت تھی	کسی نے الفت دل سے لکھا لکھا کاغذ
〃	شہید لکھنے میں جب خط کے یہ برائی ہو	کوئی کسی کو لکھے کاہیکو بھلا کاغذ
〃	چار اُنگل نہ کوئی آپکا لایا کاغذ	کیا یہ تمہیں اتنا بھی نہ آیا کاغذ
〃	اسقدر میں نے خط شوق لکھے اُسکو شہید	جا کے بازار میں ڈھونڈا تو نہ پایا کاغذ
〃	لکھا ہی یوں تو سبھی دوستو کو نام مرا	مجھ ہی کو ہائے لکھا اس نے یک سلام نہیں
〃	دیکھنا ملنا بہم ہمدرد ہونا درکنار	نامہ و پیغام کی بھی راہ اب مسدود ہے

خاموشی (۱۳)

میر	نہ ہو ہرزہ ذرا اتنا خموشی سے ہے بہتر	نہیں اس قافلہ میں اہل دل ضبط نفس بہتر
سودا	بلند آتش جہاں ہو وے ہوائے جنبش لب سے	تو اپنی فہم ناقص میں زیاں ضبط نفس بہتر
درد	سرتاقدم زباں ہیں جوں شمع گو کہ ہم	پر یہ کہاں مجال کہ کچھ گفتگو کریں۔
〃	بے زباں ہی بدہ زباں سوسن	اس چمن میں کسے مجال سخن
〃	وصف خاموشی کا کچھ کہنے میں آسکتا نہیں	جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے
قائم	خاموشی بھی کچھ طرفہ لطیفہ ہے کہ قائم	کرنا پڑے جسمیں نہ تصنع نہ تکلف
〃	سو حرف ہیں خامشی میں لیکن	اس کو کبھی ہرزہ گو نہ سمجھے
صفی	آگے کسی کی بات نہ کیجئے کہ ہے مثل	ہو جاتی ہے نکلتے ہی منہ سے پرائی بات
نصیر	قسمت میں اوی کے ہی یہاں گوہر شاہوار	مانند صدف جو کوئی وابستہ دہن ہے
مومن	یہ حالت ہے تو کیا حال بیاں سے	کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے
ذوق	کہے ایک جب سن لے انسان دو	کہ حق نے زبان ایک دی کان دو

نوٹ۔ اس مرتبہ قلمرو اصفی کا ضمیمہ نہیں دیا گیا۔ انشاء اللہ آئندہ رسالوں میں اسکا تتمہ کیا جائیگا
ط ط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر ۹ صحیفہ جلد ۵

اڈیٹوریل

صحیفہ کی تیسری زندگی

یکم اپریل ۱۹۱۷ء سے شروع ہوتی ہے۔ جس دن انجمن معارف نے اپنے ماہانہ رسالہ کے تمام حقوق کو باستثنائے حق استرداد ہمارے حوالہ کر دیا۔ صحیفہ کے پچھلے دو سالہ خریدار شاید اس سے واقف نہ ہونگے کہ صحیفہ کا چراغ زندگی پہلے پہل جناب سید رضی الدین صاحب کیفی حیدرآبادی کے گھر میں روشن ہوا۔ کیفی صاحب سے ہم اس کے پیشتر کئی مرتبہ معزز ناظرین کو معرف کرا چکے ہیں۔ علاوہ بریں اُن کی غزلیں اور نظمیں کم و بیش ہر ماہ کے رسالہ میں اُن کی معرفی اور ناظرین کی جلوہ افروزی کا باعث ہوا کرتی ہیں۔

ہونہار صحیفہ سات ماہ تک اُن کے آغوش عاطفت میں پرورش پانے کے بعد کچھ تو قصور پرداخت اور کچھ ناقدردانی زمانہ کے ہاتوں کنج خمول میں جا پڑا۔ اور اس کو سات آٹھ ماہ کا عرصہ گذر گیا۔

اس حالت کو دیکھکے ہمیں خیال پیدا ہوا کہ ایک مفید اور مبارک کام کا عالم ظہور میں آکے ناپید ہو جانا، بنائے ملک کی ہمت و حوصلہ پر نہایت بدنما داغ لگاتا ہے اسلیے کسیطرح اس کو پھر چلانا چاہیئے۔

ہمارے خیال کی تائید میں بعض علم دوست پرجوش دوستوں نے عملی شرکت پر بھی آمادگی ظاہر کی۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ مولوی محمد عبدالباسط صاحب (مولوی فاضل)، مولوی محمد عبدالمنعم صاحب دبی۔ اے، مولوی محمد مرتضی صاحب (مولوی فاضل)، مولوی محمد مظہر صاحب۔ جناب محمد مبارزالدین خاں صاحب منصبدار کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ اور یہ امر مناسب کار و قرین مصلحت سمجھا گیا کہ صحیفہ کے اجرا کی ذمہ داریاں شخص واحد پر نہ ڈالی جائیں۔ بلکہ اس کا بار ایک انجمن قائم کر کے اُسکے سپرد رکھا جائے۔ تاکہ اس کا نخل زندگی۔ غیر محدود مدت تک پھولتا پھلتا رہے اور زمانہ کی ناقدردانی اس کو پامال نہ کرسکے۔

اس تجویز کا نتیجہ انجمن معارف کا وجود و قیام تھا جس کی متعدی کا بار ہمارے کندھوں پر رکھا گیا جس کو عالی جناب مولوی ملا محمد عبدالقیوم صاحب مرحوم بالقابہ نے اپنی سرپرستی و اعانت سے افتخار بخشا۔ اور جس نے صحیفہ کو دوبارہ وجود میں لانیکی کارروائی اس طرح پر شروع کردی کہ سب سے پہلے اس کا سرمایہ تجارتی اصول پر جمع کیا جسکی مقدار ایک ہزار روپیہ رکھی گئی۔ اور دس دس روپیہ کا ایک ایک حصہ مقرر کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ بعد وضع اخراجات جو کچھ نفع ہوگا وہ بقدر حصص تقسیم کیا جائیگا۔ چند دن میں اس کے ۲۱ حصے فروخت ہوگئے ہیں اور ۲۵۰ روپیہ فنڈ میں جمع ہوگیا۔ اتنے سرمایہ کو کافی سمجھا گیا اور صحیفہ کی اشاعت کا انتظام ہوا۔

ابھی پہلا پرچہ بھی مکمل نہ ہوا تھا کہ انجمن معارف کے سرپرست ملا صاحب مرحوم بالقابہ نے انجمن کو ہمیشہ کے لئے اپنی مفارقت کا داغ دیا۔ اس حادثہ جانکاہ سے دو انجمن کے سرگرم ممبر یعنے مولوی محمد عبدالباسط صاحب و مولوی محمد عبدالمنعم صاحب جنکو مرحوم سے نسبت اُنتیت ہی مبتلائے حزن و الم ہوگئے اور انجمن کے

جوش و امنگ پر اوس پڑ گئی۔ اکثر دوستوں کا خیال تھا کہ اب صحیفہ کا پھولنا پھلنا تو کجا چلنا بھی مشکل ہے۔ بعض صاحبوں نے یہ رائے دی کہ اب اس کام سے ہات دھو لیا جائے۔ کیونکہ بسم اللہ غلط ہو چکی ہے اور شگون برا نکلا ہے۔ لیکن ہمارا عزم ایسا بودا نہ تھا کہ یہ واقعہ اس کو سست کر دیتا۔ ہم نے ان باتوں کی کوئی پروا نہ کر کے خدا پر بھروسہ رکھا۔ اور کام شروع کر دیا۔

اب انجمن برائے نام رہ گئی۔ نہ باقاعدہ جلسے ہونے لگے۔ نہ ممبر اس میں دلچسپی سے حصہ لینے لگے۔ ہم اُس کا پیچھا چھوڑ کے صحیفہ کے سر ہو گئے۔ اور جوں توں سال رواں کے شروع تک چلاتے رہے۔

اس سال کے آغاز میں بعض اسباب ایسے پیش آئے جن سے پرچہ کی بروقت اشاعت میں تاخیر پیدا ہو گئی اور ہمارے دوست مولوی عبدالباسط صاحب کو خیال آیا کہ اگر انجمن کو جگایا جائے تو شاید صحیفہ کی زندگی سدھر جائے اس خیال سے انجمن جگائی گئی اور مولوی عبدالباسط صاحب اُس کے معتمد قرار پائے لیکن بجائے اس کے کہ وہ صحیفہ کے لئے کوئی بہبودی کا سامان فراہم کرتی غیر ضروری شاغل میں مصروف ہو گئی۔ اور قبل اس کے کہ کوئی مکمل قانون بنائے اپنے اغراض و مقاصد کی تحدید کرتی اس نے ایسے کام اپنے پلے باندھ لئے جو ہمارے خیال میں صحیفہ کے رستے میں کانٹے بچھانے لگے۔ اور اُن کانٹوں سے صحیفہ کا دامن الجھنے لگا۔

اب ہمیں ضرور ہوا کہ بحیثیت اُسکے قدیم ہوا خواہ اور بے مزد خدمت گزار ہونے یا تو اُسکو بالکلیہ انجمن کے حوالہ کر دیں یا انجمن سے بے تعلق کر کے بالکل اپنا بنا لیں چنانچہ انجمن کی مجلس انتظامی میں یہ تحریک پیش کر دی گئی اس پر قرار پایا کہ اول گزشتہ چہار سالہ آمد و خرچ کا حساب پیش کیا جائے۔ بعد ازاں تصفیہ کیا جائیگا ہم نے حساب پیش کر دیا مجلس نے یہ طے کیا کہ انجمن آئندہ چار ماہ تک انتظاماً صحیفہ کو چلا کے دیکھے کہ آیا وہ اس کو چلا سکتی ہے یا نہیں اُسکے بعد قطعی فیصلہ کیا جائیگا۔

میکن قبل اسکے کہ اس تصفیہ پر عمل کیا جاتا اور تجربہ اُٹھایا جاتا۔ انجمن نے جسکی ارکان انتظامی میں قریباً بیس تعلیم یافتہ اور باہمت اصحاب شامل ہیں اپنے میں صحیفہ کو چلانیکا بل بوتہ نہ پایا اور اُس کو اس شرط پر ہمارے حوالہ کر دیا کہ جب وہ اسکو چلانیکے قابل ہو جائیگی تو ہم پھر پرچہ لے لینگی۔ یا اپنی حکومت کے ماتحت رکھکر ہمیں سے چلاتی رہیگی ؎

انجمن بار صحیفہ نتوانست کشید قرعہ کار بنام من بیچارہ زدند

حصہ داران صحیفہ کی نسبت یہ طے ہوا کہ ابتک چونکہ اس تجارت سے کوئی نفع نہیں ہوا ہے اور بعض حصہ داروں نے اپنی رقم حصص انجمن کو معاف کر دی ہے۔ اسلئے اب وہ قرارداد جو نفع کے متعلق ابتدا میں کی گئی تھی منسوخ سمجھی جائے۔ البتہ جن صاحبوں کو اپنے حصص کی رقمیں واپس لینی ہوں وہ ہم سے اپنا تصفیہ کر لیں۔

معاہدہ حوالگی میں یہ شرط بھی درج کیگئی کہ صحیفہ کے ٹائٹل پیج پر انجمن معارف کے متعلق جو فقرہ لکھا جاتا تھا۔ وہ بدستور لکھا جائے۔ اور اسکے معاوضہ میں ارکان انجمن صحیفہ کو امکانی مدد دینے سے کبھی دریغ نہ کریں گے۔

ہم مذکورہ بالا شرایط پر صحیفہ کو لیکر چلانا ہرگز پسند نہ کرتے اگر بعض ارکان انجمن ہم سے اپنی ذاتی دوستی کا دباؤ نہ ڈالتے۔ اور صحیفہ کے چلانے میں اپنی پوری امداد و کوشش کا وعدہ نہ کرتے۔ کیونکہ اس کام میں ہمیں نہ صرف اپنی ہر قسم کی قوت اور وقت کو صرف کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ ہر مہینے گرہ سے کچھ لگانا بھی پڑتا ہے۔

اس واقعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عملی قابلیت سے ہمارا ملک خالی ہے اور ایثار علی النفس کا مادہ اب تک ہم میں پیدا نہیں ہوا۔

انجمن کو جاگنے کے بعد صحیفہ کے کاروبار میں تقسیم عمل کر دیگئی تھی ترتیب مضامین و تصحیح وغیرہ کا کام مولوی عبدالباسط صاحب کو دے۔ ماہواری اجراء و مراسلت وغیرہ کا کام منشی محمد عبدالسلام خاکی کے حوالہ اور وصولی چندہ و طبع وغیرہ کی ذمہ داری ہمارے تفویض کیگئی تھی۔ اس وجہ سے ماہ انجمن رہا فروری و اردی بہشت و خورداد و تیر سنہ دواں کے رسالے مولوی محمد عبدالباسط صاحب کے مرتبہ ہیں اور مضامین پر جو نوٹ لکھے گئے ہیں وہ انہی کے ہیں۔ ماہ حال سے ترتیب کا کام پھر ہمنے اپنے ذمے لے لیا ہے۔

یہ ساری کہانی سنانیکے بعد ناظرین سے توقع کیجاتی ہے کہ وہ ہماری ہمت و حوصلہ کی قدر کرکے اس کام کو ترقی پر پہونچانے میں ساعی ہونگے جسکی خاطر ہم ہر قسم کا نقصان برداشت کر رہے ہیں جسکیلئے ہم نے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ اور جسکی بہبودی کے واسطے ہم دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے ہیں فقط

نوائے عیش

ہمیں بہت افسوس ہے کہ یہ قصیدہ بعد از وقت ہمیں وصول ہوا۔ ماہ ربیع الثانی جس میں محبوب فرماں روائے دکن کی مبارک سالگرہ کے جشن منائے اور جلسے رجائے جاتے ہیں۔ گزر گیا۔ اس وجہ سے اس کا اندراج بعد از وقت ہوگا۔ پھر بھی ابھی اتنا زمانہ نہیں گزرا ہے کہ مبارک سالگرہ کی مدح کا ترانہ جو تازگی مضامین و برجستگی خیالات سے کبھی بے مزہ نہیں معلوم ہو سکتا ناظرین کی لطف بخشی کا باعث نہ ہو۔

اڈیٹر

ایسی بندھی ہے باغ جہاں میں ہوائے عیش
چمکی جہاں کلی کوئی آئی صدائے عیش

پھولے نہیں سماتے ہیں جامے میں آج کل
پہنے ہوئے ہیں شاہد گلشن قبائے عیش

ایسا عروج جوش مسرت ہے ان دنوں
گلگونہ روئے چرخ کا ہے خاک پائے عیش

دونوں ہی ایتو لازم و ملزوم بن گئے
ہے عیش دل کے واسطے دل ہے برائے عیش

آوازۂ طرب لب تاثیر پر یہ ہے
ہوتی ہے اب قبول جو مانگے دعائے عیش

اٹھتے ہیں ابر جھوم کے مستانہ چار سو
بادل گرج کے دیتے ہیں سب کو صدائے عیش

کہتے ہیں رند ساقی دریا نوال سے
پلوا دے آج ساغر فرحت فزائے عیش

لہریں نئی ہیں دامن ابر بہار کی
لی جب کسی نے سانس تو آئی ہوائے عیش

رندوں کی آج بات بن آئی ہے خوب ہی
یعنے جناب شیخ بھی ہیں مبتلائے عیش

پیر مغاں کا بادہ کشوں سے یہ حکم ہے
جو آئے میکدے میں وہ دل سے مناے عیش

ہیں دخت رز کی تاک میں شیخ خدا پرست
کچھ بھر گئی جناب کے سر میں ہوائے عیش

بے وجہ کب تبسم ساغر ہے بزم میں
پھر دے رہا ہے خندۂ مینا صدائے عیش

کہتے ہیں بادہ کش بط مے کا شکار ہو
ہوں ساز و برگ عیش مہیا برائے عیش

بٹ جائے چٹکی چٹکی نہ کیوں خاک میکدہ
یہ نسخۂ نشاط ہے یہ کیمیائے عیش

فرصت خیال گردش ایام کی کسے
شب بھر برائے لطف ہے دن بھر برائے عیش

ارمان و آرزو کی طرب خیزی نشاط
دل بنگیا ہے صورت دولت سرائے عیش

گرد ملال خاطر عالم سے مٹ گئی
کلفت نثار ہو گئی لیکر بلائے عیش

بالیدگی جوش مسرت نہ پوچھیے
آنکھوں سے دیکھ لیجئے نشو و نمائے عیش

وہ روشنی ہے کوچۂ دیراں میں چار سو
آتے ہیں جس سے صاف نظر جادہ ہائے عیش

آئی ہیں لولیان فلک سیر کے لئے
رنگت جما رہے ہیں وہ سازندہ ہائے عیش

ساز نشاط کل ہے سماں وہ بندھا ہوا
گائیں اگر بر دگ تو نکلے نوائے عیش

ہیں بادہ خوشی سے وہ بدمست اہل بزم
ٹوٹی جو توبہ جام سے آئی صدائے عیش

پاؤں میں ہے جو عیش کی مہندی رچی ہوئی
ممکن نہیں کہ بزم سے تا حشر جائے عیش

نوبت کی وہ ٹکور وہ شہنائیوں کی دھن
سن لے بھنک جو اسکی وہ ہو مبتلائے عیش

غم کا نشان گلشن عالم سے مٹ گیا
بلبل فغاں کے بدلے ہے مدحت سرائے عیش

ساقی پلا دے آج وہ جام طرب فزا
دل میں رہے خیال نہ کچھ بھی سوائے عیش

وہ دل بنا جو عیش و مسرت کے واسطے
اس پر فدا ہے عیش تو وہ ہے فدائے عیش

وہ دل جو ہے ازل سے خم بادہ نشاط
وہ دل جو ہے سرور فزا روز نمائے عیش

وہ دل ہے جس میں جلوت شادی کا رنگ ہے
وہ دل جو آرزو کی ہے خلوت سرائے عیش

وہ دل ہیں جس سے شاہد ارمان کی زینتیں
وہ محل ہے جس میں جلوہ فگن مدعائے عیش

وہ دل نہیں ہے جس میں بجز بادہ نشاط
وہ دل جہاں میں جس سے ہے کیف بقائے عیش

وہ دل جو ساغر عرفاں ہے بیگماں
وہ دل بنا ہے جوہر رہنمائے عیش

وہ دل ہے جس میں گنج حقیقت بھرا ہوا
وہ دل جو صبح و شام ہے صورت گرائے عیش

وہ دل بنا ہوا ہے جو آئینہ خیال
وہ دل ہے جس میں جلوہ رنگ صفائے عیش

رنگ صفا وہ پاک جو رنگ ملال سے
مطلق بھی گرد غم نہیں جس میں سوائے عیش

اس دل میں آج ذوق مسرت کی ہو نمود
ذوق مسرت ایسا جو ہے مقتضائے عیش

یہ مقتضائے عیش ہے لکھوں وہ تہنیت — خود جس سے آشکار ہو مدح و ثنائے عیش
یعنے حضور آصف سادس نظام ملک — جسکے کرم نے دی ہے سر اکھے صدائے عیش
ہے آج اُسکی سالگرہ کی خوشی کا دن ہے — چلتا ہے آج ساغر فرحت فزائے عیش
مطلع لکھوں شگفتہ وہ مدح حضور میں — دے کھلکے میرا غنچہ خاطر صدائے عیش

مطلع

ہے جلوہ حضور بھی وہ رونمائے عیش — دیکھے جو کوئی پھر وہ نہ دیکھے سوائے عیش
آسائشیں ہیں دور ہمایوں میں اس قدر — چلنے لگی ہے سانس کے شامل ہوائے عیش
آئینہ بن گیا ہے دکن تیرے عدل سے — پیش نگاہ شوق ہے شکل صفائے عیش
رنج و الم سے اب نہیں واقف کوئی بشر — گلیوں میں دیتے پھرتے ہیں سائل صدائے عیش
چھائی ہوئی ہے سالگرہ کی تری خوشی — بلدہ کا ہر مکان ہے دولت سرائے عیش
پارس ہوا طلا جسے پا بوس کا شرف — قدموں کا تیرے میل ہے اب کیمیائے عیش
نرگس بھی صحن باغ میں بیمار اب نہیں — بخشی نسیم لطف نے تیری دوائے عیش
ہے تیرے دم قدم سے جنابندی نشاط — اب بوستان دہر سے کس طرح جائے عیش
بخشش کی تیری کیا لکھوں رفعت پسندیاں — لہرا رہا ہے قصر فلک پر نوائے عیش
محتاج کوئی اب نہیں سب بہرہ مند ہیں — تجھسا ہو نہ ہو کوئی حاجت روائے عیش
قصر فلک نما کا کروں اوج کیا بیان — ہے مہر جس کا پرچم زریں لوائے عیش
پیل فلک جسد کا ترے کیا وقار ہے — ہر ہر قدم سے اس کے عیاں ہے بقائے عیش
کرتی ہے قلع دہر کے جھگڑوں کو تیری تیغ — پھر کس طرح عدو کا ترے کٹ نہ جائے عیش
لگ جائے مدعی کو ترے تیغ کی جو آنچ — دے دے کی جھٹپٹے حشر تک اسکو جلائے عیش
کیا ہوں بیان اسپ پریوش کی خوبیاں — چلتا ہے چال ناز سے بن کر ہوائے عیش
آصف کے دم قدم سے دکن ہی نہیں نہال — ہند و عجم بھی اسکے ہیں زلہ ربائے عیش
بازار کرم ہے ترے بذل و نوال کا — اوزاں ہوئی ہے دور میں تیری بہائے عیش

اب ہیں وہ محو انجمن آرائی سرور
انسان جو ترستے تھے پہلے برائے عیش

ہر ایک رخ رواں ہے ترے رنگ فیض سے
کیا دست آرزو میں لگا دی حنائے عیش

راحت رساں ہے ابتو فشیب و فراز دہر
طرفہ بنائے تو نے یہ ارض و سمائے عیش

اللہ ری تیری بخشش بیحد کی وسعتیں
اب تنگنائے دہر میں کیونکر سمائے عیش

تیرے کرم نے باغ لگائے نشاط کے
ہر سمت کھل رہی ہیں گل مدعائے عیش

پارس سے کم نہیں ہے تیرا سنگ آستاں
ہے خاک آستانہ تری کیمیائے عیش

سرمایۂ نشاط ہیں نور نظر ترے
جلوہ ہے ان کا خوبی راحت فزائے عیش

روشن چراغ بزم تمنا ان ہی سے ہے
ان سے ہو چشم شوق میں افزوں ضیائے عیش

تا چند عندلیب تری نغمہ سنجیاں
خالق سے مانگ ہاتھ اٹھا کر دعائے عیش

جبتک چمن میں ہوں گل خنداں کے قہقہے
جبتک شکست غنچہ ہو نکہت فزائے عیش

دلچسپیاں زمانے کو جب تک طرب سے ہوں
جب تک دلوں پہ ہو کشش کہربائے عیش

سرسبز و شاد کام الٰہی رہیں حضور
ہو ان کے نونہالوں سے نشو و نمائے عیش

محمد عبدالوہاب عندلیب حیدرآبادی

یہی ہے

بھلائی کیجئے جا شرافت یہی ہے
اطاعت یہی اور طاعت یہی ہے

نکوئی میں کر نام شہرت یہی ہے
بھلائی کے کر کام راحت یہی ہے

وہ کوشش ہی کیا ہے جو اپنے لئے ہو
تو غیروں کے کام آ کہ ہمت یہی ہے

کسی سے نہ کر دو دغا کر جہاں میں
یہی آبرو و پاس عزت یہی ہے

نکر دشمنی دوستی کی ہے جس سے
مروت یہی ہے محبت یہی ہے

کیجئے جا سلوک اپنے سے جس قدر ہو
یہی رشتہ داری قرابت یہی ہے

وہ بات آئے کرنے سے جس کے خجالت
نہ آئے زباں پر بھی غیرت یہی ہے

جو اعلیٰ ہو سمجھے وہ اپنے کو ادنیٰ
یہی خاکساری شرافت یہی ہے

خدایا عطا کر دہن حزیں کو
قناعت کی نعمت کہ نعمت یہی ہے

نظارہ مرزا

عنوان بالا کے متعلق مضمون لکھنے سے قبل میں یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ابتداءً یہ مضمون عربی میں لکھا گیا ہے جس کو اڈیسن نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے میرے خیال میں یہ مضمون باایں ہمہ دلچسپی اردو میں ابھی تک ترجمہ نہیں ہوا ہے اس لئے میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ناظرین فروگزاشت سے درگزر فرمائینگے فقط

زین العابدین عابد - قاضی زادہ اردگیزیہ یعنی

جبکہ میں شہر قاہرہ میں تھا ایک قلمی ذخیرہ مرے ہاتھ لگا جو اب تک میرے پاس موجود ہے اس ذخیرہ میں ایک مضمون تھا جس کی سرخی "نظارہ مرزا" تھی جسکو میں نے بڑی دلچسپی سے دیکھا ہے - میرا ارادہ ہوا کہ اس کو پبلک میں پیش کروں پس میں اس کی ابتدا پہلے نظارۂ مرزا سے کرتا ہوں جس کا میں نے لفظ بہ لفظ حسب ذیل ترجمہ کیا ہے -

اباواجداد کے طریقہ پر ماہ ہلالی کی پانچویں تاریخ - میں ہمیشہ پاک وصاف رہا کرتا تھا غسل کرنے اور نماز صبح ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ دن عبادت وذکر وفکر میں گزارنے کے لئے میں بغداد کی اُونچی پہاڑی پر چڑھ گیا جس وقت میں اُس کی چوٹیوں پر چہل قدمی کر رہا تھا میرا خیال انسان کی بے اصل زندگی کی طرف متوجہ ہوا اور ایک خیال سے دوسرے خیال پر آتے آتے میں نے کہا "یقیناً انسان کا وجود سایہ کے مانند ہے اور اُس کی زندگی مثل حباب ہے" جب میں ان تفکرات میں گھرا ہوا تھا اس وقت ایک پہاڑ کی چوٹی پر میری نظر پڑی جو مجھ سے بہت دور نہ تھی اور ایک آدمی جو بانسری ہاتھ میں لئے ہوئے تھا چرواہوں کے لباس میں نظر آیا جونہی میں نے اس کی طرف نظر دوڑائی اس نے بانسری پر منہ رکھا

اور بجانا شروع کیا اس کی آواز نہایت سریلی تھی اور کئی سروں میں نغمہ سنجی کر رہی تھی وہ اتنی خوش آہنگ تھی کہ اس کا ذکر خارج از بیان ہے اور اتنی عمدگی و دل آویزی سے بجائی جا رہی تھی کہ اس سے پہلے میں نے کبھی ایسی بانسری نہ سنی تھی۔ اس گانے نے مجھے وہ راگ یاد دلائے جو نیکوں کی روحوں کے داخل جنت ہوتے وقت گزشتہ رنج و محن کے دور کرنے اور عیش و عشرت کے قابل بنانے کے لئے گائے جائیں گے اس کے بعد میرا دل پوشیدہ مسرتوں سے بھر گیا۔

میں نے کئی دفعہ سنا تھا کہ میرے سامنے کی چوٹی پر کسی جن کا مسکن ہے کئی شخصوں نے جو اس کے قریب سے گزرے گانے کی آواز بھی سنی تھی۔ مگر کبھی یہ نہ سنا گیا کہ خود گانے والا ہی کسی کو نظر پڑا۔ جس وقت اس چرواہے کی سریلی بانسری سے جو وہ بجا رہا تھا مجھ پر وجد سا طاری ہوا تو اس کی گفتگو کا مزا لوٹنے کے لئے میں نے اس کی طرف حیرت زدہ ہو کر دیکھا اس وقت اس نے مجھے اشارہ کیا اور اپنے ہاتھ کی حرکت سے اپنے پاس بلایا جہاں وہ خود بیٹھا ہوا تھا میں اس ادب کے ساتھ اس کے قریب پہنچا جو ہم سے اشرف الخلقت کے لئے لازم ہے۔ چونکہ اس کے دلکش راگ نے جس کو میں نے سنا تھا میرا دل بالکل مسخر کر لیا تھا اس لئے میں اس کے قدموں پر گر پڑا اور خوب رویا۔ اس چرواہے نے میری طرف ترحم و محبت سے دیکھا اور مسکرایا اس تبسم نے مجھے مانوس کر دیا اور تمام حیرانی و پریشانی کو جس کے ساتھ میں اس کے پاس پہنچا تھا دور کیا پھر اس نے مجھے زمین سے اٹھایا اور مخاطب ہو کر کہا۔ "مرزا جو کچھ تم نے اپنے دل میں باتیں کیں وہ سب میں نے سنیں اب ساتھ آؤ!"

اب وہ مجھے اس سنگلاخ بلند ترین چوٹی پر لے چلا اور اس کے سرے پر کھڑا کر کے کہنے لگا "مشرق کی طرف نظر اٹھا اور کہہ کہ تجھکو کیا دیکھائی دیتا ہے؟" میں نے کہا کہ "میں ایک وادی عظیم دیکھتا ہوں جس میں سیلاب رواں ہے" اس نے

کہا "یہ وادی جو تو دیکھ رہا ہے وادیٔ رنج ہے اور یہ سیلاب جو تیرے سامنے ہے ابدی و ازلی سیلاب کا ایک حصہ ہے" میں نے پوچھا "کیا سبب ہے کہ یہ سیلاب ایک طرف گہرے دھوندھار مقام سے اُٹھتا ہے اور دوسری جانب پھر گہرے دھوئیں میں غائب ہو جاتا ہے" اس نے جواب دیا "جو کچھ تو دیکھ رہا ہے یہ وہ ابدی حصہ ہے جو ابتدائے عالم سے ہے اور آخرت تک رہیگا اس کو وقت کہتے ہیں اور یہ آفتاب کے ذریعہ سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس دریا کو غور سے دیکھ جو دونوں طرف تاریکی سے محدود ہے اور کہہ کہ تجھے کیا نظر آرہا ہے" میں نے کہا میں ایک پل کو اس سیلاب پر بندھا ہوا دیکھتا ہوں" اس نے کہا یہ پل جو تو دیکھ رہا ہے انسانی زندگی ہے" اس پر متوجہ ہو کر خیال جما کر سرسری نظر ڈالنے سے مجھے معلوم ہوا کہ پل پر شمار کمانیں بنچتہ ہیں اور کئی شکستہ ہیں جو مجموعی طور پر تقریباً سو ہوتی ہیں۔

جسوقت میں یہ کمانیں شمار کر رہا تھا جن نے کہا کہ "پہلے اس پل پر ایک ہزار کمانیں تھیں مگر یہ سیلاب عظیم تمام کمانیں بہالے گیا اور اس پل کو تباہ و برباد حالت میں چھوڑ دیا جس حالت میں اب ہم دیکھ رہے ہیں" پھر اس نے کہا کہ "تجھے کچھ اور بھی نظر آتا ہے یا نہیں" میں نے کہا کہ آدمیوں کی کثیر التعداد جماعت کو اس پر سے گزرتا دیکھ رہا ہوں اور یہ بھی نظر آرہا ہے کہ ابر سیاہ اس پل کے دونوں کناروں پر چھایا ہوا ہے زیادہ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کئی راہ گیر اس پل کے نیچے سیلاب میں گر رہے ہیں یہ بھی دکھائی دے رہا ہے کہ اس پل کی سڑک پر بے شمار چور دروازے ہیں جو پل میں پوشیدہ ہیں جونہی راہ گیر ان پر گزرتے ہیں چور دروازے انھیں سیلاب میں گرا دیتے ہیں اور وہ فوراً غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ چور دروازے پل کے گیٹ کے پاس بہت نزدیک نزدیک ہیں ابر سے نکلنے والوں میں سے کئی ان چور دروازوں سے گر جاتے ہیں۔ پل کے بیچ میں یہ دروازے کم ہیں لیکن آخری بنچتہ کمانوں

پھر انکی تعداد زیادہ ہوگئی ہے۔

یقیناً کچھ آدمی جو تعداد میں بہت کم ہیں اور لنگڑاتی ہوئی چال سے ٹوٹی ہوئی کمانوں پر چلے جارہے ہیں یکے بعد دیگرے اتنی دور چلنے سے تھک تھک کر گر رہے ہیں۔

میں تھوڑی دیر اس عجیب خیز عمارت اور دیگر اشیا پر جو میرے پیش نظر تھے غور کرتا رہا اور میرا دل ان آدمیوں کو عالم عیش و عشرت میں اس ناامیدی سے گرتے ہوئے اور اپنے بچاؤ کے لئے ہر ایک چیز کو جو نزدیک ہی پکڑتے ہوئے دیکھکر گہرے رنج و غم میں ڈوب گیا ان میں سے چند آسمان کیطرف دیکھتے ہوئے غرق خیالات اور محو تصور ہوکر ٹھوکر کھا جاتے اور نظروں سے اوجھل ہوکر نیچے آگرتے تھے کثیر التعداد اشخاص زرد زلیخا کے تعاقب میں مشغول تھے جو ان کے سامنے چمکتے اور پھرتے نظر آرہے تھے لیکن جب کبھی وہ خیال کرتے تھے کہ ان کی رسائی وہاں تک ہوجائیگی انکا پیر پھسل پڑتا تھا اور وہ گر کر ڈوب جاتے تھے۔

جن نے مجھے رنجیدہ دیکھکر کہا "تو بہت دیر تک یہ نظارہ کرتا رہا اب اپنی نظر کو پل سے ہٹالے اور پوچھ کہ کیا چیز سمجھ میں نہیں آئی" اس کی صورت دیکھ کر میں نے کہا کہ "ان پرندوں سے کیا مطلب ہے جو پل پر ادھر ادھر اڑ رہے ہیں۔ اور وقت بوقت اس پر بیٹھتے جاتے ہیں۔ گدھ[1] ہارپی جنگلی کوے آبی چڑیاں دیکھ رہا ہوں علاوہ پریں پرندوں کے کئی پر والے لڑکے بھی ہیں جو بڑی تعداد میں نیچے کی کمانوں پر بیٹھ رہے ہیں" جن نے کہا کہ یہ جذبہ حرص، ضعیف الاعتقادی ناامیدی محبت اور اسی طرح فکر اور غصہ ہیں جو انسانی زندگی کو خراب کرتے ہیں۔

---

[1] ایک مشہور پرند ہارپی جسکی شکل عورت کی سی اور جسم پرندے کا سا ہوتا ہے یونانی قصوں میں اسکا اکثر ذکر پایا جاتا ہے مگر آج کل دنیا میں نہیں ہے اور ایک خیالی جانور معلوم ہوتا ہے۔

اس وقت میں نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا افسوس! انسان بیکار پیدا کیا گیا وہ کس رنج و غم میں گھرا ہوا فنا کے ہاتھوں برباد۔ زندگی میں گرفتار مصیبت و موت کے پنجہ میں پھنسا ہوا ہے جن نے شفقت سے میری طرف مڑ کے دیکھا اور کہا کہ ایسی تکلیف دہ نظارہ سے نظر ہٹالے انسان کے وجود کی پہلی سیڑھی کو جس پر موت پنجہ ڈالے ہوئے ہے زیادہ دیر تک نہ دیکھ اور گہرے دھوئیں میں نظر جا جس میں یہ سیلاب فانیوں کے حق میں کئی جنم رکھتا ہے جو اس میں داخل ہوتے ہیں۔ جس طرف مجھے حکم دیا گیا میں نے اپنی نظر پھیری اور ایک وادی عظیم کو دور کے کنارے پر دیکھا کہ ایک بڑے سمندر میں پھیلی ہوئی ہے جس کو الماس کی سلسلہ نے برابر دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے

سیاہ بادل اس کے آدھے حصہ پر چھایا ہوا ہے اور اتنا بہت پھیلا ہوا ہے کہ اس جگہ پر کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن دوسرا آدھا حصہ ایک بڑا سمندر ہے جو بے شمار جزایر سے بھرا پڑا ہے جس میں اقسام کے پھول پھل کے درخت موجود ہیں اور ہزاروں چھوٹی چھوٹی چمکدار نہریں ہیں جو چوطرف بہ رہی ہیں اور آدمی بھی ہیں کہ شاندار لباس پہنے ہوئے ہیں سر پر پھولوں کے ہار لپٹے ہوئے درختوں میں ادھر ادھر پھرتے ہیں فواروں کے قریب لیٹے اور پھولوں کے بستر پر لوٹتے ہیں گانے والی چڑیوں اور آبشاروں اور آدمی کی آوازوں اور سرودوں کی پیاری پیاری رنگینیاں سن رہے ہیں۔ اتنے خوش کن نظارہ سے میرے دل میں مسرت زیادہ ہو گئی۔ میں نے دعا کی کہ مجھے فرشتہ کے سے پر لگ جائیں تو میں اڑ کر ان خوشی کے پنچھوں پر جا بیٹھوں مگر جن نے کہا کہ وہاں جائیگا کوئی راستہ بغیر باب الموت کے نہیں ہے جس کو میں پل کے آخری حصہ میں وقت بوقت کھلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ جن نے کہا کہ "یہ جزیرہ جو اتنا سرسبز و شاداب تیرے پیش نظر ہے۔ اور دوسرے جزیری جہاں تک سمندر ان سے جڑا ہوا نظر آتا ہے یہ ایک دریا سے بھی اعداد میں

زیادہ ہیں نیز ان جزایر کے نیچے (جو تجھے اب نظر آرہے ہیں) ایسے ہزاروں جزایر ہیں جو تجھے دکھائی نہیں دیتے بلکہ تیرا وہم و قیاس بھی اُن تک رسائی نہیں کر سکتا۔ یہ جزایر نیکوں کو ان کے مراتب اور ان کی نیکیوں کے لحاظ سے مرنے کے بعد ملے ہیں اور وہ ان مختلف جزایر میں بھیجے گئے ہیں ان جزایر میں انواع و اقسام کے لذات موجود ہیں جو ان کے رہنے والوں کی خواہشات اور فضیلت کے لائق ہیں۔ ہر ایک جزیرہ ایک جنت ہے جو معزز مہمان کے لئے بنایا گیا ہے۔

مرزا کیا یہ محلات قابل قدر نہیں؟ کیا زندگی ذلیل چیز ہے جو ہم کو ایسے انعام کے حاصل کرنیکا موقع دیتی ہے۔ کیا موت سے ڈرنا چاہیئے جو تجھ کو ایسے خوش کن مقام پر لیجاتی ہے؟ ہرگز نہ خیال کر کہ انسان کا وجود بیکار ہے جس کے لئے ایسی ہمیشگی مخصوص کی گئی ہے۔

میں نے ایسی خوشی کے ساتھ ان جزایر پر نظر ڈالی جس کا اظہار ناممکن ہے آخر الامر میں نے جن سے کہا وہ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ مجھے ان رازوں سے آگاہ فرمائیں جو الماس کے پہاڑی سلسلہ کے دوسری جانب سمندر میں سیاہ بادلوں سے چھپے ہوئے ہیں لیکن جن آپ کو کوئی جواب نہ دیا میں اس سے دوسری بار مخاطب ہونا چاہتا تھا اس میں انکی طرف پلٹا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی میں نے فوراً اس نظارہ کی طرف نگاہ بھیری میں دیر سے دیکھ رہا تھا مگر افسوس یہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا بجائے سیلاب رواں اور کماندار پل اور سرسبز جزیروں کے بغداد کے خالی وادی نظر پڑی جس میں بکریاں بیل۔ اور اونٹ چر رہے تھے فقط

(اڈیسن)

محمد آباد بیدر

گزشتہ سے پیوستہ

مدرسہ محمودیہ

یہ رفیع الشان عمارت ۸۸۶ھ سے خواجہ جہاں محمود گاواں کے ایثار نفس اور علمی مذاق کی یادگار بنی ہوئی ہے۔ اور اس کا سربفلک مینار جسکی بلندی (۱۰۰) فیٹ ہے) ابتک اپنے باقی کی شہرت کا غلغلہ آسمان تک پہونچا رہا ہے۔ تیس سال تک زیر تعمیر رہنے کے بعد یہ عمارت بہت ہی پختہ اور سہ منزلہ تیار ہوئی تھی مگر ۱۱ رمضان المبارک ۹۱۸ھ ہجری کو ایک اتفاقی واردات یعنے بجلی گرنے کی وجہ سے اس کا شرقی حصہ معہ ایک جنوبی و شرقی مینار کے منہدم ہو گیا۔ اب اس جانب صرف شمالی و شرقی مینار اس کے بازو کی مسجد باقی ہے۔ جنوب کی طرف کا آدھا حصہ بھی ٹوٹ گیا ہے۔ باقی عمارت گو صحیح وسالم نہیں تاہم اس کا وجود باقی ہے۔ مغربی حصہ کے بیچوں بیچ ایک بہت ہی بڑا کمرہ ہے جس پر گنبد کے وضع کی گول چھت بنائی گئی ہے۔ اس کی ابتدا ایک عالیشان محراب سے ہوتی ہے۔ چھت پر جتنے نقش ونگار تھے جن کے آثار ابتک باقی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام المدرسین کی نشستگاہ تھی۔ جنوب وشمال کی طرف بھی بالکل وسط میں اس

۱؎ تاریخ خورشید جاہی میں ۹۱۶ھ ہجری لکھا ہے مگر اکثر مورخین یہ واقعہ ۹۱۸ھ کا ہی بتلاتے ہیں۔ ۱۲۔

۲؎ جلال الدین خاں قلعدار بیدر نے مدرسہ کے ایک شرقی حجرہ میں بارود رکھوادی تھی۔ بجلی اسی پر گری اس وجہ سے زیادہ نقصان ہوا۔

وضع کے مگر اس سے چھوٹے گنبد نما کمرے ہیں۔ غالباً یہ بھی مدرسین کے لئے بنائے گئے ہونگے۔ ان کی بھی چھتیں چینی نقش سے مزین تھیں ان بڑے کمروں کے بازو طلبہ کے لئے چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے ہیں ہر کمرہ جوابدار اور اسکی چھت لداؤ کی ہے۔ باستثنا بڑے کمروں کے ہر چھوٹا کمرہ سہ منزلہ ہے اوپر کی منزل میں بقدر ضرورت صحن بھی رکھا گیا ہے۔ اور باورچیخانے۔ حمام اور پائخانے کے لئے جابجا گنجایش بھی رکھی گئی ہے۔ چوتھی منزل پر صرف چاندنی ہے اور وہاں سے مینار پر جانے کے لئے سیڑھیاں شروع ہوتی ہیں جو مینار کے جوف میں پیچدار بنی ہوئی ہیں۔ مینار کا قطر گو چار منزلہ سے بھی کم معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کے اندر دو سیڑھیاں ہیں۔ ایک تو چاندنی سے شروع ہوتی ہے۔ اور دوسری مدرسہ کی پہلی منزل سے سیڑھیاں تھوڑی دور تک اچھی ہیں۔ اس کے بعد ٹوٹ گئی ہیں اور شائقین کو مینار کے انتہائی حصہ تک نہیں پہونچا سکتیں سیڑھیوں پر تاریکی بھی ہے اور اس پر کافی روشن دان نہیں ہیں۔ تمام مینار پر رنگا رنگ چینی کا نقش و نگار تھا مگر اب وہ صرف بعض جگہ برائے نام باقی رہ گیا ہے۔ چینی نکلنے کو تو نکل گئی ہے۔ مگر گچی میں اس کے نشانات جواب تک باقی ہیں وہ مینار کی دل فریبی اور خوش وضعی کا پتہ دے رہے ہیں مینار کے درمیانی حصہ پر کچھ لکھا ہوا بھی ہے۔ مگر بوجہ بلندی وہ پڑھا نہیں جاتا۔ اس عمارت کے ہر گوشہ پر بلند محرابوں اور اونچے لداؤ کے گنبد نما کمرے ہیں۔ اور ان کے اوپر کوئی منزل نہیں ہے۔ ان ہی کمروں میں سے شرقی کمرہ جو مینار سے متصل ہے مسجد بنایا گیا ہے۔ اس کا عرض (۱۲) قدم اور طول (۱۷) قدم ہے کہ یہ مسجد آبادی میں ہونیکے باوجود ویران ہی پڑی ہے۔ اللہ کا نام لیکر چراغ ارنڈی کے تیل کا تو جلا دیا جاتا ہے۔ مگر اس میں نماز پڑھنے کی کسی کو توفیق نہیں۔ اس مسجد کی بیرونی دیوار

بہت ہی عالیشان اور خوشنما ہے اس کی گچی پر ایک وسیع محراب کا نقشہ بنا گیا ہے۔ اور اس کے اوپر یہ آیات قرانی نیلی چینی کی زمین پر سفید چینی سے عربی خط میں لکھی ہوئی ہیں۔ مگر چینی بعض جگہ سے نکل گئی ہے۔

جزء القران ۲۴ بعد ربع وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۚ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝

اس قدر عبارت جلی قلم سے خوشخط صرف ایک ہی سطر میں لکھی ہوئی ہے اس سے ناظرین کو محراب کی وسعت کا اندازہ ہو سکیگا۔ مسجد کے باہر جانب شرق بقدر ضرورت طہارت خانہ اور ایک عمیق باؤلی بھی ہے۔ اور اس کے پاس وضو کرنے کے لئے جگہ بھی بنی ہوئی ہے۔

اس عمارت کے احاطہ میں ایک مقام "گنج شہیداں" مشہور ہے۔ یہ اُن باخدا بزرگوں کی زیارت گاہ ہے جو مدرسہ کے شرقی حصہ پر بجلی گرنے کی وجہ سے عین حالت نماز تراویح میں شہادت نصیب ہوئی ہیں۔ ان کی تعداد سات سو سے زیادہ تھی اس مدرسہ کا طول (۷۵) گز اور عرض (۵۵) گز ہے۔ اور تاریخ تعمیر یہ مشہور ہے۔

ایں مدرسہ رفیع و محمود بنا	تعمیر شدہ است قبالِ اہل صفا
آثار قبول ہیں کہ تاریخش	از آیت ربنا تقبل منا

قلعۂ ارک

بیدر کا مشہور و معروف قلعہ۔ قلعۂ ارک کہلاتا ہے۔ یہ نہایت ہی مستحکم اور خوشنما عمارت ہے بلا دہند کے مشہور معماروں اور لائق کاریگروں

نے اسے ہر طرح سے نہایت ہی محفوظ اور سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی قابل قدر یادگار بنانے کی چار سال تک لگاتار کوشش ہے اسکی خندق بہت ہی عریض ہے۔ اور اس میں یہ جدت کی گئی ہے کہ دروازۂ قلعہ اور اکثر اُن برجوں کے سامنے جن پر حریف کے حملہ کا خوف ہو خندق میں بعض جگہ ایک ایک اور بعض جگہ دو دو مستحکم دیواریں ایسی بنا دی گئی ہیں کہ اُن سے خندق دو تین حصوں میں منقسم اور محصور ہو گئی ہے۔ ان دیواروں کا ابتدائی اور انتہائی حصہ حصار قلعہ سے ملا دیا گیا ہے اور ان میں پانی کی آمد و رفت کے لئے سمراہیں یا دروازے بنا دئے گئے ہیں۔ اس لئے قلعہ کے اطراف دو دو اور تین تین خندقیں معلوم ہوتی ہیں ان دیواروں سے اکثر چھوٹے چھوٹے برج بھی بنا دئے گئے ہیں اور قلعہ میں سے وہاں آمد و رفت کے بقدر ضرورت رستے بھی تیار کئے گئے ہیں۔ دروازۂ قلعہ کے سامنے تھوڑی دور تک اس قسم کی تین خندقیں ہیں اور ان کی درمیانی دیواروں پر کئی برج ہیں اور ہر برج پر توپیں موجود ہیں قلعہ کا حصار نہایت پختہ ہے۔ اس میں بیدر کا نرم پتھر نہیں لگایا گیا ہے بلکہ دھدورے سے بصرف زر کثیر صاف سیاہ اور مضبوط پتھر منگوا کر اسکی تعمیر کی گئی ہے۔ حصار کنگرہ دار ہے اور اس پر برج اور تیریں بہت خوشنما بنائی گئی ہیں۔ اسکی بلندی (۱۵) گز ہے۔

قلعہ کے تین دروازے ہیں پہلا دروازہ گو اونچا اور شاندار ہے مگر اس پر کسی قسم کا نقش و نگار نہیں نہ چینی حروف میں کسی قسم کی تحریر ہے۔ صرف اس کے دائیں پشت پر بالکل وسط میں آہنی تختی کا ایک کتبہ ہے جس پر یہ عبارت خوشخط لکھی ہوئی ہے۔

"روز چہارشنبہ ۷ رجب المرجب ۸۲۶ھ جلوس میمنت مانوس حضرت قدر قدرت جمجاہ ملائک سپاہ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر

لہ تاریخ خورشید جاہی میں ڈھائی سال لکھا ہے۔

عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ موافق ۱۰۹۱ھ ہجری نبوی در صوبہ
کمترین بندگان مختار خاں الحسینی سبزواری ایں دروازہ صورت اتمام پذیرفت"
اس دروازے تک پہونچنے کے لئے اسی سابق الذکر خندق پر سے گزرنا
پڑتا ہے یہاں اس پر پختہ پل تیار ہوا ہے دروازہ میں داخل ہوتے ہی
دو طرفہ پختہ کمرے دکھائی دیتے ہیں جو غالباً جوانان پہرہ کی نشست گاہ تھی
اب بھی یہاں غریب لوگ رہتے ہیں۔ ان کمروں کے ساتھ ہی قلعہ کا دوسرا
دروازہ نظر آنے لگتا ہے۔ یہ دروازہ بھی شاندار ہے۔ اس پر شرزہ
کی دو مورتیں ہیں اور چینی کا نقش و نگار ہے بالائی حصہ پر چینی سے کچھ لکھا ہوا
بھی ہے مگر چونکہ وہ خط طغرا میں ہے اور زیادہ بلندی پر ہے پڑھا نہیں
جاتا اس دروازہ کے دونوں پٹ علیحدہ ہو گئے ہیں۔

پہلا دروازہ شرزہ دروازہ کہلاتا ہے حالانکہ مورتوں کے لحاظ
سے دوسرا دروازہ اس نام کا مستحق تھا۔

دوسرے دروازہ سے برجوں اور بیتریوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا
ہے جن میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو خندق کی درمیانی دیواروں پر بنائے
گئے ہیں۔ اور اُن کے نیچے سے خندق کا کچھ حصہ کاٹ کر نکالا گیا ہے۔ یہاں
سے تیسرا دروازہ کچھ زیادہ دور نہیں۔ یہ دروازہ بھی شاندار ہے مگر
اس پر کوئی نقش یا تحریر نہیں ہے۔ اس کے متصل بھی اسی وضع کی تین
خندقیں ہیں اور اسی تراش و قماش کا سنگی حصار ہے جو پہلے دروازہ کے
پاس تھا۔ گویا اصل قلعہ اسی دروزہ سے شروع ہوتا ہے پہلا اور
دوسرا دروازہ اصل قلعہ میں داخل نہیں ہے بلکہ قلعہ کی محافظت کے لئے
علیحدگی سنگی حصار اور خندقوں کے ساتھ بنایا گیا ہے۔

اس دروازہ کے ساتھ ہی شاہی محلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے
سب سے پہلے علی برید شاہ کا خوبصورت و دلفریب رنگین محل واقع ہے

یہ اب تک بیدر کی اعلےٰ مقامی حکومت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ محکمہ اول تعلقداری نے اس میں شک نہیں کہ اسکی حفاظت اور آبادی میں قابل قدر حصہ لیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی آج کل کی نئی فیشن کے مطابق اس میں کچھ ایسی ترمیم و تبدیل کردی کہ قدامت کے آثار اس کے اکثر حصہ سے مفقود ہو گئے۔ اس محل میں علی بربر کاشہ نشین خاص طور پر قابل دید ہے۔ اس کا دروازہ اور دریچے نہایت ہی اعلےٰ اور مصفا سنگ موسیٰ سے بنی ہوئے ہیں اور ان پر صدفی تحریر دلکش اور نظر فریب نقش و نگار کے ساتھ ابیات لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہ پتھر پر سیپی کی سرخی۔ زردی اور سنہری مائل جھلک نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے یہ شہ نشین زیادہ وسیع نہیں ہے۔ اور اس کا ابتدائی دروازہ بھی جو شمال رویہ ہے محرابدار ہونیکی وجہ سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں داخل ہونے سے پہلے اس شعر پر نظر پڑتی ہے جو اوپر کی چوکھٹ پر کندہ کیا گیا ہے اور اس میں سیپی جمائی گئی ہے۔

شعر

شاہ نشین چشم من بکیہ گرشنائے تو — جائے دعاست شاہ من بی تو سبا دجائے تو

اس دروازہ پر اندر کی جانب صدفی تحریر اور نقش و نگار زیادہ ہے۔ محراب کے بالائی حصہ پر بیچوں بیچ "یا منفتح الابواب" لکھا ہوا ہے بائیں جانب

ہر در یا کہ در صدف دارد عشق — از بہر نثار در گھت آرد عشق

دائیں جانب۔

عاشق شود آنکس کہ درآید زدرت — گویا زدر و بام تو می بارد عشق

اور سب کے نیچے "المشیفر اللہ الملک المالک المجلس المکرم والہایوں اکرم برید ممالک علی" عربی خطمیں تحریر ہے۔ جانب شرق و غرب دو دریچے ہیں۔ جو اسی صنعت سے سنگ موسیٰ کے بنے ہوئے ہیں۔ غرب رویہ دریچہ

پہلے "یا رافع الدرجات" اور اس کے نیچے یہ شعر فارسی خط میں لکھا ہے۔

اے منظر دیدہ از جمالت روشن وے کردہ چو در در صدف سینہ وطن

اور شرقی رویہ دریچے پر "یا کافی المہمات" اور یہ شعر تحریر ہے۔

بخرام شہ نشین خلوت گہ دل از بہر تو آراستہ شد ایں گلشن

اس کے علاوہ تمام دیواروں پر چینی کا خوشنما نقش ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

رنگین محل کے بعد ترکش محل۔ گگن محل چینی محل۔ نگینہ محل اور حمام کی عظیم الشان چار چار اور پانچ پانچ منزلہ عمارتیں محمد شاہ لشکری بہمنی کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والی اور گزشتہ شان و شوکت کی نشانیاں ڈھونڈنے والی طبیعتوں کو یہ معلوم کر کے اطمینان آمیز مسرت ہوگی کہ ان محلات میں سے اکثر اب بھی آباد ہیں اور ان کے رکھ رکھاؤ کا تھوڑا بہت انتظام اب بھی باقی ہے گگن محل میں تحصیل کی کچہری۔ ترکش محل میں محافظ خانہ مال اور حمام میں دفتر عدالت ضلع رکھا گیا ہے۔ مگر بانہمنی ترکش محل کا بالائی حصہ افتادہ ہو گیا ہے۔ اس محل کے سامنے پختہ اور بلند پایہ بادشاہی عاشور خانہ ہے۔ ماہ محرم الحرام میں اب بھی اس میں علم بٹھائے جاتے ہیں۔ عاشور خانہ کے بازو جانب غرب ایک شاندار اور خوشنما اور وسیع مگر زیادہ تر طویل مسجد واقع ہے جو خاص طور پر مستورات کی عبادت کے لئے بنائی گئی تھی اس مسجد کو "سولہ کھم کی مسجد" کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ محراب و نمبر کے دونو بازو دو طول طویل دالان ہیں اور ان میں پختہ اور بالکل مقررہ فاصلہ پر سولہ کھم نصب ہیں۔

مسجد کا عرض چار دالان در دالان پر ختم ہوتا ہے مگر ہر دالان ایسی عظیم الشان عمارت کے پیش دالان سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا محراب والا حصہ گنبد نما اور زیادہ تر بلند ہے اور اس کی وسعت عرض میں دو دالان اور

طول میں چار کھم کے برابر ہے۔ اب صرف یہی حصہ آباد ہے۔ اور پیش دالان کے ساتھ بقیہ مسجد سے علیحدہ کر لیا گیا ہے۔ اس غرض کے پورا ہونے کیلئے پیش دالان میں جو دیواریں بنائی گئی ہیں۔ انمیں کئی عالم گیری عمارت کے کتبے نصب کر دئے گئے ہیں۔ یہ کتبے سنگ مرمر کے ہیں اور مندرجہ ذیل قطعہ ان پر نہایت ہی خوشخط لکھا ہوا ہے۔

بدور شاہ عالمگیر غازی — کہ از عدلش شدہ گیتی منور
قلندر خاں بہار باغ دولت — کہ از بوئش جہاں گشتہ معنبر
بہ پیش آفتاب دست جودش — بود دریا دکاں یکذرہ کمتر
رواقی ساخت بہر یادگارے — کہ باشد زیر ایں فیروزہ منظر
پے تاریخ اُو از طارم چرخ — ندا آمد کہ خال روئے بیدر

بازو کے دالان ویران ڈالدئے گئے ہیں ترمیم تو کجا یہاں جھاڑو تک نہیں دی جاتی۔ اور جو انات کا بول و براز بھی دور نہیں کیا جاتا حالانکہ یہ اپنی خوشنما مسلسل اور قطار اندر قطار ستونوں کی وجہ سے حفاظت اور توجہ خاص کے زیادہ تر مستحق تھے۔ یہ ستون اس صنعت سے بنائے گئے ہیں کہ جس پہلو سے دیکھا جائے وہ ایک ہی شمار اور ایک ہی قطار میں نظر آتے ہیں۔

مسجد کی چھت پر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں موجود ہیں مگر وہ بے حد ترمیم طلب ہو گئی ہیں اور نمازیوں کو بلا خوف و خطر اوپر تک نہیں پہونچا سکتیں۔

گنبد نما حصے کے سامنے وضو کرنے کو ایک نورد جگہ بنا دی گئی ہے۔ اور پانی کا آہنی خزانہ نصب کر کے اس میں ٹونٹیاں بھی لگا دی گئی ہیں۔

اس مسجد کے قریب ہی سلطان احمد شاہ ولی البہمنی کا عظیم الشان "تخت محل" عبرت کی مجسم تصویر بنا ہوا ایک کھنڈر کی صورت میں نظر آتا ہے اور اسکے ساتھ ہی بے ثباتی عالم کے نقش صفحہ دل پر کھچ جاتے ہیں۔ اور وہ

لازوال فوت یاد آجاتی ہے جس نے اس عشرت کدہ کو عبرت کدہ بنا دیا ہے۔ اس محل کی ٹوٹی ہوئی دیواروں اور گری ہوئی چھتوں کا ڈھیر اب تک اس عظمت و شوکت کا ضامن ہے اور قسم قسم کی رنگین دیواروں کی محفوظ مٹی اس کی رعنائی کا پورا پورا ثبوت دے رہی ہے بعض دیواریں اور کمرے اب تک باقی بھی ہیں مگر بیحد شکستہ اور ناگفتہ بہ حالت میں۔ اور محل کا عظیم الشان دروازہ ان کی رفاقت کر رہا ہے اس دروازہ پر چینی کے نقش و نگار تھے۔ جس کے آثار اب تک باقی ہیں۔ یہ وہی عمارت ہے جس کی تعریف میں شیخ آذری یہ قطعہ کہکر مورد الطاف شاہی ہوا تھا۔

چند اقصر شید کہ زفرط عظمت — آسماں سدۂ از پایۂ ایں درگاہ است
آسماں ہم نتواں گفت ترک ادب است — قصر سلطانِ جہاں احمد بہمن شاہ است

حصار قلعہ پر اور اس کے قریب قریب کثیر التعداد برج ہیں۔ جن میں سے بعض بہت ہی عظیم الشان ہیں۔ اور ان پر پانچ پانچ چھ چھ گز کی توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ ایک جگہ سات گز کی بھی توپ موجود ہے۔ ان تمام توپوں پر آدھے انچ کے موٹے حرفوں میں قرآن پاک کی آیتیں کلمات طیبات، بادشاہ وقت کا نام ملقب القاب تاریخ بنا، گولہ کی مقدار اور کچھ ہدایتیں کندہ ہیں اور ان میں عمدہ سونا بھرا گیا ہے۔ زیادہ نگرانی نہ رہنے کی وجہ سے بعض خود غرضوں اور ناعاقبت اندیشوں نے اکثر جگہ کا سونا نکال لیا ہے خصوصاً حروف کے اطراف جو موٹی جدول اور نقش و نگار تھے اس میں اب مطلق سونا باقی نہیں رہا ہے۔ سنا جاتا ہے کہ اس جرم کی پاداش میں چند لوگوں نے سزائیں بھی پائی ہیں۔ ان میں

ع یہ تحریر خط طغرا میں ہے اور سونے کی لالچ سے لوگوں نے حروف کو ایسا بگاڑ دیا ہے کہ وہ پوری طرح سے پڑھی نہیں جاتی ۱۲۔

سے اکثر توپیں ۹۰۰ھ کی بنی ہوئی ہیں۔ باقی چھوٹے برجوں پر ہر قسم اور ہر وضع کی چھوٹی توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ جن میں سے بعض پر "محمد قاسم اور ۱۰۸۵ ہجری کندہ ہے۔

قلعہ میں متعدد باولیاں اور ایک تالاب بھی ہے جسکو "تالاب بمکنڈہ" کہتے ہیں۔ اس کے اطراف ترکاریوں وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ یہاں کی ہوا بہت ہی صاف اور یہاں کا نظارہ بہت ہی دل خوش کن ہے۔ اس کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی بھی ہے جسے "دال دھوڑی" کہتے ہیں۔

تالاب کے کنارے شمالی حد پر ایک قدیم مگر چھوٹا سا دیول ہے اسکو "دیول ویر سنگیا" کہتے ہیں۔ راجہ امر سنگھ راجہ ورنگل جس کے زیر حکومت بیدر تھا، سال میں ایک دفعہ ضرور یہاں پوجا کے لئے آیا کرتا تھا۔ دیول کے عقب میں گو کوئی برج نہیں مگر (۹) گز کی توپ رکھی ہوئی ہے اس کا قطر صرف ڈیڑھ گز ہے۔

تالاب کے شرقی کنارے کے قریب ایک چھوٹا پرانا قلعہ ہے اسکی بنا اسی راجہ امر سنگھ نے ڈالی تھی۔ جب سلطان احمد شاہ ولی بہمنی نے بجائے گلبرگہ کے بیدر کو اپنا دار السلطنت قرار دیا۔ تو اسی چھوٹے سے قلعہ کے متصل یہ عظیم الشان قلعہ ارک ۸۳۰ھ میں تعمیر کرایا۔ بادشاہان اسلام کی بے تعصبی کی یہ اک اعلیٰ نظیر ہے۔ کہ احمد شاہ نے اس چھوٹے سے قلعہ کو قایم و برقرار رکھا ورنہ کوئی ضرورت نہیں تھی کہ اُس اعلیٰ و ارفع عمارت میں جسے وہ اپنی قابل قدر یادگار بنانا چاہتا تھا۔ غیر کا نام یاد دلانے والی کوئی چیز محفوظ کیجاتی اس قلعہ کا قطر ۴۵۰۰ گز ہے۔ اور تمام قلعہ ۴ ہزار گز مکسر زمین گھیرے ہوئے ہے۔

ف یہ جو مشہور ہے کہ قلعہ بیدر کی بعض بڑی بڑی توپوں میں گدھا جاتا اور پھر واپس آجاتا ہے یا یہ کہ آدمی اسکے اندر بیٹھکر شکار باندھ سکتا ہے۔ محض لغو بات ہے

ف ۱۰۸۵ھ میں محمد قاسم کوتمنی کے زیر اہتمام ظفر الدولہ دہولسہ کا کارخانہ توپ قلعہ گلتیال میں قایم تھا۔ یہ توپیں غالباً وہیں کی بنی ہوئی ہیں۔ ۱۲

ہاتھ سے انجام دے لیں تو پھر آپ لوگ کس کام کے رہیں گے۔ بیشک لکھنا پڑھنا اور ہر ایک کام کی لیاقت پیدا کرنا اچھا ہے لیکن یہ آپ لوگوں کے فرائض ہیں یہ سب محنتیں آپ لوگوں کو اٹھانی چاہئیں کہ کوئی عہدہ کوئی خدمت مل جائے ہم لوگ سو پچاس روپیہ ماہوار پر ایسے ایک شخص کو نوکر رکھ لیا کرتے ہیں جو ہمارے تمام کارخانے کو سنبھال لیتا ہے جتنی تحریرات حسابات ہوتے ہیں سب وہ لکھتا ہے جتنے معاملات پیش آتے ہیں اُن کا تصفیہ اُس کے ذمہ ہوتا ہے ہمارے کارخانے کی ہر قسم کی تدابیر میں ہمارا راہ نما ہوتا ہے پس آپ جس کو لیاقت کہہ رہے ہیں اگر ہم تمام عمر صرف کر کے حاصل کرتے تو اتنی ہی حاصل کرتے جس قدر سو پچاس روپیہ ماہوار خرچ کرنے سے ہم کو اب ایسی لیاقت بآسانی مل جاتی ہے ہمارے گھر کے لڑکوں کو پڑھانے کے لئے ایک اُستاد نوکر ہے اس کی دس روپیہ ماہوار ہے اگر ہمارے لڑکے حد سے زیادہ محنت و مشقت کریں گے اور بفرض محال استاد جیسے ہو جائیں گے۔ تو بھی نہ کہ صرف دس روپیہ ماہوار کی لیاقت حاصل ہوئی اس سے کیا فائدہ ہے۔"

یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ جن لوگوں کے یہ خیالات ہوں اُن سے اس معاملہ میں گفتگو کرنا فضول ہے۔ یہ لوگ دنیا میں گویا محض عیش و عشرت اور قوائے شہوانی کو کام میں لانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں قوائے روحانی اور انسانی کے ذوق سے وہ اس قدر اجنبی ہیں کہ کسی طرح اُس سے واقف نہیں ہو سکتے پس میں خاموش ہو رہا اور اُس وقت خاموشی ہی مصلحت تھی۔

اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کا اپنی ذات سے ہر ایک کام کی طرف متوجہ نہ ہونا اور ہر قسم کے جزوی کلی کام اور اپنی تمام اسٹیٹ کے مصالح مالی و انتظامی کا ایک شخص غیر پر چھوڑ رکھنا جس کی توصیف اوپر

گزری اور اُس کو سیاہ و سفید کا مختار بنا دینا ہی زیادہ تر اُن کے ادبار کا باعث ہے غیر شخص پر بھروسہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ بیشتر امیر زادے (الا ماشاءاللہ) عیش و عشرت میں اسقدر ڈوبے رہتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کو اپنے اسٹیٹ کے انتظام کی طرف توجہ کرنیکی فرصت نہیں ملتی اور اگر ملے بھی تو بے علمی اور نالیاقتی ایسا مرض ہے جس کے سبب نہ وہ اپنی ذات سے اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتے ہیں نہ اُن کو کسی سوسائٹی کسی مجمع میں زبان کھولنے کی جرات ہوتی ہے یہی سبب ہے کہ اعیان ملک اپنے ملکی اور انتظامی امور سے محض بے بہرہ رہتے ہیں اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ گویا ملکی انتظام اور قومی حقوق میں اُن کا کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔ اگرچہ گورنمنٹ نے اُن کو بارہا ان حقوق میں حصہ پانے کا موقع دیا اور دیتی جاتی ہے چنانچہ مجلس وضع آئین و قوانین کے مسوداتِ قانون عام رائے زنی کے لئے مشتہر کئے جاتے ہیں لیکن کبھی انھوں نے اس موقع کی قدر نہ کی اور کر کیا سکتے ہیں جب کہ ذاتی قابلیت اور اصلی لیاقت مفقود ہے۔

باقی آیندہ

غزل

روزگار آشفتہ تر یا زلف او یا کار من — بے نشان عشق است یا من یا دہان یار من
پر فضا گلشن بود یا کوئے او یا سینہ ام — قامتِ او راست تر یا سرو یا گفتار من
برق مضطر یا دل من یا نگاہ شوق او — لعل خوشتر یا لبش یا دیدۂ خونبار من
مہر و مہ رخشندہ تر یا رائے من یار ے داد — آسماں گردندہ تر یا خوئے او یا کار من
شیشہ نازک تر بود یا قلب من یا خوئے او — غمزۂ او تیز تر یا تیغ یا گفتار من
زاہدا خوشتر ازینہا کیست از انصاف گو — مسجد تو یا دلم یا خانہ خمار من

خوشتر ازینہا خمیدہ کیست اے عاصی بگو
ماہ نو یا قامتم یا ابروے دلدار من

رسالہ تعلیم جبری پر تقریظ

گزشتہ سے پیوستہ

محمد شاہ بادشاہ ہند کے زمانہ میں خیالات میں وہ تہذیب اور شائستگی باقی نہ رہی تھی جو عالمگیر کے زمانہ میں تھی۔ خافی خاں نظام الملکی محمد شاہ کے عہد میں امرازادوں کی تعلیم و تربیت کا حال اس طرح بیان کرتا ہے کہ۔

"دریں دور کہ انسانیت و کمالِ مروت معدوم الوجود گشتہ و امیرزادہا کہ معلمان متعدد و اتالیق ہائے مستعد مدت ہا صرف اوقات در تربیت آنہا می نمایند برتبہ از طریق آدمیت بیگانہ واقع می شوند کہ سوائے جوشیدن و محبت بے کمالانِ مادر آزار و پدر بیزار و اوباش و وضعان ضائع روزگار اصلا بصحبت صاحب کمالان باوقار و دانشمندان صلاح شعار راضی نمی شوند چہ استعداد و کمالات فن ایشاں سر و خوانی و نواختن طنبورہ و فہمیدن دہرپت و کبت و دوہرہ است و کسب دیگر کمالات را در سر محض میدانند و با وجود بہر سانیدن خط و سواد کہ پدران شاں مبلغہائے خطیر بخرج ملایان در آوردہ صاحب سواد نمودہ اند ہمیں کہ سواد خط بر چہرۂ شاں نمودار گردیدہ کتاب بدست گرفتن و مطالعۂ تفسیر و حدیث و کتب لغت و تاریخ و شق و مربوط نویسی را از جملہ فعل ہائے لغو لاحاصل می شمارند و نام جد و آبائی خود را چوں سطر غلط و ورق قلم خوردہ از صفحہ روزگار حک ساختہ اند و بلندک گردش لیل و نہار خود شان نیز از گمنامان عالم می گردند۔"

ان بیانات پر غور کرنے اور موجودہ حالت کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہالت اور ناکارگی کا مرض ہندی ریاستوں میں کس قدر مزمن ہے اور کس طرح

اُس نے امرا کے آسودہ گھروں میں ترقی پائی ہے اور اپنے مریض کو کس درجہ پر پہونچا دیا ہے اگر چندے یہی حال رہا اور کچھ اس کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو آخر اس کا جو کچھ نتیجہ نکلے گا وہ ظاہر ہے۔

اس وقت اگر کوئی سریع الاثر علاج ہے تو یہی ہے جس کو جناب ملا صاحب نے تجویز فرمایا ہے۔ اس تجویز میں اگر سرکار نے واقعی امداد فرمائی تو امید ہے کہ بہت جلد اس کے نمایاں فوائد سے ملک فائدہ مند ہوگا۔

اس وقت تمام دنیا میں جو کچھ ترقی اخلاقی تمدنی دینی دنیاوی غرض ہر قسم کی ہو رہی ہے محض علوم وفنون کی بدولت ہے جہاں تعلیم کی کثرت ہوتی ہے اُسکے دو کھلے فائدے دکھائی دینے لگتے ہیں ایک تو تعلیم یافتہ لوگوں سے ہر کام ہر خدمت میں شائستگی اور عمدگی پیدا ہو جاتی ہے نیز ہر پیچیدہ مسئلہ جرات و استقلال کے ساتھ حل ہو جاتا ہے اور ملک کے ہر کام میں رونق پیدا ہو جاتی ہے دوسرا جرایم اور رذائل بہت کم اور بیہودہ اوہام و وساوس سے ملک میں ہر طرح کا امن و امان پیدا ہو جاتا ہے۔

اب وہ وقت نہیں رہا ہے کہ ہم اپنے ملک کو موجودہ حالت میں باقی رکھ سکیں۔ ہم کو اب شمشیر کی حاجت نہیں رہی ہے۔ سرکار انگریزی کی بدولت لازوال امن قایم ہو گیا ہے اب ہمکو صرف ایک کام کرنا ہے اور یہ اُس قدر دشوار اور جاں بازی کا کام نہیں ہے جتنا کہ شمشیر کا تھا اگر ہم نے اس سہل اور آسان کام کو بھی انجام نہ دیا تو پھر ہم کس برتے پر آپ کو عزت و صدارت کے مستحق سمجھیں اور کس منہ سے ہم قدر و منزلت کا دعوے کریں۔

ایک بار خود راقم الحروف کو ایک مشہور خاندانی امیر سے اس باب میں گفتگو کا موقع ملا تھا میں نے اپنے خیال کے بموجب تعلیم و تعلم اور کسب کمال کی خوبیاں بیان کرنی شروع کیں سب سن کر اُنھوں نے اس کے جواب میں ایک تقریر کی جس کا مطلب یہ تھا کہ جب ہم لوگ لکھنا پڑھنا سیکھ لیں اور ہر ایک کام کو اپنے

ظفر خاموش رہنا چاہئے دنیا کی شورش گاہ میں | سنتا کسی کی ای ظفر یاں کون شور غل میں ہے
شہید مرغانِ نوا سنج کو صیاد نے پھانسا | محفوظ رہے ہم لب خاموش کی باعث

خضاب

ذوق نہیں خضاب سے مطلب ہمیں یہ موئے سفید | سیاہ پوش ہوئے ماتم جوانی میں ہے
" باقی ہے شیخ کو ابھی حسرت گناہ کی | کالا کریگا منہ بھی جو ڈاڑھی سیاہ کی
ظفر نکر فکر خضاب اے شیخ تو پیری میں جاوے کی | جواں ہونا نہیں ممکن سیاہ روئی کیا حاصل
شہید سمجھتا نہیں اب خضاب ای شیخ | تا چند یہ ریش خند بس کر

خلاف

ذوق دل ہی سے بشر کو ہے رغبت خلاف سے | لیتا تھا کام منہ کا شکم میں یہ ناف سے

خوف گناہ

نصیر پایا نہ سیر گلشن ہستی سے یہ ثمر | بار گنہ سے صورت شاخ خمیدہ ہوں
مومن مومن از بس ہیں بے شمار گناہ | غم روز حساب نے مارا
ظفر ای ظفر راہ عدم میں پھر سبکباری کہاں | سر پہ رکھ لی باندھ گٹھڑ جب کثرت عصیاں کی
شہید شامت اعمال پر روتا ہوں خوں ابر بہار | دل میں ہے خوف خدا یعنے سیاہ کار ہیں

خواہش نام

سوز پہنچ جائے جب اپنی جاں کنی تک کا نہ یاں | ملے آسان تب اعتبار نام دنیا میں
ظفر نکلیں بے سینہ کا دے نامور ہونے نہیں ممکن | تجھے گر نام کی خواہش ہے کاہش ہے بیجا ئی
" رو سیاہی ہے فقط نام و نشاں کی خواہش | اے نگیں چاہئے بے نام و نشاں ہو جانا
شہید صفحہ گیتی پہ میرا نام تو روشن ہوا | پر نگیں کی طرح منہ پہلے ہی کالا ہو گیا

خندہ بیجا

مصحفی کھل کھلا کر نہ ہنسا کیجے آپ | ایسی باتوں سے حیا کیجئے آپ

خوف الٰہی

درد ہے خوف اگر جی میں تو ہی تیری غضب سے | اور دل میں بھر دسہ ہو تو تیرے کرم کا

قائم	ہائے قایم نہ تری آنکھ تو سجی لیکن	ابر یہ روتا ہے سدا خوف سیاہ کاری سے
ظفر	گرچہ ہو دشمن جاں سارا زمانہ نہ ڈرے	ہاں مگر چاہیے اللہ کا انسان کو خوف
″	ظفر آدمی اُسکو نہ جانیگا گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا	جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

خست اہل زمانہ

قایم	رہے خساست اہل جہاں کہ مثل گہر	گرہ میں بندہ کے دریا میں آب رکھتے ہیں
″	تنگ تر ہے دست حاجت سے دل اپنا ہر دہر	کس کے آگے ظاہر اپنی تنگدستی کیجئے
″	کھلے گہر کی نہ جب ناخن صدف سے گرہ	گشاہ کار کی پھر کیا طمع ہو یاروں سے
″	ہے نفع اپنی جنس سے زیر فلک محال	کھولے گرہ نجوم کی کب ناخن ہلال
مصحفی	کبھی کام اپنا کسی سے نہ نکلا	بہت خلق کی التجا کر چکے ہم
انشا	کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے	وہ تو بیچارہی آپ تنگی ہے
غالب	کیا کیا خضر نے سکندر سے	اب کسے رہنما کرے کوئی
″	جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب	کیا کسی کا گلا کرے کوئی
مومن	ملنے کو خاک ہی میں بخیلوں کا مال ہے	دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچہ کے زر سے فیض
ذوق	دولت کی رکھ نہ مار سر گنج سے امید	موذی وہ دیکھا کیا کہ جو دولت پرست ہے
ظفر	غنچہ کی مٹھی میں زر ہی پر نہیں دست کرم	تنگی دل اور ہے اور تنگدستی اور ہے

باب الدال

دنیا دار المحن (۲۱)

میر	دنیا ہے میر حادثہ گاہ مقرری	ان سے تو اپنا پاؤں مشتابی نکال چل
″	آفاق کی منزل سے گیا کوں سلامت	اسباب لٹا راہ میں یہاں ہر سفری کا
″	دم صبح بزم خوش جہاں شب غم سے کم نہ تھی میر کی	کہ چراغ تھا سو وہ دود جو تہ رنگ تہا وہ غبار تھا
″	یہ عیش گہ نہیں ہے یاں رنگ اور کچھ ہے	ہر گل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا

میر — گزرا کسے خوشی سے جہاں میں تمام روزہ — کس کی کٹی زمانے میں بے غم تمام شب
〃 — ہستی میں ہم نے آکر آسودگی نہ دیکھی — کھلتیں نہ کاش آنکھیں خواب خوش عدم سے
〃 — اس صد بقے کے عیش پہ مت جا — مے نہیں ہے ایاغ میں گل کے
〃 — شادی و غم میں جہانکے ایک سے دس کا ہی فرش — عید کے دس دن ہنسئے تو دس دن محرم رو
〃 — جو ہے سو پائمال غم ہے میر — چال بیڈول ہے زمانے کی
درد — میں اپنا درد دل چاہا کہوں جس بیکس عالم میں — بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا
〃 — دل زمانہ کے ہاتھ سے سالم — کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا
سودا — زندگانی میں کسے آرام حاصل ہوئیگا — ہائے آسودہ جہاں میں کونسا دل ہوئیگا
〃 — بغیر از مرنے جینے کے ندیکھا بزم ہستی میں — کٹی اپنی تو مثل شمع صبح و شام دنیا میں
〃 — بہاریاں کی ہے بلبل خزاں سے ہم آغوش — لگا نہ دل کو تو اس بوستان فانی کے
〃 — باغ دنیا کی ہے حریف خزاں — کس بھروسہ پہ آشیاں کیجے
قائم — جیا بکام کب اس بخت ارجمند سے میں — پھنسا قفس میں جو چھوٹا چمن کے بند سے میں
〃 — کہتے ہیں خوش دلی ہے جہاں میں مگر غلط — رنج و تعب ہی ہم نے تو دیکھا جدھر گئے
〃 — نکردہ گریہی ہیں جہاں کے تو لاکھ بار — افزوں ہے عمر خضر سے فرصت شرار کی
قایم — آرام سے کوئی دم کٹ جا گر جہاں میں — ہم عمر صد خضر کے یک فرصت شرر ہے
〃 — تھا بد و نیک جہاں سے میں عدم میں آزاد — آہ کس خواب سے ہستی نے جگایا مجھکو
〃 — قایم عبث ہے فکر رہائی کہ مثل موج — جب تک کہ بو ہے ساتھ تری پیچ و تاب کی
ممنون — بلبل ہی اس سے نہ کچھ نوحہ گر گئی — باد سحر بھی آکے دم سرد بھر گئی
〃 — عیش کیا در طرب ہستی میں کہ یاں خیتہ جام — بنتے ہی شکل حباب لب جو ٹوٹ گئے
انسوں — عشاق کو ہی غم نہیں معشوق کو بھی ہے — لیکن یہ فرق ہے کہیں تھوڑا کہیں بہت
مصحفی — اے دل تمام عمر یہاں کون خوش رہا — گزرے خوشی کیساتھ جو اک دم بہت ہے یاں
〃 — وہ سنے یا نہ سنے اوسکو ہم اپنا احوال — پس دیوار کھڑے ہو کے سنا جاتے ہیں
〃 — لالہ تر مردہ دل افسردہ ہے نرگس بیمار — کونسا مغ چمن ہے کہ فغاں میں وہ نہیں

غالب	حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی	دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا
〃	بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ	صید زدام جستہ ہے اس دام گاہ کا
〃	ہوئی جن سے توقع خستگی کے داد پانیکی	وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے
ذوق	جہاں میں عرصۂ عشرت سے سوا وہ چند ہی غم کا	اگر ہے عید کا اک دن تو عشرہ ہی محرم کا
میر	غنچہ ہے دل گرفتہ تو گل ہے جگر فگار	کس کو چمن میں دہر کے غم سے فراغ ہے
〃	ہم نے اس ہستی میں رکر اٹھائے رنج و غم	جو روانہ ہو گئے سوئے عدم اچھے رہے
〃	کیا خاک عمر چین سے اپنی گزارئے	بزم جہاں میں عیش ہے کم رنج و غم زیاد
〃	پروانہ و بلبل ہی کے حصہ میں نہیں درد	گل چاک گریباں ہے سراگر یہ کناں شمع
〃	اک دم کی شگفتگی میں گل کا بہار ہے	افسوس ہے چاک پیرہن ہو
نصیر	ہوں محفل زمانہ میں مثل چراغ صبح	خورشید کھینچے ہے میرے سر پر ہزار تیغ
〃	بخت بیدار یہاں کس نے پائے تھے نصیر	زانوئے یار پہ سر رکھ کے جو سوتا کوئی
ظفر	ہنستے ہیں کیوں گل کی روش باغ جہاں میں غافل	اے ظفر ہوتے اگر یہاں کی ہوا سی واقف
〃	جیں ہے کس کو ملک وہ آپ ہی چکریں ہے	ہے ہوس راحت کی زیر آسماں بے فائدہ
〃	جو ہوتے ہم نہ جہاں خراب میں داخل	تو ہوتے کاہیکو رنج و عذاب میں داخل

دنیا گزشتنی و گزاشتنی (۳۱)

نصیر	سیر جہاں سے کیوں ہو تم غافل	سب کے یہاں ہو رہی ہے تیاری
〃	زیست اک ماندگی کا وقفہ ہے	یعنی آگے چلیں گے دم لیکر
〃	اس کاروان سرا میں کیا بار میر گھولیں	یاں کوچ لگ رہا ہے شام و سحر ہمارا
〃	جہاں سے تو رخت اقامت کو باندہ	یہ منزل نہیں بے خبر راہ ہے
〃	کارداں گاہ جہاں میں نہیں رہتا کوئی	جس کے یاں دیکھئے ہیں چلنے کی تیاری ہے
〃	نہ اسکندر نہ دارا ہے نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے	یہ بیت المال ملک بے وفا یہ وار ثا گھر ہے
درد	چند مدت اب تم اے یاران آئندہ رہو	پیش ازیں یک چند امن تستبی میں ہم رہے

فصل چہارم

اشیائے چوبی و لاکھ

اشیائے چوبی۔ مملکت سرکار عالی کے ہر ایک گانوں میں بڑھئی ہمیشہ سے موجود ہیں جو معمولی خانہ داری اور زراعتی اشیا کو تیار کرتے ہیں جن کی ضرورت عموماً ہوا کرتی ہے۔ بڑے بڑے قصبوں میں کام اچھا ہوا کرتا ہے۔ حیدرآباد اورنگ آباد۔ گلبرگہ۔ ورنگل بکھم میں۔ عمدہ سے عمدہ مشرقی و مغربی فیشن کا سامان۔ میز۔ کرسیاں۔ صندوق پلنگ تخت۔ الماریاں۔ سامان آرائشی کھلونے۔ تلوار کی نیامیں۔ بندوق کے کندے۔ کنگھیاں وغیرہ تیار ہوا کرتے ہیں۔ یا فرمایش پر تیار ہو سکتے ہیں۔ زمانہ گذشتہ میں مشرقی وضع کا ہی سامان تیار ہوتا تھا اور اب فیشن بدل جانے کی وجہ سے زیادہ تر انگریزی وضع کا سامان تیار ہوتا ہے۔ آجکل اس امر کی کوشش شروع ہوئی ہے کہ انگریزی وضع کا فرنیچر ایسا عمدہ بنایا جائے کہ وہ برٹش انڈیا بلکہ یوروپ کے بنے ہوئے سامان کا مقابلہ کر سکے۔ اس کوشش میں مسرس پیٹیل برادرس نے خاص کامیابی حاصل کی ہے۔ حیدرآباد میں ہر قسم کی سواریاں مثل بگی۔ جھٹکے۔ ٹانگے۔ شکرام۔ میانے۔ ہودے وغیرہ اچھے تیار ہوا کرتے ہیں۔ اورنگ آباد میں لکڑی پر کندہ کاری کا کام اچھا ہوا کرتا ہے۔ نرل ضلع آصف آباد پھیگل ضلع نظام آباد۔ حیدرآباد میں لکڑی پر روغنی نقش و نگار نہایت عمدہ ہوا کرتا ہے۔ کھلونے۔ کشتیاں (پیانل) اسکرین خوش وضع ہوا کرتے ہیں۔ حیدرآباد کیپل۔ نگنگور میں کھلونے مصنوعی میوے جن پر روغن کیا جاتا ہے اچھے ہوتے ہیں۔ صندل کی لکڑی پر حیدرآباد و اورنگ آباد میں نہایت عمدہ نقاشی ہوتی تھی اور جواہرات و طلائی کچی کاری کی جاتی تھی۔ عطردان۔ قلمدان۔ صندوق وغیرہ تیار ہوتے تھے۔ اگرچہ ہنوز اس صنعت

کا وجود باقی ہے مگر میسور اور دوسرے مقامات کے کاریگروں کی وجہ سے بیحد تنزل ہو گیا ہے۔

اورنگ آباد حیدر آباد میں ہاتھی دانت کی اشیا مثل کنگھیاں۔ تلاشی ہاتھ میں رکھنے کی لکڑیاں۔ ہتیاروں کے قبضے۔ سامان آرائشی۔ بٹن وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔ اور پھر پچی کاری بھی ہوا کرتی ہے۔ اس صنعت میں بھی آجکل بمقابل دوسرے مقامات کے بہت کچھ انحطاط ہو گیا ہے۔

سینگھوں کی کنگھیاں۔ لکڑیوں کے دستے۔ ہتیار کے قبضے وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ اور اُن پر بھی پچی کاری کیجاتی ہے۔ یہ صنعت بھی کچھ اچھی حالت میں نہیں ہے۔

زمانہ گزشتہ میں پٹن اور دولت آباد کے بڑھئی بہت مشہور تھے مگر ان ملکوں کی شہری حیثیت زائل ہو جانے کے بعد وہاں کے اہل کمال بھی فنا ہو گئے۔

مکانات کے شہتیر دروازے بتوں وغیرہ بنانے میں پٹن ضلع اورنگ آباد کو خاص شہرہ تھا اُس زمانہ کے چند مکانات اب بھی وہاں کے اہل کمال کے کمال کی شہادت دیتے ہیں۔ پٹن کے ماسوا دکن کے تمام گزشتہ راجدھانیوں اور دارالحکومتوں میں ماہران فن موجود تھے جو مکانات اور محلسراؤں میں کاریگری دکھانے میں ہندوستان کے دوسرے حصص سے کم نہ تھے گزشتہ صدی کی شورشوں کی بدولت ممالک محروسہ کے دیگر صناعوں کی طرح یہ بھی فنا ہو گئے۔ مگر اب پھر آثار ترقی نظر آنے لگے ہیں حیدر آباد میں اچھے بڑھائی موجود ہیں جو انگلش طرز پر تعمیر مکانات کے لیے چوبی سامان تیار کرتے ہیں اور وہ نفاست و عمدگی میں مدراس و بمبئی وغیرہ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

اشیائے لاکھ۔ لاکھ کی چوڑیاں بکثرت کئی مقامات میں تیار ہوتی ہیں۔ حیدر آباد میں چوڑیوں پر متعدد وضع کا طلائی اور نقروی کام نہایت نفاست

اور پاگیرگی سے کیا جاتا ہے اور حسینوں کی کلائیوں کی زیب و زینت بڑھاتا ہے۔
پہلے ان کا بکثرت استعمال تھا۔ ایک صدی پیشتر ان چوڑیوں کی مانگ انگلستان
تک میں تھی حسینان فرنگ ان چوڑیوں کو نہایت ذوق و شوق سے استعمال
کرتی تھیں۔ مشہور فرم مسرس پالمر کے ذریعہ سے ہر سال ایک ایک لاکھ
روپئے تک کے جوڑے یوروپ کو فروخت ہونے کے لیے جاتے تھے
کچھ عرصہ سے یوروپ کی بلوری چوڑیوں کی چمک دمک نے اس حرفت
کو بے انتہا نقصان پہونچایا ہے اب یوروپ میں جانا تو درکنار خود حیدرآباد
میں اون کا استعمال متروک ہو چلا ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر جو انواع بلور کی بنی ہوئی
چوڑیوں میں کیڑے پیدا ہونے کے متعلق حیدرآباد میں مشہور ہوئی تھی اس
نے پھر ان جوڑوں کی قدر کو کسی قدر بڑھا دیا۔

اگرچہ یہ حرفت گئی گزری حالت میں ہے تاہم ابھی تک بہت سے
کاریگروں کا ذریعہ معاش ہے اور یہ جوڑے حیدرآباد کسی باہر پسند کئے جاتے
ہیں۔ یہ جوڑے مینا کار سادہ۔ زمردی۔ یاقوتی مروارید ی ہوتے ہیں ان کی
قیمت تیس روپیہ تک ہوتی ہے اور فرمائش پر اس سے زیادہ قیمتی بھی تیار
ہو سکتے ہیں

روغنی اور وارنش شدہ لاکھ کے خوان چھبے حیدرآباد میں اچھے تیار
ہوتے ہیں۔

فصل پنجم

چرمی اشیا

دباغت چرم۔ اکثر قصبوں میں ہوتی ہے مگر قابل تعریف کام بیڑ اور نارائن پیٹہ
کا ہے۔ سرخ اور سبز رنگ میں وہاں چمڑے رنگے جاتے ہیں۔ یہ چمڑے
جلد بندی اور دیسی وضع کی جوڑیوں کے بنانے میں کام آتے ہیں۔

چرمی سامان۔ چمار تقریباً ہر ایک گاؤں میں موجود ہیں جو موٹھ اور دوسری معمولی زراعتی ضرورتوں کے لیے چرمی اشیا تیار کرتے ہیں بڑے بڑے قصبوں میں ان چیزوں کے علاوہ جوتیاں۔ چپل وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔ بیئر میں چھاگلیں اور مشکیں عمدہ ہوتی ہیں۔ حیدرآباد۔ اورنگ آباد میں مشکیں زین۔ ہارنس۔ بگلوس۔ جوتیاں زنانی مردانی۔ رنگین سادہ زریں کام کی۔ اور ہر قسم کے بوٹس شوز سلیپر عمدہ سے عمدہ تیار ہوتے ہیں بعض بعض دکانوں میں جو سامان تیار ہوتا ہے وہ کانپور کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ نرمل و کھم میں مغلئی کھیپنے اور زیر مشق بہت خوبصورت تیار ہوتے ہیں رائچور نارائن پیٹہ۔ لنگسگور میں دیسی وضع کی زیر پائیاں اور انگریزی وضع کے سلیپر ازحد سبک اور بہت عمدہ تیار ہوتے ہیں۔ یوروپین بھی اس کو استعمال کرتے ہیں۔

فصل ششم

پارچہ

کپڑا۔ ایسی چیز ہے جس کی ضرورت ہر امیر و غریب کو مہد سے لیکر لحد تک ہوا کرتی ہے۔ مملکت دکن میں روئی بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ مویشی بھی لاکھوں سے زیادہ ہیں جن سے اون کثیر مقدار میں حاصل ہوتی ہے۔ ریشم اور تسر بھی پیدا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی قدیم زمانہ سے تمدن بھی موجود ہے ان سب وجوہ کی بدولت عرصہ قدیم سے ہر ایک چھوٹے بڑے گاؤں تک میں جولاہے موجود ہیں جو سوتی۔ اونی۔ ریشمی۔ سوتی واونی۔ سوتی وریشمی۔ اونی وریشمی۔ ریشمی وزریں پارچے مختلف وضع کے تیار کرتے ہیں اور ملک کے علاوہ باہر بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک صدی پیشتر تک قلمرو حیدرآباد کے بنے ہوئے پارچوں کی دھوم دور دور تک پھیلی ہوئی تھی سیاحان یوروپ

وغیرہ کے سفرنامے اُن کی تعریفوں میں رطب اللسان ہیں گزشتہ دور کی پارچہ بافی کی صنعت کا اندازہ اُن پرانے اسباب کے ذخیروں سے ہو سکتا ہے جو ابھی تک امرا کے محلسراؤں میں موجود ہیں

یوروپ کی ریشم کی فیاکٹریوں نے علی العموم مشرق کی پارچہ بافی کی صنعت کو تباہ کر دیا ہے اُس اثر سے دکن بھی مستثنیٰ نہیں رہا نہ رہ سکتا تھا۔ اُس کی بدولت ہزاروں لاکھوں جلاہے جو بہت دولتمند تھے جن کا کاروبار وسیع پیمانہ پر خوب چلتا تھا تاراج اور برباد ہو گئے اور فکر معیشت کے لیے زراعت وغیرہ میں اُن کو مصروف ہونا پڑا۔ لیکن ریاست حیدرآباد کی صنعت پارچہ بافی کو ایک اور نقصان بھی پہونچا وہ یہ کہ بہت سے جلاہے جو ایسے پارچے تیار کرتے تھے جن کے تیار کرنے میں کلوں سے کام لینے کی ضرورت نہیں نہیں ہے اور جن کا رواج ہندوستان میں ابھی تک باقی ہے۔ اورنگ آباد اور پٹن میں پشتہا پشت سے سکونت گزیں تھے احمدنگر ناسک شولاپور وغیرہ میں منتقل ہو گئے اس کے وجوہات سے آخری رپورٹ نظم و نسق سرکار عالی میں لاعلمی ظاہر کی گئی ہے مگر اُس کی وجہ صاف ہے یہاں کے جولاہوں کو اُن تمام خام اشیا پر جو برٹش انڈیا سے پارچہ بافی کے لیے لائے جاتے ہیں محصول گمرکی ادا کرنا پڑتا ہے بہرحال تیار ہو جانے کے بعد اُس کو ممالک محروسہ یا برٹش انڈیا میں روانہ کرنے کے لیے جداگانہ محصول ادا کرنا پڑتا ہے جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتے۔ نیز کچھ عرصہتک چاندی پر گراں تر محصول لگایا گیا تھا جسکی وجہ سے زریں پارچہ بافی کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔ اس کے برخلاف برٹش انڈیا میں دوسرے ٹکس براہ راست ادا کرنے نہیں پڑتے نیز گودا وری لائن کی جاری ہونے سے بہت عرصہ پیشتر اُن حصص میں ریلوے لائن جاری ہو گئی یہی وجوہات ہیں جن سے ملک کی صنعت کو نقصان پہونچا۔ علاوہ ازیں عام وجوہات تنزل جو پیشتر مذکور ہو چکے ہیں اس صنعت کے باعث زوال ہوئے

ممالک محروسہ میں جدید ایجاد شدہ کرگھوں سے کام لینے کے لیے ایک عرصہ تک کوئی کوشش ہوئی تو درکنار اُس کا علم تک نہیں تھا۔ اب کچھ عرصہ سے محابس سرکار عالی و انڈسٹریل اسکول اورنگ آباد کی بدولت کہیں کہیں ان کے رواج کا خیال پیدا ہوا ہے۔ حیدرآباد اورنگ آباد اور دوچار مقامات میں ایسی کارگاہیں نظر آتی ہیں جہاں ان نو ایجاد کرگھوں سے کام لیا جاتا ہے سو دیشی خیالات جو ہندوستان میں پیدا ہوگئے ہیں اُسکی وجہ سے کسی قدر مفید اثر صوبہ اورنگ آباد کی صنعت پارچہ بافی پر ہوا ہے اور اگر صحیح اصول پر کوشش کیجاتی تو اور زیادہ اثر ہوتا۔ اس قدر تمہید کے بعد جو کچھ مال ملک میں تیار ہوتا ہے اُس کی تفصیل درج ذیل کیجاتی ہے۔

سوتی پارچہ۔ ہر ایک بڑے گانوں میں قدیم زمانہ سے اونی قسم کے سوتی کپڑے مثل ہندوانی ساڑیاں۔ چولیاں۔ رنگین و سفید دھوتیاں کھادیاں تیار ہوتی ہیں۔ یہ سامان جہاں تیار ہوتا ہے وہیں گرد و نواح میں فروخت ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے قصبوں میں کام اچھا ہوتا ہے قابل ذکر مقامات کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

باریک سوتی کپڑا مثل ململ۔ رسیلے۔ دستار۔ ساڑیاں۔ پگڑیاں ناندیڑ میں بہت ہی عمدہ اور بہت ہی نفیس تیار ہوتے ہیں ناندیڑ کے باریک سوتی کپڑوں کے نام محمود خانی۔ سبز خانی۔ آغا بانی ڈوریہ وغیرہ بھی تھے ان کے تھان پیشتر (۵۰) سے (۱۰۰) تک فروخت ہوتے تھے۔ پٹن۔ جالنہ۔ ویجاپور۔ کریم نگر۔ ایلگندل۔ گدوال۔ امرچنتہ۔ محبوب نگر۔ عالم پور میں بھی ململ۔ پگڑیاں۔ ساڑیاں اچھے اور باریک تیار ہوتے ہیں۔ رومال پرمانی (ضلع ورنگل) اور ورنگل میں نہایت عمدہ اور بہت خوبصورت اور باریک تیار ہوتے ہیں یہی رومال تمام ہندوستان میں حیدرآبادی رومال کے نام سے مشہور ہیں۔ اور دور دور تک فروخت کے لیے جاتے ہیں۔ دو تین سال

پیشتر کسی انگریزی فرم کے ایجنٹ نے ورنگل میں ہر ایک وضع کے رومال خریدے تھے اُس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد نکاشائر سے اُسی نمونہ کے چھپے ہوئے رومال فروخت کے لیے حیدر آباد کے بازاروں میں موجود ہو گئے۔ یہ رومال اگرچہ ملکی مال کے مقابل نقل اور اصل کا فرق رکھتے ہیں اور پائدار بھی نہیں ہوتے ہیں لیکن ارزانی کی وجہ سے بڑی مقدار میں خرید ہونے لگے ہیں۔ اگر کچھ عرصہ تک اس کے مقابلہ کی جانب توجہ نہ کیجائیگی تو بہت کچھ نقصان اس حرفت کو بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ ان دونوں مقامات کے سوا ناندیڑ۔ پٹن۔ ویجاپور۔ جالنہ۔ عالم پور اور اضلاع ورنگل ونلگنڈہ میں بھی رومال اچھے تیار ہوتے ہیں۔ سوسیاں ورنگل کی بہت خوش وضع ہوتی ہیں۔ ناندیڑ۔ رائچور میں بھی تیار ہوتی ہیں۔ کھادیاں ورنگل میں اعلےٰ درجہ کی تیار ہوتی ہیں۔ آسام سلک اور ڈرل کا مقابلہ کرتی ہیں ویودرک ضلع رائچور میں رنگین کھادی مثل ٹویڈ اچھی تیار ہوتی ہے۔ چھپے ہوئے کپڑے مثل جاجم پردے۔ دسترخوان۔ رضائی غلاف قبور۔ جانماز خوان پوشش وغیرہ اورنگ آباد۔ ورنگل سنگاریڈی ہیٹہ۔ میدک۔ ویکلور۔ بھینسہ۔ عالم پور۔ یادگیر مکتل میں اچھے ہوتے ہیں۔ ثمین اول الذکر مقامات کا کام زیادہ مشہور ہے۔ چھینٹیں حیدر آباد اور گولکنڈہ میں قطب شاہی دور میں بہت عمدہ تیار ہوتی تھیں اور مچھلی بندر کی چھینٹ کا مقابلہ کرتی تھیں یوروپ کو بکثرت جاتی تھیں اب اس حرفت کا خاتمہ ہو گیا ہے حیدر آباد میں ساڑیاں اور شملے اچھے چھاپے جاتے ہیں۔ نواڑ کم بند حیدر آباد رائچور میں اچھے بنے جاتے ہیں۔ سوزنی بیدر عالم پور میں تیار ہوتی ہے شطرنجیاں۔ ناندیڑ۔ گلبرگہ۔ ورنگل۔ پرکال۔ نرمل۔ عالم پور میں تیار ہوتی ہیں۔ اور اچھی ہوتی ہیں۔ سوتی قالین ورنگل کھم پرکال گلبرگہ میں عمدہ تیار ہوتے ہیں۔ گدڑ (چٹائی) گری میں بھی پہلے تیار ہوتے تھے اب بہت کم تیار

کئے جاتے ہیں۔ ورنگل و گلبرگہ کے قالین بہت مشہور ہیں بیشتر بکثرت فروخت ہوتے تھے۔ اب رنگ خراب ہونے اور دوسرے مقامات کے مقابلہ کی وجہ سے مانگ کم ہوگئی ہے۔ جن اشیا کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے اُن سب کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ پرانے زمانہ کے تیار شدہ مال کا مقابلہ موجودہ زمانہ کا مال بجز چند خاص چیزوں کے نہیں کرسکتا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یوروپ کے ارزاں ترین مال کے مقابل یہاں بھی ارزانی کیلئے سوت ادنیٰ درجہ کا رکھا جانے لگا اور رنگ خراب دیا جانے لگا ہے۔

اونی پارچہ۔ کل قلمرو کے ہر ایک بڑے گاؤں میں کمبل بُنے جاتے ہیں جو غربا کا بہت بڑا ضروری لباس ہے اور جو دیہات میں ہر شخص کے پاس ہوتا ہے مویشیوں کے بکثرت ریوڑ ملک میں موجود ہیں اسلئے اُن کی اون بآسانی دستیاب ہوجاتی ہے اور اُس سے کمبل تیار کرکے غریب جولاہے قوت بسری کرتے ہیں۔ نلگنڈہ۔ بھراج پیٹہ۔ محبوب نگر۔ نارسنگی۔ بھونگیر۔ الوال۔ جنگاؤں۔ چیریال کے کمبل اچھے ان میں بھی خاصکر چیریال و بھونگیر کے کمبل نہایت اچھے ہوتے ہیں۔ خوگیر۔ نندیڑ۔ حیدرآباد۔ اورنگ آباد۔ بیڑ۔ نارائن پیٹہ میں اچھے تیار ہوتے ہیں لیکن ان کی مانگ قلیل الاستعمال ہوجانے کی وجہ سے زیادہ نہیں رہی ہے۔ اونی قالین اُن مقاموں میں جہاں سوتی قالین بنے جاتے ہیں تیار ہوتے ہیں اور سوتی قالین کی طرح عمدہ اور قابل تعریف ہوتے ہیں۔

جامہ وار کے تھان اورنگ آباد میں پہلے کثرت سے تیار ہوتے تھے اور گو وہ کشمیر کے مال کے مماثل نہ تھے تاہم زیادہ بھی نہ تھے اب کشمیری مال کے مقابلہ کی وجہ سے اس کا بنانا موقوف ہوگیا ہے البتہ فرمایش کیجائے تو تیار ہوسکتے ہیں۔

ریشمی و زرین پارچے۔ دکن کے ریشمی و زرین پارچوں کی شہرت

قدیم زمانہ سے دور دور تک پھیلی ہوئی تھی مگر جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے یوروپ و برٹش انڈیا کے مقابلہ کی وجہ سے اُن کی شہرت۔ نفاست۔ تجارت بہت ہی کم درجہ پر آگئی ہے۔ تاہم بہت سی چیزیں تیار ہوتی ہیں اور کوشش کی جائے تو کم از کم ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں سے ہر طرح مقابلہ کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔

ریشمی پارچوں کے کرگھے اکثر قصبوں میں موجود ہیں جن میں ممتاز و مشہور مقامات حیدرآباد کے علاوہ حسب ذیل ہیں۔

نام مقام	ضلع	نام مقام	ضلع
اورنگ آباد	اورنگ آباد	گدوال	راچور
پٹن	"	مدگل	"
جالنہ	"	عالم پور	"
ویجاپور	"	امرچنتہ	"
بیڑ	بیڑ	کیل	"
ناندیڑ	ناندیڑ	ورنگل	ورنگل
نلگنڈہ	نلگنڈہ	کمم	"
نارائن پیٹہ	محبوب نگر	ظفرگڑہ	"
محبوب نگر	"	گلبرگہ	گلبرگہ
ورونہا پیٹہ	ورنگل	سیڑم	"
چیتا پور	گلبرگہ	کریم نگر	کریم نگر
نلگور	رائچور	سنگارڈی پیٹہ	میدک
اندول	میدک	کلبگور	"
آرمور	"		

مقامات مذکورہ بالا میں اورنگ آباد پٹن۔ | میسرم | اطراف بلدہ

ناندیڑ۔ نلگنڈہ۔ نارائن پیٹہ۔ سنگارڈی پیٹہ۔ ورنگل۔ حیدرآباد وزیادہ نامور ہیں۔ یہاں کے کاریگر زمانہ حال کے فیشن کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔ ہر ایسے مقام پر جہاں ریشمی کپڑے تیار ہوتے ہیں علی العموم ہندوانی ساڑیاں لہنگی (چولیاں) دھوتیاں۔ پگڑیاں بنی جاتی ہیں۔ ان کے ماسوا خاص خاص مقامات پر دوسری چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں مثلاً ڈوپٹے۔ کمربند۔ اورنگ آباد پٹن ناندیڑ میں بنے جاتے ہیں۔ ریشمی چوخانہ دار پارچے یکرنگے۔ جو شیروانی۔ جیصوں۔ زنانی پائجاموں وغیرہ کے لیے موزوں ہیں سنگارڈی پیٹہ۔ نارائن پیٹہ۔ اندول۔ کلبگور۔ ورنگل۔ نلگنڈہ میں تیار ہوتے ہیں یہ یکرنگے اور چوخانے بہت مضبوط اور خوش وضع ہوتے ہیں اور ان کا استعمال بھی ترقی کر رہا ہے۔ سنگارڈی پیٹہ اور نارائن پیٹہ میں مغلا اور نکٹائیاں فرمائش پر تیار کی جاتی ہیں۔ چند سال سے حیدرآباد میں پارچہ جات ریشمی تیار کرنے کے لیے ایک مشترکہ سرمایہ کا کارخانہ قائم ہوا ہے جو ترقی کرتا جا رہا ہے اور اس میں نئی وضع کے کرگھوں سے بھی کام لیا جاتا ہے دوسرے مقامات میں جدید آلات کا رواج ابھی تک بوجہ ناواقفیت باشندگاں نہ ہو سکا ہے۔

ٹسر ملک کے شرقی و جنوبی حصص خاص کر ضلع ورنگل میں دستیاب ہوتا ہے۔ پرکال ضلع ورنگل میں اس کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا ہے مگر اس کو نکالنے کے لیے ابھی تک قدیم طریقوں کا ہی رواج ہے ٹسر کے تھان جس پرتی (ضلع ورنگل) میں بہت اچھے تیار ہوتے ہیں۔ گوکلوائی۔ نرسا پور (تعلقہ پرکال) میں ٹسر کے پٹکے۔ ساڑیاں۔ لہنگی۔ تھان دستی رومال بنائے جاتے ہیں جو بھاگلپور کا چینا سلک کا مقابلہ کرتے ہیں سرنا پور ضلع کریم نگر۔ کوسگی ضلع رائچور اور نارائن پیٹہ میں بھی ٹسر کے پارچے تیار ہوتے ہیں۔ گو ٹسر کے پارچے بہت سے مقامات پر تیار

ہوتے ہیں مگر بوجہ اس کے کہ اُن کی فروخت وغیرہ کا مناسب انتظام نہیں ہے بھاگلپور آسام وغیرہ کے لٹھے کے پارچے بمقدار کثیر حیدرآباد میں فروخت ہوتے ہیں۔

ریشمی قالین ۔ قلمرو آصفی کی یہ مشہور ترین حرفت ہے جو کئی صدیوں سے اپنی شہرت قائم کئے ہوئے ہے۔ دکن میں یہ ایجاد ایک سنی مسلمان کاریگر کے نام سے موسوم کیجاتی ہے جو ابتدائی مسلمان حملہ آوروں کے ہمراہ آیا تھا۔ یہ قالین ورنگل کھمم گلبرگہ میں تیار کئے جاتے ہیں۔ اول الذکر مقام کو اس میں خاص شہرت ہے ورنگل کے تیار شدہ قدیم قالین مختلف میوزیموں میں اور نیز روز سائے ہند کے پاس ابھی تک موجود ہیں اور وہ اس صنعت کا بہترین نمونہ خیال کئے جاتے ہیں ان میں سے تین جو ہز ہائنس مہاراجہ پٹیالہ کے پاس ہیں ان کی خاص طور پر شہرت ہے۔ ان سے اعلیٰ تر اور بنظیر وہ قالین تھے جو ۱۸۵۱ء کی نمائشگاہ لنڈن میں روانہ کئے گئے تھے اور اب وہیں سوتھ کنگسس میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں پٹیالہ اور سوتھ کنگٹن کے قالین نمائشگاہ دربار دہلی میں لائے گئے تھے اور اُن کا تذکرہ نمائشگاہ کی سرکاری رپورٹ میں کیا گیا ہے اور جس کا انتخاب اس مقام پر کیا جاتا ہے۔

مہاراجہ پٹیالہ کے قالینوں کی نسبت یہ لکھا گیا ہے کہ " نمائشگاہ میں ہز ہائنس مہاراجہ پٹیالہ کے تین اعلےٰ درجہ کے ورنگل کے تیار شدہ قالین بھی موجود تھے ورنگل کے اور کئی قالینوں کی طرح ان کی دلفریب ساخت میں بھی بہت سے رنگ برنگ کے مختلف دھاگوں کا میل دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت بھڑکیلے نظر آتے تھے "۔

نمائشگاہ کرٹیل پالیس کے قالینوں کی نسبت یہ لکھا ہے " ورنگل کے قالین جو ۱۸۵۱ء کی نمائش میں دکھلائے گئے تھے اُن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ایسی ہی حیرت انگیز و تعجب خیز صنعت کا ثبوت دیتے

تھے۔ سر جارج براڈرود لکھتے ہیں کہ ان قالینوں کی جن میں سے کئی ایک انڈین میوزیم میں موجود ہیں خاص خصوصیت یہ ہے کہ اُس کی ساخت میں فی مربع انچ ۱۳ ہزار دھاگے شریک ہیں اور سب کے سب رنگ کی لحاظ سے مکمل طور پر متناسب ہیں یہی قالین ایسے ہیں جن میں ریشم اسطرح کامیابی اور تناسب کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ مختلف رنگوں کی چمک دمک نہایت اعتدال اور تناسب کے ساتھ تقسیم کیگئی تھی اور بافت میں اتصال اور نزدیکی کا نہایت درجہ لحاظ کیا گیا تھا اور ان دونوں باتوں کا ریشمی ساخت کی چیزوں میں خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ان عجیب و غریب قالینوں میں سے دو اس نمائش میں وکٹوریہ اڈالبرٹ میوزیم سے آئے ہیں اور وہ یقیناً اُسی صورت میں موجود ہیں جس کا تذکرہ سر جارج برڈوڈ نے کیا ہے۔ مذکورہ بالا قالینوں کی قیمت فی مربع گز سو پونڈ تھی۔ نمائشگاہ دہلی میں سرکار عالی کیجانب سے بھی قالین روانہ کئے گئے تھے۔ مذکورہ بالا قالینوں کے ماسوا حیدرآباد میں بھی شاہی محلسرا اور امرا کے پاس قابل تعریف اور عمدہ قالین موجود ہیں معمولی طور پر ریشمی قالین کی قیمت (۱۰) سے (۱۵۰) تک فی مربع گز ہوتی ہے چند سال کے عرصہ سے ان قالینوں کی فروخت نہایت کثرت سے ہوا کرتی تھی اور یوروپ تک میں ان کی مانگ تھی مگر اب دوسرے ممالک کے مقابلہ میں ملکی کاریگروں کی مفلسی امرا میں سامان یوروپ کی خریداری کا شوق اس صنعت کی بربادی کا باعث ہو رہا ہے کاریگر پوڑیہ کے رنگوں کا استعمال کرنے لگے ہیں جس سے نفاست و پائداری کم ہوگئی ہے۔ علاوہ بریں محابس گلبرگہ و ورنگل کے مقابلہ میں قالین بافی کے بھی قدیم کاریگروں کو نقصان پہونچایا ہے اس کے متعلق آگے چلکر مزید بحث کیجائے گی۔ امرا و معززین ملک کو ٹاشہام و غیرہ کارخانوں

کے قالینوں کی چمک دمک نے اسقدر فریفتہ کرلیا ہے کہ وہ اپنے مخلصانہ
کی زینت ان ہی قالینوں میں سمجھتے ہیں یہ کوشش نہیں کرتے کہ ملک کی
صنعت کو ترقی دیں اور اپنے ملک و اہل ملک کو نفع پہونچائیں۔ ورنگل کے
قالینوں کے تنزل کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ نمائشگاہ دہلی میں کوئی
انعام اُن کو نہ مل سکا۔ حالانکہ صرف ۴۰ سال پیشتر وہ بہترین قسم کے سمجھے
جاتے تھے۔

حیدرآباد میں بھی ریشمی سامان تیار کرنے کے لیے مشترکہ سرمایہ سے جو کارخانہ
قائم ہوا ہے اُس نے ریشمی قالین بافی کو بھی ترقی دینے کی کوشش کی ہے۔
غالباً ورنگل و گلبرگہ۔ کھم کے ماسوا اور بھی مقامات تھے جہاں ریشمی
قالین بافی کے کارخانے موجود تھے اور اب نہیں رہے ہیں دولت آباد
میں بھی اس صنعت کے فروغ کا پتہ چلتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دولت آباد کا
تیار شدہ قالین جو ۱۶۳۴ء یا اس سے پیشتر لعہد حکومت شاہجہان بنایا گیا
تھا اب جیپور کے میوزیم میں موجود ہے اور باوجود قدامت اسکی نفاست
میں فرق نہیں آیا ہے۔

زردوزی پارچے۔ اورنگ آباد پٹن۔ نارائن پیٹہ۔ لنکسگوڑہ۔ ورنگل۔
گدوال میں تیار ہوتے ہیں۔ اورنگ آباد میں کمخواب۔ مشجر۔ تاش باولہ اور ایسی
اشیا جو اسلامی فیشن کی ہوں نہایت عمدہ بنائی جاتی ہیں پہلے لاکھوں روپیہ
کا مال ہر سال ملک میں فروخت ہونے کے علاوہ باہر بھی جاتا تھا۔ فیشن
کی تبدیلی اور بنارس کے مقابلہ سے زمانہ سابق کی رونق باقی نہیں رہی ہے
صرف بارہ کارخانے ایسے ہیں جہاں یہ اشیا تیار ہوتے ہیں اور اُن میں
بھی صرف یہی اشیا نہیں بنتے بلکہ ہمرو۔ مشروع۔ زیادہ کثرت سے تیار ہوا
کرتا ہے اور جو کچھ سامان تیار ہوتا ہے وہ زیادہ تر حیدرآباد میں روانہ کردیا جاتا
ہے۔ طاعون اور قحط کی وجہ سے بھی مصنوعات پر بڑا اثر پڑا ہے۔ پٹن میں کمخواب

اور ہندوانی فیشن کے اشیا مثل زرین ساڑیاں۔ لھن۔ دھوتیاں وغیرہ پیشتر نہایت کثرت سے تیار ہوتے تھے اور دور دور تک فروخت کے لیے جاتے تھے۔ پٹن کے زرین پارچوں کے متعلق یورپین افسروں نے بہت کچھ لکھا ہے ذیل میں انڈین آرٹ دلی مصنفہ سر جارج واٹ سے جو نمائش دربار دہلی کی سرکاری رپورٹ ہے کچھ انتخاب کیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ کیسے اعلےٰ ترین پارچے وہاں تیار ہوتے تھے۔

"پٹن جو اورنگ آباد کے نزدیک واقع ہے ایک خاص وضع کے سبز ابریشمی و زرین پارچوں کے لیے مشہور ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ یہاں کی معجز نما بافندگی صرف الفاظ کے ذریعہ سے سمجھائی جاسکے۔ یہ علی العموم گہرے یا ہلکے تاریخی رنگ کے ریشم سے بنے جاتے ہیں اور اُن پر زرین چوخانے یا تحریریں بنائی جاتی ہیں جن کے اندر مختلف قسم کے زرین نقش رہتے ہیں اکثر تو مشہور چالو کی قائم رہتی ہے جو اپنی چونچ میں زیتون کی شاخ لیے ہوئے رہتی ہے۔ ان ساڑیوں کے حاشیے اور پلو ریشم اور بکثرت زرین تار ملا کر جداگانہ بنے جاتے ہیں اور بعد ساڑی کے ساتھ ٹانک دیے جاتے ہیں مگر یہ مہین نہیں بنائے جاتے بلکہ دبیز زربفت کے ہوتے ہیں جسمیں زری کا کام کیا جاتا ہے۔ ان خوشنما حاشیوں اور پلوؤں کی خاص ندرت اُنکے چمکدار اور بھڑکیلے رنگ ہیں مثلاً سبز۔ فیروزہ۔ ہلکا نیلگوں۔ شوخ گلابی وغیرہ۔

ان کا متن زرتار اور چمکیلا تھا جس میں موج نما گوشہ وار تحریریں پڑی ہوئی تھیں۔ اور اُن کی ساخت اور وضع پٹہ وار تھی پٹے بہت کم چوڑے تھے ان پٹوں میں سبز رنگ ملوطوں اور زمرد فام طاؤسوں کی خوشنما صورتیں بنائی گئی تھیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک پرندہ اپنے پنکھوٹوں پر سے گردن اُٹھائے اپنے ساتھی کو دیکھ رہا ہے۔ انکی پلکوں کو دیکھنے سے جن کے حاشیے بھی اسی قسم کے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ

سنہری زمین پر گلدستے رکھے ہوئے ہیں جن میں سے ایرانی وضع کے مخروطی گل بوٹے سر باہر نکال رہے ہیں اور جن کو طاؤس کے جوڑے آزو بازو تھامے کھڑے ہیں۔

وہ اعلیٰ درجہ کا تناسب جوان بیٹر کدار اور خوش رنگ پھولوں کی ٹہنیوں میں پایا جاتا تھا اور جو ایرانی وضع کے مخروطی گل بوٹوں کو پیدا کرتا تھا اور باغ بہشت کے غنچوں کی بہار دکھلاتا تھا۔ اس لطیف اور دقیق اصول کی شرح کر رہا تھا جس کی بنا پر ان پارچہ جات کے مختلف الوان اور اقسام کی آرائشوں کا موزوں انتخاب کیا گیا تھا۔ ان کا تناسب اور انکی موزونیت بلا کی تھی۔ یہ گل بوٹے یکے بعد دیگرے سرخ اور نیلے کناروں کے بنائے گئے تھے۔ ان میں سے خاص خاص پھول سرخ تھے لیکن اُن کے گرد اگرد سفید رنگ دیا گیا تھا۔ بعض سفید تھے۔ لیکن ان کے کنارے سرخ تھے۔ بعض نیلگوں تھے۔ لیکن ان کے حواشی سفید تھے۔ بعض سفید تھے مگر نیلگوں حاشئے رکھتے تھے۔ یہ تمام پھول اور بیل بوٹی باشکل مختلف تھے۔ بایں ہمہ فطرت کی پوری تصویر اور صنعت انسانی کا کامل نمونہ تھے۔ طاؤسان طناز اپنے زمردیں پر و بال سے طوطیان سبزفام اور نیلگوں پھولوں کے ساتھ تناسب اور موزونیت میں مساوات کا دم بھر رہے تھے۔"

سر جارج برڈ وڈ نے اپنی کتاب (انڈین آرٹ حصہ ۲) میں پٹن کی ایک ریشمی خوشنما ساڑی کا خاکہ اُتارا ہے اور اگر ناظرین اُن بکثرت نمونوں کو جو نمائشگاہ میں پیش ہوئے ہیں نہ دیکھ سکیں تو وہ اس کتاب کا معائنہ کریں۔ سر جارج بروڈ نے جس ساڑی کا نقشہ اُتارا ہے وہ اب ہز مجسٹی دی کنگ (ڈورڈ مقیم متوفی) کے پاس موجود ہے آپ اُس کو اپنے ساتھ قابل یادگار سیاحت کے زمانہ میں ہندوستان سے لے گئے تھے۔

نمائشگاہ میں بہت سے خوبصورت نمونے پٹن کی ساڑیوں کے موجود ہیں۔ حصہ اشیائے مستعار میں ہز ہائینس مہاراجہ بڑودہ کی متعدد فرستادہ ساڑیاں رکھی ہوئی ہیں جو سب کی سب کم و بیش یہ تاریخی دلچسپی رکھتی ہیں کہ انکو مہارانیوں نے اپنی شادی کی تقریب میں پہنا تھا۔ حصہ اشیائے فروختنی میں ایک بہترین ساڑی نظر آئے گی۔ اس کا پتہ مسٹر پرسی براون پرنسپل اسکول آف آرٹ لاہور نے نمائشگاہ کے لیے اورنگ آباد میں اشیا نوادر فراہم کرتے ہوئے لگایا تھا اس کے مالک کے پاس ابتدا میں ایسی دو ساڑیاں تھیں جن میں سے ایک کو بوجہ اس کے کہ وہ کچھ خراب ہوگئی تھی اور مرمت نہیں ہو رہی تھی جلا کر اُس کا زر نکال لیا۔ دوسری نمائشگاہ میں پیش ہوئی اور اب اُس کو انڈسٹریل میوزیم کلکتہ نے خرید لیا ہے۔ اُس کو پیش کرنے والے نے اس کی جو تاریخ بیان کی ہے وہ حیرت انگیز اور دلچسپ ہے وہ لکھتا ہے کہ یہ مشہور ساڑی ۱۸۵۳ء میں مہاراجہ بھولا ناگپور کے لیے ۱۴ ماہ کے مصارف سے تیار کی گئی تھی۔ مگر اس عرصہ میں اُسکی سلطنت برٹش گورنمنٹ کے ساتھ ملحق ہو جانے کی وجہ سے راجہ کو خاندان میں پہونچ نہ سکی۔ اور بابا سیٹھ کے پاس ہی رکھی رہی جس کے اہتمام سے یہ ساڑی تیار ہوئی تھی۔ بابا سیٹھ کا جب دیوالہ نکل گیا تو یہ فروخت کیلئے اورنگ آباد میں آئی۔

پٹن کے کمخواب بھی نہایت اعلے درجہ کے اور قیمتی ہوتے تھے۔ ۱۶۰۳ء میں ایک ایرانی سفیر گولکنڈہ میں آیا تھا۔ واپسی کے وقت وہ پٹن کے ایک گراں قیمت کمخواب کو ساتھ لے گیا صرف اس کی قیمت سے تین سال تک کارخانہ چلتا رہا۔ پٹن گزشتہ زمانہ میں تجارتی راستہ تجارتی منڈی اور دکن کی راجدھانی تھا اسی لیے اُس کی صنعت بھی عروج پر تھی۔ اب تنزل کرتے کرتے ایک تعلقہ کا مستقر رہ گیا ہے اور وہ

بھی ریلوے لائن سے دور۔ اسی لیے دستکاری و حرفت کو بھی بے انتہا زوال ہو گیا ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے پٹن کے جولاہے کرڈوڑ گیری کے دوسرے محصولوں وغیرہ کی وجہ سے نارائک احمد نگر وغیرہ میں جا کر بس گئے ہیں۔ اور جو لوگ یہاں رہ گئے ہیں اُن میں سے بھی بہت سے چلے جاتے اگر عارضی طور پر محصول کرڈوڑ گیری برآمد پر سے اٹھا نہ دیا جاتا اور محصول چاندی کم نہ کر دیا جاتا۔ وہ معمولی اور ارزاں سامان تیار کرتے ہیں۔ قیمتی اور عمدہ مال بغیر پیشگی قیمت لئے تیار نہیں کر سکتے اور یہ امر یقینی ہے کہ اگر جلد ان جولاہوں کے رفاہ و فلاح کے متعلق سرکار کی توجہ مبذول نہ ہوئی تو کہیں رہی سہی صنعت و حرفت بھی بجائے ترقی کے تباہ نہ ہو جائے۔ ناندیڑ میں زریں مندیل۔ ساڑیاں دھوتیاں۔ پگڑیاں۔ کھن تیار ہوتے ہیں گزشتہ زمانہ میں یہاں کی حرفت بھی عروج پر تھی۔ اب وہ حالت باقی نہیں رہی ہے لیکن بوجہ اس کے کہ خاص طور پر ان کی امداد کے لیے سرکار سے کچھ کوشش کی گئی اور ریلوے لائن جاری ہو گئی ہے زیادہ تباہی نہیں ہوئی تاہم یہاں کی حرفت بھی خاص توجہ کے قابل ہے۔ نارائن پیٹھ میں بھی ہندوانی فیشن کا سامان تیار ہوتا ہے اور اچھا ہوتا ہے یہاں ساڑیاں پانچ سو روپیہ کی قیمت تک کی تیار ہوتی ہیں۔ حکام مقامی کی سفارش سے سرکار نے چند سال سے یہاں کا محصول کرڈوڑ گیری اشیاء برآمد پر سے اٹھا دیا ہے۔ اس سے بہت کچھ ترقی ہو رہی ہے باوجود ریلوے لائن کی عدم موجودگی کے یہاں کی حرفت باقی رہنے اور جولاہوں کے ترک وطن نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ضلع محبوب نگر کے متصل اضلاع برٹش انڈیا میں کوئی ایسا مقام نہیں ہے جس سے نارائن پیٹھ کے دستکاروں کو مقابلہ کرنا پڑے۔ باقی دوسرے مقامات میں بھی ہندوانی فیشن کا سامان تیار ہوتا ہے مگر وہ سب اورنگ آباد پٹن ناندیڑ نارائن پیٹھ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سوتی و ریشمی پارچہ۔ (مخلوط) ہمرو اورنگ آباد کا مشہور قیمتی کپڑا ہے۔ جو جامہ دار کی وضع کا ہوتا ہے۔ مختلف رنگوں کا ہوتا ہے۔ جن پر مختلف وضع کے بیل بوٹے ہوتے ہیں ۴ سے لیکر ۵ تک قیمت فی تھان ہوتی ہے آج کل اس صنعت میں خاص ترقی کے آثار نظر آرہے ہیں زیادہ قیمتی تھان بالکل جامہ وار کے مشابہ ہوتا ہے اور کسی قدر فاصلہ سے بدقت اُس میں اور جامہ وار میں تمیز ہوتی ہے۔ فروخت بھی مناسب مقدار میں ہوتا ہے۔ ہمرو یورپ احمد آباد۔ بنارس ٹرچناپلی میں بھی تیار ہوتا ہے مگر اورنگ آباد کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ہمرو بوجہ اس کے کہ زیادہ بھڑکیلا نہیں ہوتا زمانہ حال کے فیشن میں بھی قابل استعمال ہے نیز وہ یوروپیوں میں بھی مروج ہوسکتا ہے۔ سر جارج ورٹ نے نمائشگاہ دہلی کی رپورٹ میں ہمرو کے متعلق حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں۔

"ساخت اور پائداری کے لحاظ سے صرف چند ہی ہندوستانی پارچے ہمرو کی طرح یوروپین اشخاص کے استعمال میں آنے کے قابل ہوسکتے ہیں۔ کمخواب کی طرح یہ دیوار اور مسہری کے پردوں میں کثرت سے مروج ہوسکتا ہے۔ اعلیٰ ترین اقسام سے لیڈیوں کے لیے لباس اور جنٹلمینوں کے لئے ٹائیاں فینانسی ویسٹ کوٹ اور ڈریسنگ گون بن سکتے ہیں۔ ہمرو دہل بھی سکتا ہے نقصان صرف یہ ہوگا کہ زیرین حصہ کا ریشم خراب ہوجائے گا۔ نمائشگاہ میں آنے والے یہ تسلیم کریں گے کہ شاندار ہمرو جو اورنگ آباد سورت۔ ترچناپلی سے آئے ہیں ایسا سامان دکھلا رہے ہیں جس سے اُن لوگوں نے جو ہندوستانی مصنوعات کو یوروپ و امریکہ میں رواج دینا چاہتے ہیں بہت کچھ غفلت برتی ہے۔ افسوس ہے کہ سر جارج واٹ جیسے مبصر کے خیالات سے نفع اُٹھانے کی اب تک کوشش نہیں کی گئی ہے۔

مشروع الایچہ۔ اورنگ آباد میں تیار ہوتا ہے پہلے بہت کثرت سے

بنتا تھا اب بنارس سورت کے مقابلہ سے یہاں کی تجارت پر اثر پڑا ہے اب بھی مناسب مقدار میں تیار ہوتا ہے۔ اورنگ آباد کا مشروع بنارس کے مشروع کے مقابل زیادہ پائدار اور قیمتی ہوتا ہے ۵ سے ۸ تک تھان کی قیمت ہوتی ہے۔ حیدر آباد۔ پٹن۔ ویجاپور اور گدوال میں بھی پہلے تیار ہوتا تھا اور اب غالباً نہیں بنتا۔

ریشمی قور کی سوتی ساڑیاں ہندوانی وضع کی کھن۔ پگڑیاں نامذیڑ۔ نارائن پیٹ پٹن اور دوسرے اُن تمام مقامات میں جہاں ریشمی مال تیار ہوتا ہے کثرت سے بُنے جاتے ہیں۔

کارچوبی۔ جھوٹا اور سچا کارچوبی کام حیدر آباد اورنگ آباد میں مخمل اور بانات پر اعلیٰ درجہ کا ہوا کرتا ہے۔ چتر۔ مسند۔ تکیے۔ شامیانے۔ ہاتھیوں کی جھولیں گھوڑوں کے چارجامے۔ میانوں رتھوں کے پردے۔ جوتے۔ ٹوپیاں۔ وغیرہ جن پر کارچوبی کام ہوا کرتا ہے نہایت نفیس تیار ہوتے ہیں۔ گلبرگہ میں بھی اچھا کام ہوتا ہے۔ اورنگ آباد میں ۵ کارگاہیں جاری ہیں جن میں کارچوبی زردوزی وغیرہ کام ہوتا ہے اور ان کو ابھی تک وہی شہرت حاصل ہے جو پہلے تھی۔ فیشن بدل جانے کی وجہ سے اب ایسی چیزوں کا زیادہ رواج نہیں رہا ہے۔ ابھی تک قلمرو آصفی میں کارچوبی اشیا کو زمانہ حال کے فیشن کے موافق بنانے کے لیے بہت کم کوشش کی گئی ہے حالانکہ ہندوستان کے دوسرے مقامات میں ایسا سامان بکثرت تیار ہوتا ہے جو یورپینوں کے استعمال میں آتا ہے۔

زردوزی۔ حیدر آباد۔ اورنگ آباد۔ پٹن۔ نامذیڑ۔ نارائن پیٹ وغیرہ میں زردوزی کا کام نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ حیدر آباد میں یونیفارم وغیرہ پر جو عمدہ کام ہوتا ہے اُس کی تعریف رایٹ آنریبل لارڈ کرزن نے بھی کی ہے۔ باقی مقامات کا کام بھی عمدہ ہوتا ہے۔

سوزن کاری۔ کشیدہ۔ چکن۔ کارگہ کا کام اور دوسری سوزن کاری کے ہر قسم کے کام مخمل جالی۔ ململ وغیرہ پر حیدر آباد اورنگ آباد میں ہوا کرتے ہیں۔ ان کو زیادہ تر عورتیں تیار کرتی ہیں خصوصاً کشیدہ تو نہایت کثرت سے نکالا جاتا ہے۔ شرفا کی معزز خواتین بھی شوقیہ ان کاموں کو کیا کرتی ہیں زنانہ مدارس کی بدولت یورپین فیشن کی اشیا اور پارسی وضع کی ساڑیوں کوروں کو شرفا کی بیگمات وغیرہ کثرت سے تیار کرنے لگی ہیں اور روز بروز ترقی ہو رہی ہے۔ باغ عام کی نمایش میں ہندو مسلمان پارسی انگریز مستورات کی بنائی ہوئی اشیا نہایت کثرت سے آئی تھیں حیدر آباد کو ماسوا اورنگ آباد اور بڑے بڑے قصبات میں بھی مختلف اشیا تیار ہوا کرتی ہیں۔

مصالحہ۔ مثل چکلہ۔ گوٹہ۔ کناری۔ گوکھرو۔ مقیش۔ لیس۔ زریں قور نقرئی وطلائی تار۔ کلابتوں۔ سلمہ۔ ستارے وغیرہ اورنگ آباد حیدر آباد ناندیڑ میں تیار ہوتے ہیں۔ اورنگ آباد کا کام اعلےٰ درجہ کا ہوتا ہے پائداری میں بنارس سے بڑھکر ہوتا ہے مگر برٹش انڈیا کے شہروں کے صحیح اصول پر مقابلہ کیوجہ سے بیشتر کی حالت نہیں رہی ہے۔ خالص ورق طلا و نقرہ بھی حیدر آباد میں تیار ہوا کرتا ہے۔ مگر بیرونی غش آمیز ورق جو ارزاں قیمت کا ہوتا ہے زیادہ فروخت ہوتا ہے۔

فصل ہفتم

فنون نفیسہ

بت تراشی۔ پتھر اور مٹی کے بت اور مجسمے بنانے اور اُن پر رنگ و روغن کرنے میں دکن کو بیشتر خاص شہرت حاصل تھی۔ اُس زمانہ کے کمال کی شہادت ایلورا اجنٹا وغیرہ کے غار عالم پور نارائن پور (ضلع بیدر) وغیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر ۱۰ صحیفہ جلد ۵

ایڈیٹوریل

سالنامہ بابت ۱۳۱۲ف

حیدرآباد سے اس وقت تک جتنی ڈائریاں شائع ہوتی ہیں۔ وہ سوائے وکلائے عدالت کے دیگر طبقات رعایا مثلاً ملازمین مدرسین، مزارعین، تجار اور عام کاروباری اشخاص کے لئے چنداں مفید نہیں ہوتیں۔ بعض ڈائریاں تو برائے نام کچھ ہدایتیں درج کردیتی ہیں اور باقی صفحے تاریخ وروز لکھکر سادے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں انگریزی ڈائریاں جو مختلف شہروں میں چھاپی جاتی ہیں وہ ایسی جامع اور مکمل ہوتی ہیں کہ تمام پیشہ وروں اور کاروباری آدمیوں کو یکساں مفید آگاہی بخش ثابت ہوتی ہیں، اور ہر ہر گھر کو اس کا کم از کم ایک ایک نسخہ رکھنا لازمی ہوجاتا ہے۔

اس قابل توجہ کمی پر نظر کرتے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ۱۳۱۲ف کا سالنامہ خاص اہتمام اور ایسی جامعیت کے ساتھ شائع کیا جائے کہ تمام طبقات رعایا کو علی السویہ کارآمد نفع بخش ہو۔ اس پر لطف یہ کہ عام ڈائریوں سے قیمت میں کم بھی رہے۔

مغز ناظرین صحیفہ کی آگاہی کیلئے اس سالنامہ کے مضامین کی فہرست درج ذیل کیجاتی ہے:-

باب اول:- خاندان شاہی۔ امرائے عظام وخطاب یافتگان موجود الوقت

عہدہ داران سرکاری۔ عہدہ داران ریذیڈنسی۔

باب دوم۔ ضلع بندی وقصبات۔ عدالت مع امتحانات جوڈیشل کا دلت وغیرہ

ممہور[3] و رجسٹری[4]۔ کوتوالی[5]۔ کورٹ آف وارڈز[6]۔ پیمع[7] قواعد و مقامات[8]۔ ریل[9] و مسافر بنگلے[10]۔ صفائی[11]۔ کرڈر گیری[12] و امتحانات[13] محصولات مقامی[14]۔ جنگلات[15] مع امتحانات آبکاری[16]۔ فینانس[17] و محاسبی مع امتحانات تعلیمات[18] مع امتحانات۔ طبابت[19]۔

باب سوم:۔ فوج۔

باب چہارم:۔ مناظر[20] قدرت و مقامات دلچسپ۔ مردم[21] شماری مع تاریخ اقوام اخبارات و انجمنین تجار و معززین۔

اتنے مواد کو فراہم کرکے درج سالنامہ کرنے سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کتنا ضخیم نہ ہوجائیگا۔ ہمارے خیال میں اگر اُس کے ۸۰ صفحے ہی ہوں تو بھی غنیمت ہے یا انہیں غیر مجلد سالنامہ کی پیشگی قیمت صرف ۸ رکھی گئی ہے جو آخر مہر ۱۳۱۹ف تک دفتر صحیفہ میں وصول ہوجانی چاہیے۔ اسکے بعد عدم لیا جائیگا۔

ناظرین صحیفہ کے ساتھ یہ رعایت ہے کہ اُن سے ہر حالت میں (خواہ وہ پیشگی دیں یا مابعد) ۸ ہی رہی لئے جائیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ۱۰ مہر ۱۳۱۹ف تک دفتر صحیفہ کو اپنی خریداری کی اطلاع دیدیں تاکہ زائد نسخے پھر اسے جاسکیں۔ ورنہ اُن سے بھی پوری قیمت لیجائیگی۔

ناظرین صحیفہ اپنی قیمت ۱۳۱۸ف کے چندہ صحیفہ کے ہمراہ روانہ کرسکتے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اس انوکھے اور کارآمد نیز ارزاں سالنامہ کی قدر کرنے میں ناظرین صحیفہ خود تو کسی طرح پیچھے نہ رہینگے۔ لیکن اس کے ساتھ اپنے دوسرے احباب کو بھی اس کی خریداری پر توجہ دلائینگے۔ جس سے دفتر کی محنت ٹھکانے لگے گی۔ اور اس قسم کے مفید کام کرنے کا اُس کو زیادہ حوصلہ پیدا ہوگا۔

تعلیم جبری | کی نسبت مولوی غلام محمد صاحب ادل تعلقدار ضلع عثمان آباد کے خیالات اس نمبر میں ختم ہوچکے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے خاتمۂ مضمون میں دو اچھی باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ امراء اعیان سلطنت کو چاہیئے کہ اپنے اسٹیٹوں اور جاگیر دکا انتظام بذات خود کریں۔ اور اپنے معتمدین اور کارپردازوں پر ہی بالکلیہ نہ چھوڑ بیٹھیں۔

اس سے کئی فائدے ہیں اول جاگیروں کے محاصل میں فزونی ہوگی۔ معتمدین و کارپرداز گو متدین سہی پھر بھی وہ اس تندہی و جانفشانی سے انتظام نہیں کر سکتے جیسا کہ کوئی لائق جاگیردار خود کر سکتا ہے۔ دوم یہ کہ رعایا پر بیجا ظلم و زیادتی نہ ہونے پائیگی۔ اور وہ براہ راست اپنے آقا سے عرض معروض کر سکے گی۔ سوم یہ کہ بیکاری کی وجہ سے جو بُری بیماریاں ایک بیفکر و فارغ البال انسان کو لاحق ہو جاتی ہیں اُن سے ہمیشہ کے لئے پناہ ملیگی۔ چہارم یہ کہ قابلیت و روشن خیالی جو ہر انسان کا بہترین وصف ہے۔ پیدا ہوتی جائیگی۔

اگر ہمارے امرا و جاگیردار اس پر کان دھریں تو زہے نصیب۔

دوسری بات جو مولوی صاحب موصوف نے بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ ملکی و غیر ملکی کے جھگڑے میں پھنسکر جو لوگ عناد و تعصب میں بھر جاتے ہیں وہ در اصل غلطی پر ہیں۔ ملکیوں کو چاہئے کہ اپنے آپ کو لیاقت و علمیت سے سنواریں۔ اور اس قابل ہوں کہ اپنے کاروبار ملک کو بلا اعانت غیرے خود انجام دے سکیں۔ خواہ مخواہ اپنے پردیسی مہمانوں سے جو کل مومن اخوۃ کر ہمہ گیر بے نظیر نطاق سے میاں بستہ ہیں اور جو ہمارے ملک میں اُس ذمہ داری کی بنا پر آتے ہیں جو اُن کے نزدیک گونگو دعوت دینے سے ہمیشہ کے لئے ہم پر عاید ہو چکی ہے۔ اور جو بھلی بری جیسی کچھ ہو ہماری خدمت انجام دیتے ہیں۔ لڑنے جھگڑنے یا بغض و عناد رکھنے یا ایک دوسرے کو برا کہنے میں کیا فائدہ ہے۔ جس وقت ہم عقل و ہوش سنبھالکے اپنی چیزوں کی حفاظت خود کر سکیں گے اُس وقت کسی غیر کا احسان لینے کی ہم کو ضرورت نہ باقی رہیگی۔ پس اس ناگوار جھگڑے کی تہ میں خود ہمارا قصور چھپا ہوا ہے۔ جب تک ہم اُس کو دور نہ کرینگے۔ یہ جھگڑا طے نہ ہوگا۔

ریویو نگاری | عوام اور جہلا اگر اپنے خیالات کے خلاف کچھ نہ سن سکیں۔ یا اپنی غلطیوں پر متنبہ نہ ہوں۔ یا غلطی بتانے والے کو بری نگاہ سے دیکھیں تو وہ حق بجانب بھی ہیں۔ کہ جہالت کا یہی خاصہ ہے۔ لیکن وہ لوگ جو تعلیم یافتہ اور روشن خیال کہلاتے ہیں اگر اسی سنت جاہلاں پر اتر آئیں تو اُنکی پختگی میں کس کو

شبہہ ہو سکتا ہے۔

ہمارے ملک میں دو قسم کے مصنف و مولف ہیں۔ ایک وہ جو ذاتی قابلیت رکھتے ہیں اور اپنے چشمہ فیض سے دوسروں کو سیراب کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جنکی شان میں کہا گیا ہے کہ ؎ اے طبل بلند بانگ از باطن ہیچ۔

ان لوگوں کو کام کا ذوق نہیں صرف نام کا شوق ہے۔ اور چونکہ گھر سے بیفکر و آسودہ ہیں اسلئے چند ایسے اشخاص کو اپنا مطیع و مہربان بنا لیتے ہیں جو گو سازو برگ معیشت کے لحاظ سے مفلس ہی لیکن دولت علم سے مالا مال اور صاحب کمال ہوتے ہیں انکی سرمغزیوں اور دماغ کاویوں کو یہ لوگ کوڑیوں کے مول خرید لیتے ہیں۔ اور پبلک میں اپنے نام سے شائع کر دیتے ہیں۔ اس پر چاروں طرف سے تحسین و آفرین کے پھول برسنے لگتے ہیں۔

ان لوگوں کے نام سے جو تصنیف و تالیف شائع ہوتی ہے۔ اس پر اگر کسی ذی علم ناقدانہ نظر ڈالی تو اُن کو آپے سے باہر ہوتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ناقد کا نام ظاہر نہ ہوا تو خوب جی کھول کے بے نقط سنائی جاتی ہے۔ اور نام لکھا رہا تو پنچ چھاڑ کے اُس کے سر ہو جاتے اور جہاں کہیں موقع پاتے ہیں اُس کو الٹی سیدھی سناتے لگتے ہیں۔

ہم نے ابتدا میں ریویو نگاری کی خدمت اپنے ذمہ رکھی تھی لیکن جب لوگوں کو اپنے قلم کی راست بیانی کا شاکی پایا تو یہ کام بعض اور دوستوں کے حوالہ کر دیا۔ اب یار لوگ اُن کے بھی پیچھے پڑنے لگے۔ چنانچہ حال ہی میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک بڑے مشہور مولف اپنی کتاب کی محققانہ و علمانہ ریویو دیکھکے چراغ پا ہو گئے۔ اور ریویو نگار کی تاک میں لگ گئے۔ اتفاقاً ایک مجلس میں ملاقات ہو گئی تو اپنی دلی رنجش کا اظہار کیا اور قدیم و جدید تعلقات اور خاندانی مراسم کو درمیان میں لانے لگے مگر افسوس ہے کہ انھیں سخت سے سخت ترش رو بننا پڑا۔ اور گو وہ اپنی غلطیوں کو معترف نہوں لیکن تمام مجلس اُنکی ہٹ دھرمی کی قائل ہو گئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق گوئی و حق شنوئی کے اوصاف ہم میں باقی نہیں رہے ہیں اب ریویو نگاری کو پھر ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اُن صاحبوں سے جو حق شنوئی کے عادی نہیں ہیں التماس ہے کہ اگر وہ آئندہ کو اپنی تصانیف بھیجنے کی زحمت اُٹھایا ہی نکریں تو مناسب ہے

ایڈیٹر

عماد السلطنت
اور
سلطان عبدالحمید خاں

نواب میر لایق علی خاں بہادر عماد السلطنت سر سالار جنگ ثانی جس طرح طبقۂ امرا و رعایائے دکن میں اپنی خداداد قابلیتوں کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہیں اُسی طرح اپنے سفر یورپ میں بین الاماثل ممتاز رہے ہیں دکن کا کوئی شخص بھی ایسا نہیں گزرا جس نے نواب صاحب ممدوح کی طرح اپنا سفرنامہ مرتب کرکے سیاحان یورپ کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرایا ہو۔

اس لئے ہم یہاں مناسب خیال کرتے ہیں کہ ناظرین صحیفہ کے لئے عموماً اور اہل دکن کے لئے خصوصاً آپ کے سفرنامہ یورپ سے اس حصہ کا اقتباس کریں جو دار السعادت قسطنطنیہ میں اعلحضرت سلطان عبدالحمید خان ثانی کی ملاقات سے متعلق ہے۔

روز جمعہ سوم شہر شوال ۱۳۰۴ھ

صبح جب میں خواب سے اُٹھا لارڈ ڈنمارک نائب سفیر دولت انگلشیہ کا ایک رقعہ مجھے ملا جس میں صاحب ممدوح نے لکھا تھا کہ اعلحضرت سلطان المعظم نے اپنی ملاقات کے لئے محل سلاملق میں ظہر کے بعد کا وقت مقرر فرمایا ہے میں اس وقت مقام معینہ پر حاضر رہوں۔ ظہر کے قریب سر الفرڈ سانڈرس نائب ادل سفیر دولت انگلستان و ترجمان میرے پاس آئے۔ میں اور یہ ایسے وقت میں محل سلاملق کے قریب پہونچے جب کہ سلطان المعظم کی سواری نماز جمعہ کے لئے جامع حمیدیہ کو جا رہی تھی جو آپ کے حکم سے تین سال قبل تعمیر

کی گئی ہے اور جہاں ہر ہفتہ بلاناغہ نماز جمعہ کے لئے آپ تشریف لاتے ہیں میں بھی ایک بالاخانہ پر جو مسجد کے بالکل محاذی تھا تماشہ دیکھنے کو ٹھہر گیا۔

ایسے موقع پر جبکہ سلطان نماز جمعہ وعیدین کے لئے جامع حمیدیہ کو تشریف لاتے ہیں اُن راستوں پر جن پر سے آپکی سواری گزرتی ہے دو طرفہ صف بستہ مسلح سوار اور پیادہ فوج کھڑی رہتی ہے اور تمام افسران بری و بحری اپنے اپنے لوازم سازو یراق کے ساتھ زرق برق وردیاں پہنے سینوں پر اپنے اعزاز ومناصب کے لحاظ سے مختلف قسم کے تمغے لگائے ہوئے ہمراہ رکاب ہمایونی رہتے ہیں۔

سلطان دو اسپہ بگی میں جاہ وحشم کے ساتھ مسجد کے دروازے پر پہونچے تو گارڈ آف آنر نے بیانڈ سے سلامی دی اور تمام فوج نے تین بار خوشی کے نعرے لگائے جب بیانڈ نے سلامی دی اور فوج نعرہائے مسرت بلند کر چکی تو سلطان بگی سے اُتر کر مسجد کے دروازہ میں داخل ہوئے سلطان کے ساتھ اکثر اعلےٰ عہدہ دار بھی نماز کے لئے مسجد میں داخل ہو گئے لیکن اکثر افسران فوج نظام جن کے پاس نشان وعلم تھے مسجد کے باہر نہایت نظم وترتیب کے ساتھ ٹھہر گئے باوجود فوج کی اس کثرت کے انتظام ایسا معقول تھا کہ چوطرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

نماز ختم ہونے کے بعد سلطان اُس برآمدہ میں تشریف لائے جہاں سے ہمیشہ فوج کا ملاحظہ فرمایا کرتے ہیں۔ بحکم سلطانی فوج نہایت نظم وترتیب کے ساتھ اپنے میٹھے اور دستانہ سروں میں خوشی کے نغمے گاتی ہوئی موج دریا کیطرح بڑھنا شروع ہوئی۔ یہ منظر نہایت دلچسپ اور قابل دید تھا۔ فوج نہایت آراستہ وپیراستہ تھی ہر رسالہ اور پلٹن کا ڈریس ایک دوسرے سے جدا تھا۔ ترکی فوج نہایت خوش لباس تھی۔ رسالہ نظام کا ڈریس روسی رسالہ کا سک سے ملتا جلتا تھا ہر بٹری کے گھوڑے بالکل ایک ہی رنگ اور ایک ہی

ناپ کے تھے۔

تمام فوج گزر جانے کے بعد سلطان دو اسپہ گاڑی میں سوار جس کو خود ہانک رہے تھے دارالامارۃ سلاملق کی جانب روانہ ہوئے۔ اس کے تین چار ہی منٹ کے بعد نائب ایڈیکانگ نے بارگاہ سلطانی کی طرف سے آکر ہمیں چلنے کے لئے کہا۔ میں اسمعیل خاں اور سیاقت علی خاں کو ساتھ لیکر چلا اور ایوان سلاملق کے زینوں تک پہونچا تھا کہ خواجہ باشی جو ایک سیاہ فام معمر شخص ہے میرے پاس آیا اور مجھ سے ملکر سلطان کے پاس واپس گیا اور عرض کیا کہ فلاں حاضر ہے۔ جب میں ایوان میں داخل ہوا منیر پاشا شیر الملک ایڈیکانگ نے میرا استقبال کیا اور ایک مقام مقررہ پر چند منٹ توقف کرنے کے بعد سلطان کے حضور میں پہونچے۔

جس وقت ہم نے شرف باریابی حاصل کیا سلطان کھڑے ہوئے تھے جسم میں سیاہ اور سادہ لباس تھا۔ شمشیر زیب کمر اور پالتوی* زیب تن تھا پھر ہم بیٹھ گئے سلطان نے خاص اپنے دست مبارک سے مجھے سگریٹ مرحمت فرمایا ایک گھنٹہ تک مختلف قسم کی گفتگو رہی اثنائے تقریر میں میں نے عرض کیا کہ آج کل یہاں کی تعلیمی حالت روبہ ترقی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ بعض مدارس کی سیر کروں سلطان نے نہایت خوشی اور خندہ پیشانی کے ساتھ اجازت مرحمت فرمائی اور ساتھ ہی مدارس وعمارات دامکن متبرکہ دکھلانے کے لئے اسمعیل حقی پاشا نائب ایڈیکانگ کو ضروری ہدایات دی کے میرے پاس متعین فرمایا اثنائے ملاقات میں بکمال مہربانی والطاف شاہانہ جب یہ ارشاد فرمایا کہ دوبارہ پھر مجھ سے ملیں تو میں نے عرض کیا کہ جسوقت میری حاضری کے لئے حکم اقدس سلطانی صادر ہو میں بدل وجان حاضر ہو سکتا ہوں بعد رخصت میں محل کی میر کیطرف متوجہ ہوا محل کے تمام کمرے

* ایک قسم کا ترکی کوٹ ہے۔

نفیس فرنیچر سے آراستہ و پیراستہ تھے تمام فرش اعلےٰ درجہ کے قالین کا تھا جس پر جا بجا قرینہ سے میز کرسی اور ہر قسم کا فرنیچر بلحاظ موزونیت رکھا ہوا تھا کل ستون اور فرش۔ اور سیڑھیاں و گلدان وغیرہ مرمر کے تھے چھت اور دیواروں میں جا بجا بیش قیمت جھاڑ فانوس دیوار گیریاں آویزاں تھیں جب میں وہاں سے چلا تو اسیسل حقی پاشا میرے ساتھ ہو گئے چونکہ آج میں کہیں جانا نہیں چاہتا تھا اس لئے اُن سے کہدیا کہ آپ کل تشریف لائیں۔ وہاں سے چل کر میں نے چارپی اور اپنے مقام پر پہونچکر تبدیل لباس کی اس لئے کہ آج شام مجھے سر ولیم ڈیٹ سفیر اعظم دولت انگلستان کے ہاں جلسۂ بال کی دعوت تھی جو ملکہ معظمہ کی پنجاہ سالہ جوبلی کی تقریب میں منعقد ہوا تھا۔ رات کو میں اپنے تمام ہمراہیوں کو لیکے دعوت میں گیا سفارت خانہ نہایت خوش اسلوبی سے سجایا گیا تھا در و دیوار پر قندیلوں کی روشنی کی گئی تھی۔ سامنے کی پہاڑی پر جو سفارت خانہ کے بالکل روبرو تھی رنگ برنگ کی آتشبازی چھوڑی جا رہی تھی۔ تقریباً چھ سات سو زن و مرد جن میں مسلمان عیسائی ترکی عجمی دیسی پردیسی سب ہی شامل تھے اعلےٰ درجہ کے نفیس لباسوں میں مختلف قسم کے تمغے زیب صدر کئے ہوئے جلسہ کی رونق بڑھا رہے تھے ہر شخص جو مسرت اور فرط خوشی سے خندہ کنان و کف زنان رقص و سرود میں مشغول اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے عیش و طرب میں مصروف تھا سب کے سب آپس میں ایک دوسرے کو اس تقریب کی مبارکباد دیتے تھے غرض یہ جلسہ نہایت شاندار و پر تکلف تھا رات کے بارہ بجے سب جہان میز پر بلائے گئے میز انواع و اقسام کی شرابوں کبابوں مختلف مربوں حلووں لطیف لطیف غذاؤں ہر قسم کے میوہ سے آراستہ کی گئی تھی جہاں ایک گھنٹہ تک خورد و نوش میں مشغول رہکر یکے بعد دیگرے اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوئے اور میں بھی اپنے مکان کو واپس آکر سو رہا فقط

سید محمود مہدوی مہتمم سلطانیہ
ریڈنگ روم نچلگوڑہ۔ حیدرآباد

عارف الدین خاں رونق

مولوی محمد مرتضیٰ صاحب نے صحیفہ کے گزشتہ نمبروں میں مولوی محمد باقر آگاہ اور قاضی بدر الدولہ مرحوم کے تذکرے لکھکر مشاہیر دکن کا جو عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔ اس کے لحاظ سے مناسب ہو کہ اس سلسلہ کو اور ماہیر وزکا بھی وقتاً فوقتاً تذکرہ کیا جائے۔

چونکہ عارف الدین خاں رونق اور اُنکے فرزند مولوی مہدی واصف کے حالات سے مجھکو بوجہ اُس نسبی تعلق کے جو مجھے اُن کے ساتھ ہے واقف ہونے کا خاص موقعہ ملا ہے اور موخر الذکر کی تصنیفات اکثر و بیشتر میرے پاس موجود ہیں اس لئے میں نے مشاہیر دکن کے سلسلہ میں ان دو ناموں کا انتخاب کیا ہے۔

رونق کے تذکرہ میں سوائے شاعری کے کوئی اور مہتم بالشان کارنامہ نظر نہیں آتا مگر چونکہ وہ ایک باکمال شاعر تھے۔ فن شاعری میں مسلم الثبوت استاد مانے جاتے تھے۔ عالی مدار اس کی طرف سے "انھیں ملک الشعرا" کا خطاب ملا تھا اور نیز ان کے تذکرہ سے دکن کی شاعری پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے اسلئے امید ہے کہ اُنکے متعلق کم و بیش جو کچھ لکھا جائیگا ناظرین اس کو دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

علاوہ بریں ان کے فرزند مولوی محمد مہدی واصف کا تذکرہ جو دکن کے ایک نامور مصنف گزرے ہیں ساتھ ہی ساتھ لکھا جاتا ہے اس لحاظ سے بھی انکا تذکرہ مناسب ہے

خاندانی حال غلام محی الدین المخاطب بہ عارف الدین خاں متخلص بہ رونق کے والد حافظ محمد معروف برہان پور کے باشندے تھے نواب والاجاہ کے

مدراس کے عہد میں وارد ہوئے تھے۔ انھیں سے نواب ممدوح نے قران مجید کی تعلیم پائی اور تجوید سیکھی تھی۔ رونق نے ایک سجع میں اپنے والد اور دادا کے نام کے ساتھ اپنا نام اس طرح نظم کیا ہے۔ ع

مُعروف زعارف ست و شد زاں عارف

مولوی مہدی واصف معدن الجواہر میں لکھتے ہیں کہ حافظ محمد معروف سے لیکر برابر سات آٹھ پشت تک اس خاندان میں حفاظ و زہاد کا سلسلہ چلا گیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ سوائے میرے چچا (رونق کے چھوٹے بھائی) معین الدین المخاطب بہ زور آور علیخاں کے حفظ قران کی دولت سے اس وقت ہمارے خاندان میں کوئی بہرہ ور نہیں ہے۔ زور آور علی خاں فن سپہ گری اور شہ زوری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اُن کی شہ زوری کی حکایتیں سننے سے حیرت ہوتی ہے۔ اور غالباً وہ اس زمانہ میں مشکل سے باور کی جائیں گی۔ والی مدراس نے ان کی شہ زوری اور سپاہیانہ اوصاف کی وجہ سے انھیں یہ خطاب دیا تھا۔

تعلیم عارف الدین خاں رونق کی پیدائش ۱۲۹۳ھ ہجری میں ہوئی۔ بچپن میں مولوی محمد اسمٰعیل اور مولوی حاجی محمد مقیم صاحب سے درسیہ کتابیں قطبی تک نکالی تھیں اور فارسی کی متداولہ کتابیں غلام محی الدین معجز سے پڑھی تھیں جو اس زمانہ میں فارسی کے بہت بڑے محقق مانے جاتے تھے۔

شعر شاعری کے چرچے یہ وہ زمانہ تھا کہ مدراس شعرائے نازک خیال اور علما و فضلا اور اہل کمال کا مجمع بنا ہوا تھا۔ اخلاط اربعہ کی طرح شعر و شاعری بھی ایک ضروری خلط سمجھی جاتی تھی۔ پڑھے لکھوں میں بہت کم ایسے تھے جو ذوق شعر سے عاری ہوں۔ امیر سے لیکر غریب تک شعر کہتے تھے یا کم از کم اس کو تفریح طبع کا ایک عمدہ مشغلہ سمجھکر اس میں دلچسپی لیتے تھے۔ امرا خاص اپنے اہتمام سے مشاعرے کی مجلسیں منعقد کراتے تھے اور بشوق و رغبت اس میں شریک ہوتے تھے۔ تذکرہ گلزار اعظم ان شعرا و فضلا کا

ایک عمدہ مرقع ہے جس میں ان بزرگوں کی جیتی جاگتی بولتی چالتی تصویریں دکھائی دیتی ہیں اور اُس دور کی یاد تازہ کرتی ہیں جس میں زندہ دلی اور خوش طبعی کے ساتھ علم و فضل اور کمال و ہنر بھی دوش بدوش نظر آتا ہے۔

شعر گوئی کا شوق سوسائٹی کے اس رجحان کو دیکھکر ایک نامور دل طبع شخص کے دل میں بھی شعر گوئی کی امنگ پیدا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی ایسی حالت میں وہ دل جس میں شاعری کے جذبات ہوں اور وہ زبان جس میں ان جذبات کے ادا کرنے کی قابلیت ہو کس طرح خاموش رہ سکتی تھی۔ رونق نے شاعری سے خداداد مناسبت پائی تھی جس کے باعث میلان طبع نے انھیں فارسی عربی کی درسیہ کتب کی تحصیل کے ساتھ ہی بدو شعور ہی میں شعر گوئی کی طرف متوجہ کر دیا وہ رواج زمانہ کے مطابق صرف فارسی شعر کہا کرتے تھے۔ ابتدا ابتدا میں میرزا قربان آگاہ کو (جنکا مفصل تذکرہ صحیفہ کے گزشتہ نمبر میں لکھا جا چکا ہے) اپنا کلام دکھاتے رہے۔ لیکن بعد میں فصحاے عجم کے کلام کے تتبع اور ذوق سلیم کی رہنمائی پر بھروسہ رکھا۔ آگاہ کے علاوہ انھوں مستند اہل زبان شیدا مرزا صادق کوکب شیرازی وغیرہ کی ایک مدت تک صحبت اٹھائی جو اُس زمانہ میں مدراس میں مقیم تھے۔ گلزار اعظم میں لکھا ہے کہ اہل زبان کے روزمرہ اور محاورات کی تحقیق و تفحص کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اور ان کی تقلید اور تتبع کی بہت شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے تذکرہ معدن الجواہر میں لکھا ہے کہ شعراے متاخرین کے تقریباً ایک لاکھ بیت انھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔ نوجوانی میں مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ وقت کی قید نہ تھی رات دن مطالعہ میں مشغول و منہمک رہتے تھے جس کا اثر ابتدا میں تو کچھ محسوس نہیں ہوا لیکن پایان عمر میں دماغی عوارضات میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ملازمت و دیگر حالات بیس سال کی عمر میں نواب عمدۃ الامرا کی سرکار میں ملازم ہوئے۔ اس عمر میں انھوں نے شاعری میں اس قدر مشق بہم پہنچا لی تھی اور

کلام اس قدر پختہ اور استوار ہو گیا تھا کہ نواب ممدوح نے بکمال قدردانی "ملک الشعرا" کا خطاب عطا فرمایا اور امیر الملک تاج الامرا نواب محمد علی خاں ماجد ولیعہد کی استادی اور اتالیقی پر مامور کیا۔ ماجد مدراس کے امرا اور اور نواب زادوں میں نہایت خوش فکر ذہین اور طباع امیر گزرے ہیں۔ انکی طبیعت اور ذہن کا آدمی خاندان والاجاہی میں کوئی نہیں گزرا۔ اس کا اعتراف غلام غوث خاں اپنے تذکرہ میں بدیں الفاظ کرتے ہیں۔ "الحق شاعری بایں نازک خیالی دریں کم سالگی از خاندان انوریہ برنخاستہ بل احدے دریں ممالک بازار سخن را بایں گرمی نیارا ستہ" ماجد درحقیقت رونق کے منبع تھے اور محض رونق کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا انھوں نے اصناف سخن میں بہت جلد مہارت پیدا کرلی اور ان کا شمار ممتاز اور برگزیدہ شعرا میں ہونے لگا۔ ماجد ہمیشہ رونق کو اپنی مصاحبت میں رکھتے تھے اور ان پر خاص التفات فرماتے تھے اور رونق کو بھی اُن سے خاص انسیت و دل بستگی ہو گئی تھی۔ جو استادی اور شاگردی کے حد سے گزر کر انفت و محبت کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ جب عین عنفوان شباب میں ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اور عنان ریاست ماجد کے حریفوں کے ہاتھ میں چلی گئی تو رونق فرط حزن و ملال سے جو ماجد کے انتقال کی وجہ سے ان کو لاحق ہوا تھا اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر کڑپا۔ بلہاری چیتور وغیرہ اطراف واکناف کے اضلاع میں ہجرت کر گئے ان کے فرزند مولوی مہدی واصف لکھتے ہیں کہ ترک وطن کرنے کے بعد وہ اس صیغہ میں ملازم ہو گئے جو یورپین افسروں کو فارسی زبان کی تعلیم دینے کے لئے قائم ہوا تھا۔ اُن سے تعلیم پائے ہوئے یورپین افسروں میں سے ایک سر ٹامس منرو بھی ہیں جو مدراس کے مشہور گورنر گزرے ہیں۔ پایان عمر میں وہ حیدرآباد چلے آئے اور ایک زمانہ تک یہیں قیام کرنیکے بعد ۱۲۲۷ھ ہجری میں دوبارہ مدراس گئے اور کچھ عرصہ کے بعد وہیں انتقال

فرمایا۔ ستر سال سے اوپر عمر پائی۔ شطرنج نہایت شوق و شغف سے کھیلتے تھے جب کبھی کھیلنے بیٹھ جاتے تھے تو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اسکا شوق میری اولاد میں بھی منتقل ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اولاد اولاد میں رونق کے یادگار چھوڑے مولوی غلام زین العابدین فرزند اکبر جو یہاں تحصیلداری کی خدمت پر ممتاز رہے اور بندہ کے عمادین میں دمغریں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ دوسرے مولوی مہدی واصف جو اپنی علمی اور کثرت تصنیفات اور کئی زبانوں کے زبان داں ہونے کی وجہ سے خاص شہرت اور امتیاز رکھتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے رونق کے حالات زندگی میں سوائے فارسی شاعری کے کوئی اہم بالشان کارنامہ نہیں ملتا۔ اس لئے میں ذیل کی سطور میں ان کے کچھ انتخابی اشعار لکھکر اور ان کی شاعری کے تعلق اپنی ناقص رائے ظاہر کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

رونق کو مثل ان کے فرزند مولوی مہدی واصف کے تالیف و تصنیف کا شوق نہیں تھا اور غالباً ان کی عربی استعداد بھی معمولی تھی۔ لیکن فارسی زبان اور فارسی شاعری میں وہ اپنے زمانہ کے محقق اور کامل مانے جاتے تھے ایک زمانہ تک انھوں نے اہل زبان کی صحبت اٹھائی تھی اور محاورات اور روزمرہ کی تحقیق میں ان کو تبحر اور کمال فضیلت کی شہادت مدراس کے اکثر تذکرے دیتے ہیں۔ ان کے کلام سے خود اس امر کا پتہ لگتا ہے کہ انھوں نے زبان فارسی کو بڑی جدوجہد کاوش کے ساتھ اکتساب کیا تھا اور اہل زبان کے روزمرہ اور محاورہ پر انھیں پورا عبور حاصل تھا۔

فارسی شاعری کا انقلاب شاعری اور مصوری دونوں ایک قبیل سے ہیں فرق اتنا ہے کہ مصوری میں کسی شے کی یا جذبات یا حالات کی تصویر رنگ و روغن سے ظاہر کیجاتی ہے اور شاعری میں الفاظ کے ذریعہ سے۔ جس طرح ہزاروں لوگ تصویر کھینچتے ہیں

مگر جو چیز تصویر کی جان ہے وہ ان کے قلم میں مفقود ہوتی ہے اُسی طرح بہتیرے لوگ شعر کہتے ہیں مگر شعر کی روح رواں ان کے کلام میں نابود ہوتی ہے۔ فارسی شاعری کے اخیر دور میں یا تو شاعری کی حقیقت کو نہ سمجھ کر یا اس وجہ سے کہ متقدمین شعرا تمام نیچرل اسالیب کلام برت چکے تھے اور اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے کوئی ایسا اسلوب باقی نہیں رکھا تھا کہ کوئی کیفیت یا حالت نیچرل طور سے نئے اسلوب اور نئے پیرایہ میں بیان کی جاسکے۔ متاخرین نے ایک ایسا طرز اختیار کیا جو شاعری کے مقصد کے برخلاف تھا۔ بیدل اور ناصر علی اس طرز کے مکمل اور ترقی دینے والے سمجھے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے جو داغ بیل ڈالی تھی وہ بوجہ اپنی جدت کے عموماً ہندوستان میں مقبول ہوگئی۔ علی العموم تمام اہل ہند (الا ماشاء اللہ جنکو مبدء فیاض سے ذوق سلیم عطا ہوا تھا) اسی ڈگر پر چلنے لگے۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ جب کوئی فن اپنے موضوع پر قائم نہیں رہتا تو اس کی ترقی رک جاتی ہے اور وہ زوال پذیر ہوجاتا ہے اس طرز کو اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی شاعری کی ترقی رک گئی اور اس روش پر چلنے والوں نے اس میں کوئی مفید اور قابل قدر اضافہ تو درکنار اس کو اپنے مرکز پر بھی قائم نہ رہنے دیا جس کی وجہ سے شاعری جو فنون لطیفہ میں شمار کی جاتی ہے ڈھکوسلہ سازی اور تک بندی سمجھی جانے لگی۔ بیدل اور ناصر علی وغیرہ نے اپنی روش خاص میں جو شعر کہے ہیں وہ بوجہ کثرت تشابیہ و استعارات کے اس قدر گنجلک اور مغلق ہیں کہ ان کا کوئی معنی معین نہیں کیا جا سکتا۔ اور سننے اور سمجھنے والے کو یہ اطمینان نہیں ہوسکتا کہ شعر کے وہی معنی ہیں جو اس نے سمجھے ہیں۔ بسا اوقات تشبیہ و استعارہ کے دلدل میں معنی ایسا غائب ہوجاتا ہے کہ بے انتہا غور و فکر اور دماغی کوشش صرف کرنے کے بعد کھینچ تان کر دل کو سمجھانے کے لئے اپنی طرف سے کوئی معنی قرار دے لینا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل زبان

بیدل اور ناصر علی کو نہیں مانتے۔ صاحب آتشکدہ آذری ناصر علی کی نسبت لکھتا ہے کہ ان بزرگوار کے کلام سے بوجہ کثرت تشابہ کے کوئی معنی تشخص نہیں کیا جا سکتا۔ مومن کی ناک ہے کہ جدھر جاپا موڑ دی

مدراس کے شعرا کا رنگ

قرب عہد کی وجہ سے مدراس کے اکثر شعرا نے بیدل اور ناصر علی کا رنگ اختیار کیا تھا سوائے معدودے چند اہل سخن کے عموماً کثرت شعر خیالات میں وہی بیدلیت طرز بیان میں وہی اغلاق اور گنجلک نظر آتی ہے۔ لیکن رونق نے اپنے ہمعصروں کے برخلاف یہ روش اختیار نہیں کی جسکا محرک محض ذوق تسلیم تھا جو قدما کے کلام کو مطالعہ کرنے اور اہل زبان کی صحبت اٹھانے کی وجہ سے جو انھیں حسن اتفاق سے مدراس میں میسر آگئی تھی۔ ان کی طبیعت میں راسخ ہوا تھا اس کے باعث اس صنف میں شعر کہتے ہوئے ان کی طبیعت ابا کرتی تھی۔ اُن کی فیض تربیت کا اثر تھا کہ مہدی واصف بھی اس رنگ میں شعر کہنے سے بچتے تھے اور اس طرز کو نام دھرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے تذکرہ میں جا بجا ناصر علی کے کلام پر نہایت سختی کے ساتھ ردو قدح کی ہے اور معاصرین کو روزمرہ اور محاورہ کا خیال رکھنے اور اہل زبان کا تتبع کرنے کی ہدایت کی ہے جس کی بنا پر انہیں اور اُن کے معاصرین میں بہت کچھ نوک جھوک ہوتی رہی اور ایراد و اعتراض کا معرکہ گرم رہا۔ جس کی تفصیل واصف کے تذکرہ میں آئیگی۔

اصناف کلام میں مہارت

رونق کو انواع سخن میں دستگاہ کامل تھی۔ ہر صنف کو استادانہ کہتے تھے۔ انکا دیوان خود اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا مولوی عبدالواجد صاحب واجد کے پاس موجود ہے جس میں صرف غزلیات ہیں مولوی نجم الدین حسن صاحب مرحوم اپنے والد شیریں سخن خاں راقم سے نقل سے فرماتے تھے کہ رونق نے اکثر مجلسوں میں زور و شور کے قصیدے ارتجالاً کہے ہیں۔ اس قول کی تصدیق گلزار اعظم سے بھی ہوتی ہے چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ "بارہا در محافل کثیرہ شعر ہر بہی سبقت گوئے سخن از مشقب قلم شتابی رقم می سفت" انھوں نے دو مثنویاں گرداب غم اور سیلاب غم

دو دوستوں کے مرثیہ میں لکھی تھیں جو دریا میں ڈوب کر فوت ہوئے تھے جن کی متعلق تذکرہ معدن الجواہر میں یہ ریمارک ہے "بفیض طبع رواں خیلے پر سوز گفتہ"

انکے کلام کی نسبت رائے | افسوس ہے کہ ان کے قصائد اور مثنویات میری نظر سے نہیں گزرے ان کا دیوان اگرچہ میں نے دیکھا ہے لیکن اس وقت میرے پاس موجود نہیں ہے۔ لہذا میں ان کے کلام کی نسبت شواہد و امثال کے ساتھ کوئی تفصیلی رائے نہیں دے سکتا لیکن اپنی ناقص معلومات اور مدراس کے تذکروں کی شہادت کی بنا پر اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ وہ لطف بیان کے شیدا اور روزمرہ اور محاورہ کے دلدادہ تھے۔ کلام بیحد صاف اور شستہ اور ہموار ہوتا ہے۔ خیالات میں اغلاق اور الجھاؤ جو بیدل اور ناصر علی وغیرہم خیال بندوں کی روش خاص ہے ان کے کلام میں نہیں پایا جاتا۔ زبان بہت منجھی ہوئی اور پختہ ہے چنانچہ خود کہتے ہیں:۔

بہ پختگی کلامت نمی رسد فکرے معاصران تو رونق خیال خام کنند

تذکرہ بینش میں ان کے کلام کی نسبت لکھا ہے "شعرش سادہ و پرکار و از نزدیک اہل انصاف بملک الشعرائی سزاوار" گلزار اعظم میں ہے "در انواع سخن قدرت نامہ بیدشت و ہر یکے را بکمال خوبی می نگاشت" معدن الجواہر میں مولوی مہدی واصف لکھتے ہیں "رونق قصیدہ و غزل و مثنوی پاکیزہ میگوید و بر فصاحت و خوبی بیان خود ناز شہادت حقیر ہم نہ از روئے فرزندی بلکہ از روئے انصاف بر ایں امر شاہد عادل"

کلام کا نمونہ | ذیل میں ان کے کلام کا انتخاب بطور نمونہ کے درج کیا جاتا ہے۔ گلزار اعظم میں ان کے ایک قصیدہ سے کچھ اشعار نقل کئے گئے ہیں چونکہ اکثر قصیدے نظر نہیں آتے ہیں اس لئے میں ان تمام اشعار کو درج ذیل کرتا ہوں جس سے انکی شان قصیدہ نگاری ظاہر ہوگی۔ تشبیب میں کہتے ہیں:۔

بخیر تم کہ چنیں شہرہ چیست نیساں را رساندہ دیدۂ من تا بآسماں گوہر
بخاندان خلف نامور دہد شرفے فزود منزلت معدن و بحر و کاں گوہر
ز آبرو نہ پسندم بخویش ننگ سوال بغور بیں کہ زند قفل بر دہاں گوہر

ہر کہ کار یتیماں ز غیب گردد نظم — کہ یافتہ ز صدف طرفہ سائباں گوہر
شب مال دل اغنیا شود ناگہ — زرخنہ بہر ہمیں یافتہ زیاں گوہر
حسان یافتہ تا چیز از سیمجتاں — کہ گرد ظلمت شب فلس ماہیاں گوہر
بحاشی ہنر صاف دل عیاں گردد — ز آب خویش خبر کرد بے زباں گوہر
شد دیدہ بحر بنا گوش یار چیران ست — بچشم سیل کشد ہمچو سرمہ داں گوہر
ہر ماندہ زبانے ز رشتہ می سازد — ستایش در دندان ادہیاں گوہر

زا عمدہ تخیل ہے اور کس قدر عمدہ تشبیہ اس بیت کو بیت الغزل کہا جائے تو
ہ بجا نہیں ممدوح کی تعریف و توصیف میں کہتے ہیں :-

ز روئے خشم بہ نیساں اگر نگاہ کند — شود بہ سینۂ دریا سر رفشاں گوہر
ز جوش مہر بشبنم کشاید ار چشمے — ز انفعال نیارند بر دکاں گوہر

اس زمین میں ان کے ہمطرحوں کے بھی اشعار ہیں لیکن دونوں کو مقابلہ کرنے
سے زمین و آسمان کا فرق ظاہر ہوتا ہے ۔

غزل گوئی میں زبان اس قدر صاف اور سلیس استعمال کرتے ہیں کہ اُن کے
اشعار کی نثر نہیں ہو سکتی ۔ مثلاً

تا نظر افگندہ ام سوئے کسے — خوش نمی آید مرا روئے کسے

جورے از وسعت دل دام کردند — سرشت چرخ مینا فام کردند
شرار آسا دمے فرصت ندارم — کہ آغاز مرا انجام کردند
ہمہ اعضائے انساں یافت تسکیں — مگر دل را چہ بے آرام کردند
گریباں را عجب تسخیر دلہاست — خطوط دست احساں دام کردند
اے دل زار چوں جرس بفغاں — ہمہ آواز کردہ ما را

باوجود صاف گوئی اور سلاست پسندی کے جو غزل گوئی کی جان اور
غزل سرائی کا ایمان ہے اور جس کے بغیر غزل میں حسن اور سوز و گداز
نہیں پیدا ہو سکتا ۔ نہایت مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں انکی غزلیں ہیں مثلاً یہ زمین ۔

تا بپائے تو حنا رنگ قدمبوسی ریخت — لخت دل خوں شد و از چشم زمایوسی ریخت
غیر خود دیگر نمی یابم خریدار جنوں — از دم سرد م چہا گرم ست بازار جنوں
ہوس سرو قدت بعد فنا ہم نرود — قمرے می کنم ایجاد و خاکستر خویش
دل پریشاں چشم پر خوں سینہ داغ انتظار — دوستاں دارم فراہم طرفہ ساماں فراق
در بیاباں ہمسری با کوہ داد حیرت ست — بر لب دریا نمی کرد لرزاں سایہ را
میکند افتادگی آزاد از بند خطر — شیر با این رعب کے سازد ہراساں سایہ را

بے دماغانہ چو را ہش گیرم — گویدم دور کہ کارے دارم
عکس آں سنبل و نرگس چو فتد — گوید آئینہ بہارے دارم
نکشی از کفم اے یار کنار دامن — کہ سرشت رگ جانم شدہ فادار من
نوبت افتاد بچاک جگر و سینہ دل — شد تمام از کف این غمزدہ کار دامن
در رہ عشق بہ تعطیل نمی باید زیست — دلبرے نبود دل شکنی در کار ست
رنگ ہستی از مسی و پان لب خود را نتواں — بہر شبخون دل عاشق چہ سامانی کرد
پردہ از رخ چوں کشادی قدرت حق جلوہ آور — آشکارا از نقاب این راز پنہاں کرد
زراہ بیخودی گر سوئے سرو ما گزر افتد — بیاد آں قد و بالا دو بالا میشود دردم
بشوق دیدن آں ماہ رو چو آئینہ — سری بر انوے حسرت نہادہ می گریم
ہجوم مردم این شہر دارد دم دل تنگ — بکوہ و دشت روم دل کشادہ می گریم
بدرد ہجر تو چوں سیل آنچنانم ارم — کہ سر بدامن صحرا نہادہ می گریم

محمد عبد الباسط

رباعیات

اے رشک پری حور کہ انساں ہے تو — کافر کا صنم شیخ کا ایماں ہے تو
کیونکر کہوں کسطرح کہوں تو کیا ہے — واللہ میری جان میری جاں ہے تو
یہ دل ہو مرا اور جفائیں تیری — آنکھیں ہوں مری اور ادائیں تیری
تھک جائے اگر ہاتھ مرا وصل کی شب — لوں پنجۂ مژگاں سے بلائیں تیری

موسم گرما کی صبح

واہ کیا معجز نما ہے موسم گرما کی صبح
دردمندوں کی دوا ہے موسم گرما کی صبح

کیا بتائیں ہم کہ کیا ہے موسم گرما کی صبح
اک حسین دلربا ہے موسم گرما کی صبح

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

خانہائے چشم میں آنے کو گھبراتی ہے نیند
تنگ آکر شدت گرمی سے اڑ جاتی ہے نیند

ماہی بے آب کے مانند تڑپاتی ہے نیند
ہاں مگر پچھلے پہر کچھ لطف دکھلاتی ہے نیند

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

وہ مسرت بخش وقت اور ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوا
وہ سہانا اس کا عالم اور وہ کوئل کی صدا

پیچھے کرتے ہوئے وہ بلبلوں کا بولنا
جس نے دیکھا یہ سماں بس کہدیا یا اللہ

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

ہے نمایاں اس طرح خط سحر کی روشنی
چھن رہا ہے نور گویا نیلی چادر سے کوئی

ماہ کے اطراف ہے کچھ کچھ گھٹا چھائی ہوئی
جس نے پایا لطف اس کا جانتا ہے کچھ وہی

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

کر رہی پھولوں سے ہے باد صبا اٹھکھیلیاں
ہیں عنادل بھی خوشی سے شاخ گل پر نغمہ خواں

ہے بہار جانفزا کچھ اور دن کی میہماں
یہ سماں پھر دیکھنے میں اپنے آئیگا کہاں

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

جب کسی جانب ہوا کے چار جھونکے بھی چلے
شادماں کچھ ہو گیا دل بڑھ گئی کچھ حوصلے

جھومتا اشجار کا آپس میں وہ ملنا گلے
جس طرف دیکھو نظر آتے ہیں سبز پھول پھلے

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

گا رہے ہیں جا بجا وہ طائران خوش صدا
اپنی اپنی بولیوں میں گیت کسکی مدح کا

تو ہی بتلا دے کہ یارب کون ہے جلوہ نما
چار سو پھیلی ہوئی ہے کسکے جلوہ کی ضیا

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

گرمیوں کے ناز اُٹھائیں صبر کا یارا کسے
اب دل مضطر جہاں لیجائیگا ہم جائینگے

یہ بہار جاں فزا یہ لطف کیا معلوم تھے
واہ کیا ٹھنڈی ہوائیں پائی ہیں دل انگیز سے

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

چل رہی ہیں دور رندوں میں شراب ناب کے
نصف شب سے ہیں کہیں پر جمگھٹے احباب کے

ہیں کہیں زیر سماں مشتاق کوئی خواب کے
کوئی لیتا ہے مزے بیٹھا کنار آب کے

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

رہتی ہے کب یکساں بے اختیاری حسب حال
رات کی سی اب کہاں وہ بیقراری حسب حال

لطف دیتی ہے ہمیں حالت ہماری حسب حال
بار بار اپنی زباں پر ہے یہ جاری حسب حال

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

کھیتیوں میں ہیں کہیں پانی کی نالی دور تک
لہلہاتے ہیں کہیں پر سبز تختے دور تک

بھول کر بھی اک نظر اُس کو جو کوئی دیکھ لے
بیخودی چھا جائے دل پر اور وہ رہ جائے ٹھٹھک

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

موسم گرما میں آئی واہ کیا اچھی بہار
اُٹھ گئیں جس سمت نظریں اک نئی دیکھی بہار

دیکھنے میں ہر گھڑی آتی ہے کب ایسی بہار
وہ گل خودرو وہ رنگا رنگ پھولوں کی بہار

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

اپنے آنے کی جھلک گردوں پہ دکھلاتی ہے جب
کام والے نور کے تڑکے سے اُٹھ جاتے ہیں سب

اسکی آمد دیتی ہے محرور طبعوں کو طرب
دل پہ چھا جاتی ہے فرحت ختم جب ہوتی ہے شب

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

کم نہیں اس وقت کی ٹھنڈی ہوا تسخیر سے
دیتے ہیں دل جھک اسکو بھی تو قیر سے

چاہتے ہیں صبح ہو جائے کسی تدبیر سے
بارہا کہتے سنا ہے ہم نے یہ تنویر سے

واہ کیا فرحت فزا ہے موسم گرما کی صبح

سید یوسف تنویر
ممبر سلطانیہ ریڈنگ روم حیدرآباد

رسالۂ تعلیم جبری پر تقریظ

گزشتہ سے پیوستہ

حد سے زیادہ عیش و آسایش اور سایہ پروردگی کا یہ خاصہ ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ سے کچھ کام نہیں ہو سکتا۔

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں اس امر پر متعدد مقام میں بحث کی ہے جس کا مختصر یہ ہے کہ جو لوگ کثرت عیش و آرام کے سبب اپنی حوائج ضروریات کو اپنے ہاتھ سے انجام نہیں دیتے اور اپنے قوائے عملیہ کو معطل کر رکھتے ہیں اور بالکل غیروں کی پناہ میں ہو جاتے اور گویا غیروں کے عیال بنجاتے ہیں اُن سے جرأت و شجاعت و غیرت و عصبیت سب فنا ہو جاتی ہے۔ جو لوگ سالہا سال بلکہ پشت ہا پشت اس حال میں مبتلا رہ چکے ہیں اور یہ اوصاف اُن میں بمنزلہ طبیعت و جبلّت ہو گئے ہیں دفعتاً اُن سے اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔ البتہ سرگرمی سے کوشش کی جائے اور ہمت باندھی جائے تو استیصال نہ سہی اُس میں تخفیف ضرور ہو سکتی ہے۔

ان لوگوں کو پہلا کام جو کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی ذات اور اپنے ہاتھ سے اسٹیٹ کا انتظام شروع کریں۔ اس زینہ پر اُن کو زمانے کی رفتار اور معاملات کے تقلب و فراز سے واقف ہونیکی راہ ملیگی اور اس زینہ کے برابر اُن کو اور بہت زینے نظر آئینگے اور عجب نہیں کہ کسی اولوالعزم کو یہ خیال پیدا ہو کہ اُن زینوں پر چڑھ کر دیکھے کہ آگے کیا ہے۔

الحمدللہ اس دور میں ہمارے اعلیحضرت خلداللہ ملکہ سلطنت اور وزیر اعظم و دیگر وزرا ادام اللہ اقبالہم۔ سب بہ نفس نفیس مہمات ملکی کو انجام دے رہے ہیں

تو کیا وجہ ہے کہ اُنکی تقلید نہ کی جائے اور دوسرے کل امرا و اعیان دولت اپنی ذات سے اپنے اپنے اسٹیٹ کے انتظام کی لگام اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ انتظام کی لگام تھامنے کے لئے بقدر ضرورت لیاقت و قابلیت کی احتیاج ہے اور اُس کے لئے ضرور ہے کہ مولانا ملّا صاحب کی تجویز فوراً جاری کر دی جائے۔

اندنوں ہمارے ملک میں ملکی و غیر ملکی کی ایک بحث پیدا ہو گئی ہے اور اُس میں اہل ملک کو بہت کچھ شکایت ہے کہ ہمارے حقوق مقدم ہیں اور ہم بہ نسبت غیروں کے عزت و برتری کے زیادہ مستحق ہیں۔ میرے نزدیک یہ دعویٰ جب تک کہ ہم اپنے آپ کو اُس عزت و برتری کے لائق نہ ثابت کریں محض فضول اور بے فائدہ ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ بے شک غیر ملکیوں سے کوئی امید ملک اور قوم کی غمخواری اور ہمدردی کی نہیں ہے اور وہ صرف اس لئے یہاں آتے ہیں کہ روپیہ پیسا پیدا کر کے لے جائیں اور جس طرح بن پڑتا ہے جلب منفعت سے کام رکھتے ہیں بلکہ اس سے بڑھکر ہمارے سامنے دنیا کی تاریخ میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جن پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیرونیوں کے تسلط سے کیسے خوفناک نتائج ریاستوں میں پیدا ہوتے ہیں اور جب بیرونی گروہ اخوان الریاست پر حاکم و فرمان روا ہوتا ہے تو اُن کے اخلاق اور عصبیت و عزت نفس پر کیسا خراب اثر پڑتا ہے اور اخوان الریاست کے ذلیل اور خوار ہونے سے کہ درحقیقت یہی گروہ ریاست کا بانی اور حامی ہوتا ہے ریاست کی بنیاد کس طرح متزلزل ہو جاتی ہے۔ لیکن باایں ہمہ میری رائے میں وقت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ سرکار فی الوقت بلا لحاظ لیاقت و قابلیت کے خواہ مخواہ ملکی لوگوں میں سے ہر ایک عہدہ کے لئے اشخاص منتخب کرنے پر مجبور ہو سکے۔ اس وقت اگر کوئی تدبیر غیر ملکیوں پر ملکیوں کو ظفر پانے کی ہے تو وہ بیشک

یہی ہے جس کو جناب ملا صاحب نے پیش کیا ہے۔ اس تجویز کے جاری ہونے پر امید ہو سکتی ہے کہ بہت جلد ایک تعلیم یافتہ گروہ ملک میں پیدا ہو جائیگا اور کافی اشخاص ہر خدمت کی انجام دہی کے لائق مہیا ہو جائینگے پھر سرکار کو بجز چند خاص خاص لیاقت کے آدمیوں کے کوئی محتاجی یا ہر ہاتھ پھیلانے کی باقی نہ رہیگی اور حق اپنے مرکز پر آ رہیگا۔

جناب ملا صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۵ میں تحریر فرمایا ہے کہ "امیروں اور جاگیرداروں اور زمینداروں اور معزز معاشداروں و منصبداروں کی تعلیم سردست اولاً جبری ہونی چاہیئے" اس میں تو کسی کو بھی مجال کلام نہیں ہے خصوصاً اُن لوگوں کو جنکی معاشیں مشروط ہیں سرکار کا فرض ہے کہ اُن شرائط کے ادا کرنے کے لئے مجبور کرے اور اگر اس پر بھی وہ اپنے آپ کو ادائے خدمت کے لائق نہ ثابت کریں تو ایسی معاش کو رد کر دے اور اُس کے اہل پر جاری کرے اور ظاہر ہے کہ کوئی خدمت خواہ وہ فوجی ہو یا ملکی یا مذہبی ہو یا دنیاوی بغیر اکتساب علم اچھی طرح ادا نہیں ہو سکتی اس لئے سرکار کا فرض ہے کہ ایسے معاشداروں کو تحصیل علم اور ادائے فرائض مشروطہ پر مجبور کرے۔

علامہ شافی نے ایک فتوے اس مضمون کا دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار پر واجب ہے کہ اگر معاش والوں کی اولاد قابل ہے تو ان کو معاش دے اور اگر وہ نااہل ہے تو اُن سے پھیر لے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا گیا اور بادشاہ نے نااہل کو دیا تو گویا اوس نے دو ظلم کئے ایک یہ کہ مستحق کو نہ دیا دوسرا یہ کہ غیر مستحق کو دے دیا۔

پس اگر سرکار اس فتوے پر عمل کرے اور تمام معاشیں اُن لوگوں کے قبضے سے جو خدمت ادا نہیں کرتے یا ادا کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے چھین لے تو یہ امر زیادہ گراں ہوگا بہ نسبت اس کے کہ سرکار اُن لوگوں میں ادائے خدمت کی لیاقت پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اُن کو اُس دن کے لئے جو آئندہ کبھی

نہ کبھی پیش آنے والا ہے آگاہ کر دے کہ تیار ہو رہیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہم پر بہت بڑی عنایت و مرحمت ہوگی جسکی قدر کرنی چاہیے اور تہ دل سے اس مہم کی انجام دہی میں کوشش کرنی چاہیے نیز نہایت خلوص کے ساتھ جناب ملا صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جنکی بیش بہا مساعی اور خالی عن الغرض دماغ سوزی سے ہم کو اس تجویز کے عمدہ نتائج حاصل ہونے والے ہیں فقط

والسلام علی من اتبع الہدے المتوکل علی اللہ الواحد الاحد غلام محمد

نہ ہونا چاہیے

اپنے مطلب کا کبھی انسان نہ ہونا چاہیے — اشرف المخلوق کو حیوان نہ ہونا چاہیے
تم بظاہر متقی پکے نمازی ہو تو کیا — باطناً اے مہرباں شیطان نہ ہونا چاہیے
شربت اخلاق ظاہر میں نہ بیچے کوئی زہر — دوستی میں بغض دل پنہاں نہ ہونا چاہیے
جھوٹ کہنے کی کبھی عادت نہ رکھنی چاہیے — خلق انسانی میں یہ نقصاں نہ ہونا چاہیے
کرمیت ہے تو محنت سے بڑھاؤ اپنی قدر — غیر کا اپنے پہ کچھ احساں نہ ہونا چاہیے
دل میں کچھ ظاہر میں کچھ یہ بھی ہے کچھ انسانیت — نام ایسوں کا کبھی انساں نہ ہونا چاہیے
کینہ و بغض و حسد ہی دل کو کرتے ہیں سیاہ — دل میں پنہاں دشمن ایماں نہ ہونا چاہیے
دل میں رکھنا چاہیے انسان کو یہ ہر دم خیال — غیر کا میرے سبب نقصاں نہ ہونا چاہیے
دولت دنیا کریں تقویٰ کے پردہ میں وصول — پارسا کے دل میں یہ ارماں نہ ہونا چاہیے
دوستوں کے واسطے اپنی غرض کو چھوڑ دو — صرف اپنا مدعا ہر آں نہ ہونا چاہیے
کوشش علم و ترقی میں ہلائیں ہاتھ پاؤں — جان رکھکر جسم میں بے جاں نہ ہونا چاہیے
ضبط و استقلال سے ہر کام میں کوشاں رہے — پست ہمت ناامید انساں نہ ہونا چاہیے
سعی سے ہوتا چلا ہے دوسری قومونکو اوج — پھر مسلمانوں کو کیوں کوشاں نہ ہونا چاہیے

قافی زین العابدین

آج اے عابد تجھے کیا ہو گیا جوش جنوں
بند گو کو سخت گو انساں نہ ہونا چاہیے

بیدر

گزشتہ سے پیوستہ

چوبارہ

ناف شہر میں وسیع اور کشادہ چوراہے کے بیچوں بیچ ایک بلند اور ستون نما عمارت ہے۔ اس سے پندرہ پندرہ بیس بیس کوس کا نظارہ بآسانی ہو سکتا ہے۔ یہ اُس زمانہ کی یادگار ہے جبکہ بیدر راجایان ورنگل کی راجدھانی تھا۔ اس کے قریب ایک عالیشان مندر بنایا گیا تھا۔ اور یہ بطور چراغدان اسکی زینت کو دوبالا کرتا تھا۔ چوبارہ چوراہی روشنی کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں کی مشہور و معروف جاترا میں ملک کے ہر گوشہ اور ہر حصہ سے معتقدین اور مسلمی جمع ہوتے تھے اور بقدر استطاعت دمنت کپڑے کی شعل اور تیل اس چراغدان میں ڈال کر روشن کرتے تھے۔ چراغدان چونکہ بہت بلند تھا اس لئے اس کی روشنی نہ صرف چوطرفہ سڑکوں پر تا ختم جاترا رہتی تھی بلکہ تمام شہر منور ہو جاتا تھا۔ اس چراغدان سے مندر تک دوطرفہ مسافر خانے بنے ہوئے تھے۔ جو زائرین کے قیام کے لئے وقف تھے ۸۳۴ھ میں حضرت خلیل اللہ بت شکن جب سلطان احمد شاہ ولی البہمنی کے اشتیاق آمیز اصرار پر رونق افروز بیدر ہوئے تو آپ نے مندر کو (جو اُس زمانہ میں ویران سا ہو رہا تھا) اپنی خانقاہ بنا لیا۔ اب وہ خانقاہ ہی رہی نہ وہ مسافر خانہ۔ البتہ اس کے کچھ کچھ آثار باقی ہیں۔ صرف چوبارہ حوادث زمانہ سے مقابلہ کر رہا ہے۔ اور اپنے گم گشتہ رفیق کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ نواب فرامرز جنگ بہادر کے زمانہ نقلہ داری

اس پر کلاک ٹاور بنایا گیا ہے۔ چوطرفہ بڑی بڑی گھڑیالیں تو لگادی گئی ہیں مگر ان کے صحیح وقت بتلانے کا انتظام بالکل محتاج توجہ ہے یہ بات ضرور قابل تسلیم ہے کہ بیدر ریلوے اسٹیشن یا تار گھر کا مستقر نہ ہونے کی وجہ سے وقت کی صحت کما حقہ نہیں ہوسکتی لیکن یہ امر بھی غیر ممکن ہے کہ منتظمین کلاک ٹاور ہندوستان سے ایک پیسہ کی وہ اسلامی جنتری منگا رکھیں جس میں روزانہ طلوع وغروب کا صحیح وقت بتلایا گیا ہے۔ اور اس کے مطابق صبح وشام گھڑیالیں درست کرلیا کریں۔ اس منار کی پہلی منزل میں اینی پولیس کا دفتر رکھا گیا ہے۔ اور ہر وقت جوانان پولس کا پہرہ اور ان کے پرسطوت دجبروت ہدایات منار کی شان شوکت کا اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

جامع مسجد

عین آبادی میں ایک بڑی اور شاندار مسجد جامع مسجد کے نام سے موسوم ہے اس مسجد میں تین دالان در دالان ہیں جن کے طول میں چھ اور عرض میں چار ستون قائم ہیں۔ ہر ستون دوسرے ستون سے طول میں ۸، قدم اور عرض میں ۷، قدم کا فاصلہ رکھتا ہے۔ اور ہر چہار ستون کے درمیانی حصہ پر گنبد نما چھت ہے۔ محراب دنبر والا حصہ بارونق ہے۔ اور اس پر کا گنبد نسبتاً زیادہ بلند ہے مسجد کے سامنے پختہ۔ صاف وشفاف اور مناسب وسعت کا صحن اور اس کے بعد حوض بنایا گیا ہے۔ جس میں ہمیشہ پانی رہا کرتا ہے مسجد کا احاطہ کسی قدر وسیع ہے۔ اور اس کے ایک گوشہ میں باؤلی بنی ہوئی ہے۔ جس پر موٹ چرس اب بھی چلتی ہے۔ احاطہ میں کیاریوں کی علامت نظر آتی ہے۔ غالباً یہاں کسی زمانہ میں خوشنما باغیچہ ہوگا۔

نواب ناصر الدولہ بہادر کی حویلی

یہ بھی عین آبادی میں شاندار عمارت ہے۔ ۴ رمضان المبارک ۱۳۰۰ ہجری

نواب صاحب اسی میں تولد ہوئے تھے۔ جناب اول تعلقدار صاحب بیدر یہاں سکونت پذیر ہیں اس لئے عام شائقین کی نظریں اس کا تفصیلی معائنہ نہیں کرسکتیں۔

پانی کے چشمے

یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ بیدر میں کوئی تالاب یا ایسا چشمہ موجود نہیں ہے جس سے کوئی حصہ آبادی کا سیراب ہوسکے۔ البتہ آبادی کے اطراف وکنار چند قدرتی جھرے ہیں جن میں سے بعض سنگ بست بھی ہیں اور ان پر کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ ہمیں آثار قدیمہ کے بیان میں ان کا ذکر بھی کردینا نامناسب نہ ہوگا۔

(۱) بیدر سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب جنوب باغ نورنگ واڑی میں حضرت سید السادات سید محمد حنیف صاحب قدس سرہ کے گنبد کے قریب شیریں اور نفیس پانی کا چشمہ ہے۔ جو ہر قسم کی بیماریوں کے لئے مفید ثابت ہوا ہے۔ لوگ اعتقاداً یہاں آکر نہاتے ہیں پانی میں کسی قسم کی بو بھی ہے۔ جو کبریتی بو سمجھی جاتی ہے۔ جھرہ پہاڑ کے اندر اور اس کا پانی ایک تنگ و تاریک درہ میں سے باہر آتا ہے اور ایک چھوٹے سے حوض نما مقام میں آکر جم جاتا ہے۔ پھر وہاں سے ایک نالی کے ذریعہ سے باہر نکالا جاتا ہے۔ حوض کے اطراف بڑی بڑی دیواریں اس وضع کی بنادی گئی ہیں کہ ہوا وہاں تک اچھی طرح سے نہیں آسکتی یہی وجہ ہے کہ نہاتے وقت یا اس کے بعد بہت کم سردی ہوتی ہے۔ حوض سنگ بست ہے اور جھرہ کے دہانہ پر اوپر کی جانب سنگ موسیٰ کا ایک کتبہ ہے۔ اور اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"بنا کردہ عمارت این چشمہ حیات دریں مقام شریف و روضہ منظر حضرت سید السادات المخدوم السید حنیف نور اللہ مرقدہ فی زمان السلطان الاعظم المتوکل علی اللہ القوی الغنی الغازی شہاب الدنیا والدین محمود شاہ بن محمد شاہ البہمنی تقبل عباد اللہ درویش

حسینی المخاطب شہید من الحضرۃ الی اللہ شفا خاں غفر اللہ سرہ ولوالدیہ فی سابع من شعبان ستہ عشرین تسعائہ الہجرۃ النبویہ"

(۲) بیدر سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب شرق فرح باغ میں زندہ پانی کا چشمہ ہے۔ یہ بھی سنگ بست اور پختہ بنا ہوا ہے جس درہ میں سے پانی نکلتا ہے وہ تقریباً ڈیڑھ سو گز لمبا ترشا ہوا ہے۔ اور اس کی انتہائی حد کے قریب ہندوؤں کی پرستش گاہ (نرسہونکی مورت) ہے ترشے ہوئے مقام میں ہمیشہ کم از کم ناف تک پانی رہتا ہے۔ اور ہندو اس میں سے گزر کر دیول تک جاتے ہیں۔ پانی صرف زراعت کے کام آتا ہے۔

(۳) بیدر سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب جنوب حضرت شیخ نور صاحب سمنانیؒ کے مقبرہ کے قریب صاف اور شیریں پانی کا جھرہ ہے یہ بھی ایک سنگ بستہ اور پختہ حوض نما مقام میں جمع ہو کر زمین مزروعہ کو سیراب کرتا ہے۔

(۴) بیدر سے ڈھائی میل کے فاصلہ پر جانب شمال موضع علی آباد جاگیر کے قریب بھی ایک جھرہ ہے۔ جسکا پانی اکثر زراعت کے کام آتا ہے۔ یہاں ایک مندر بھی بنا ہوا ہے۔

(۵) بیدر سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب شرق موضع اگرار کے قریب صاف و شیریں مگر نہایت سرد پانی کا چشمہ ہے۔ اگرار میں یہاں سے نل لایا گیا ہے اس چشمہ کو تیرتھ کہتے ہیں۔

(۶) شہر سے دو میل کے فاصلہ پر جانب شرق پاپناس نالی جھرہ واقع ہے۔ اس کا پانی گو صاف و شفاف ہے لیکن بیحد سرد ہے اسلئے زراعت کے کام آتا ہے۔ ہندو اسکو بہت معتقد ہیں۔ اور یہاں اکثر نہاتے ہیں۔

(۷) بیدر سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر جانب شمال "چمکورہ ٹڑی" جھرا واقع ہے پانی گو صاف ہے لیکن اکثر زراعت کے کام آتا ہے۔ خصوصاً چمکورہ کی فتونما کے لیے بہت مفید ہے یہی اسکی وجہ تسمیہ ہے۔

باقی آئندہ

برسات کی رت

جھومتی آتی ہے متوالی گھٹا
چھا رہی ہے باغ پر کالی گھٹا

سخت خفقہ پر ہے گردوں آب زن
لڑتے ہیں چھینٹے حسینان چمن پر

دھو رہی ہے روئے گل سینہ کی پھاڑ
رنگ لایا ہے حسینوں کا نکھار

شاخ گل پر وہ عنادل کی چہک
اور وہ پھولوں کی عروسانہ مہک

چٹکیاں بیتاب دل میں لیتے ہیں
خندہ ہائے روح پرور دیتے ہیں

دید کے قابل ہے بیلے کی بہار
ان پہ ہیں سو جان سے پریاں نثار

رنگ لائی ہیں حنا کی پھنیاں
آسماں پر ہے دماغ بوستاں

دھوم ہے نرگس کی چشم مست کی
باغ میں ہر سو ہوائے مے بندھی

بڑھ گیا سرو لب جو کا خمار
لیتا ہے انگڑائیاں وہ بار بار

رنگ خلوت پتے پتے سے عیاں
لو پرستاں بن گئی ہیں کیاریاں

جان تازہ مردہ دل پاتا ہے آج
سبزۂ خوابیدہ لہراتا ہے آج

جابجا چشم تمنا باز ہے
رقص میں طاؤس خوش پرواز ہے

گل ہر اک رنگ وفا پر لوٹ ہے
سبزہ بھی اپنی ادا پر لوٹ ہے

دے رہی ہے شاخوں کو جنبش صبا
جھولتے ہیں شاہد گلگوں قبا

لطف ساون کا چمن میں پاتی ہیں
ہر طرف پریاں ہنڈولا گاتی ہیں

قمریوں میں شرب مے کا زور ہے
جابجا حق سرہ کا شور ہے

ہوتے ہیں بیتاب دل برق تپاں
بولتے ہیں جب پپیہے پی کہاں

دل کو بھائی ہے فضا برسات کی
فخر کرتا ہوں دعا برسات کی

سید فخر الدین فخر
حیدر آبادی

ریویو

ادیب (ماہوار رسالہ۔ قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۱۰ مجموعیہ مقام اشاعت حیدرآباد دکن) تین سال سے شائع ہو رہا ہے۔ بعض مضامین اچھے ہوتے ہیں مضمون نگاروں کی فہرست علاوہ افراد مذکور کے بعض ارکان طبقہ اناث پر بھی مشتمل رہتی ہے۔ اس حیثیت سے کہ حیدرآبادی رسالہ ہے۔ ابنائے ملک کو اس کی اعانت کرنی چاہیئے تاکہ ملک میں لٹریری خادموں کی قدر ہونے لگے اور مذاق علمی بڑھتا جائے۔ ۹۰ صفحے کے حجم کی نسبت قیمت کم ہی رکھی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی گو متوسط لیکن حیدرآباد کی آب و ہوا کے لحاظ سے اچھی کہلانیکی مستحق ہے۔

آفتاب سخن (ماہوار رسالہ قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۱۰ مقام اشاعت پونہ) گذشتہ سال سے شائع ہوتا ہے۔ صرف منتخب غزلیں درج رہتی ہیں شیخ محمد عثمان صاحب شاد پونوی کے اہتمام سے نکلتا ہے۔ زلف و کمر اور سنبل و نرگس کے تخیلات اگرچہ آج کل کی طبیعتوں کو بھلے نہیں معلوم ہوتے لیکن جب انکی صداؤں سے ایسا شہر گونج رہا ہے جو مرہٹی بولتا اور مرہٹی کا ہیڈ کوارٹر کہلاتا ہے تو یہ بلبل و قمری والی آوازیں طرب خیز و مستانہ معلوم ہوتی ہیں اگر اس رسالہ نے آیندہ ترقی کی اور بمبئی و پونہ میں زباندان سخنداں پیدا کردئے تو بلبل و قمری کی صدائیں۔ گراموفون کی الاپوں سے بدل جاسکتی ہیں اور بجائے قدیم تخیلات کے جدید کارآمد شاعری کی بنیاد قائم ہوسکتی ہے۔

مرقع پیری ۲۰ صفحہ کی ایک مثنوی ہے۔ جس میں خضاب اور سنجن کے کچھ نسخے درج کئے گئے ہیں۔ دوائیوں کے نام اگرچہ داماں شعر میں جگہ پاگئے ہیں لیکن اُن کے اوزان کو جگہ نہیں مل سکی ہے۔ ورنہ وزن شعر کی سمائی ہوسکتی کہ "دو بادشاہ در اقلیمی نگنجند" اس لئے ہر دوائی کے نیچے اُس کی مقدار لکھدیگئی ہے

شاعرانہ حیثیت سے اس مثنوی کو کوئی رتبہ نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم اس کی یہ جدت ضرور قابل داد ہے۔ کہ نسخہ کے اجزا بتاتے بتاتے پند و نصیحت پر اُتر آتی ہے پھر بچپن جوانی بڑھاپے کے کچھ اوصاف گنانے لگتی ہے۔ آخر میں کچھ عاشقانہ رنگ بھی دکھاتی ہے۔ خاتمہ پر "علامہ عطریف۔ جہبذ الجھابذہ۔ محمد عبدالحی صاحب سعدی" کی تقریظ قابل دید ہے کہ اس میں باغ و بہار کا لطف آتا ہے۔ حیدرآباد دکن بیگم بازار کے شفا خانہ امدادی سے ہر جگہ مل سکتی ہے۔ ذیل میں اس مثنوی کے دو نسخے نمونہ کے طور پر درج کئے جاتے ہیں "یہ خضاب ایک گھنٹہ میں بالوں کو سیاہ تاب کر دیتا ہے تو اچھی طرح پہلے مازو جلا — نمک سنگ راسخ بھی اُسمیں ملا
بھگا آنولہ اُس کے پانی کو لے — اُسی میں سب اشیا کو تو بیں دے
لگا اپنے بالوں پر اُس کا خضاب — مبارک تماشائے عہد شباب

یہ منجن چوٹ کھائے ہوئے دانتوں کو اور ورم اور درد کو مفید ہے۔
سیہ مرچ و شب فوفل و آملا — نمک کات سرخ انکو میں ایک جا
بنا اس کا منجن لگا دانت پر — اثر ہوگا فی الفور مد نظر"

اقوال مسلمہ

۱۲ صفحہ کی ایک طویل نظم ہے جس کا نام کہے دیتا ہے کہ اقوال مسلمہ و امثال مشہورہ بیان کئے گئے ہونگے۔ ہمارے مہربان دوست جناب مولوی سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین حیدرآبادی سے ناظرین صحیفہ ناواقف نہیں ہیں۔ یہ نظم ان ہی کی پرگوئی کی تازہ تہاوت ہے۔ جس کے چند اشعار نیچے لکھے جاتے ہیں:۔

دل میں رکھنے کے ہی قابل کیا محبت ہی تو ہے — دیکھی آنکھوں میں جسکو جا مروت ہی تو ہے
کر دی جو انساں کو مستغنی۔ قناعت ہی تو ہے — گر نہ ہو دولت تو کیا پروا یہ دولت ہی تو ہے
نکبت و کلفت ہو جس سے دور محنت ہی تو ہے — جس سے حاصل ہو کشود کار ہمت ہی تو ہے
جس کے دل میں ہو نہ کچھ شر ہے فرشتہ وہ بشر — آدمی میں اور کیا ہے آدمیت ہی تو ہے

منفعل ہونا نہ عصیاں پہ خطا پر ہی خطا — جس سے دھو جائیں گنہ ۔ اشک ندامت ہی تو ہے
عقل رکھ کر وقت کو دولت نہ سمجھو حیف ہے — وقت کو سمجھو ہو کیا تم با وقت دولت ہی تو ہے
احتیاج است آن کہ شیراں را کند روبہ مزاج — ماجرا انساں جس سے ہو جاتا ہے حاجت ہی تو ہے
صبح ہو دیر آید و رست آید گر ی صبر آدمی — کام کو ابتر جو کر دیتی ہے عجلت ہی تو ہے
صحبت یاراں غنیمت بلکہ نعمت جانئے — جس سے لطف زندگی ہے لطف صحبت ہی تو ہے
وہ مکاں فردوس ہے جس میں نہ ہو شر و فساد — زن اگر ہو نیک سیرت حور جنت ہی تو ہے
کھو گئی جب آبرو تو زندگی کس کام کی — زندگی جس چیز کا ہے نام عزت ہی تو ہے
ہوں اقارب یا احباب سب ہیں راحت کے شریک — کوئی کام آتا نہیں ہیں میں مصیبت ہی تو ہے
آفتوں میں جو پھنساتا ہے وہ ہے اسراف ہی — جو مصائب سے بچاتی ہے۔ کفایت ہی تو ہے
فکر تربت کر کہ تعمیر محل ہے بے محل — گھر حقیقت میں تری زہنی کا تربت ہی تو ہے
ہے وجود حق پہ حجت یہ نمود کائنات — جس سے وحدت کا پتہ ملتا ہے کثرت ہی تو ہے
جو مصیبت سے ہیں کارہ دل میں سوچیں تو ذرا — یاد آتا ہے خدا جس میں مصیبت ہی تو ہے
جسقدر تم کمن ہو نیکی آج ہی کر لو ذہیں — کل کو تم کیا کر سکو گے کل قیامت ہی تو ہے

یہ نظم ۲ ریں دفتر صحیفہ سے مل سکتی ہے۔

رپورٹ انجمن عثمانیہ:۔ بابتہ سال سوم۔ یہ انجمن اورنگ آباد دکن میں تین سال سے قایم ہے۔ مکرم علی صاحب نامی اس کے سکرٹری اور نواب برزو جنگ بہادر صوبہ دار اورنگ آباد اس کے سرپرست ہیں۔ مذاق علمی کی اشاعت اسکی غایت ہے۔ ایک کتب خانہ اور ایک دار الاخبار اس کے اہتمام سے قائم ہے۔ سال حال میں اس کے ارکان کی تعداد (۷۵) ہے اور مجموعہ کا شمار (۱۴۱) تک پہونچا ہے۔ ۴۰۰ کتابیں نئی داخل ہوئی ہیں ۲۰ اخبار اور رسالے آیا کرتے ہیں۔ اس سال ۱۴۰۰ روپے وصول ہوئے اور اسی قدر اخراجات پیش آئے ہیں اٹھان اچھی ہے۔ خدا ترقی دے اور کام کرنیوالوں کو استقلال و استقامت بخشے۔ کہ یہی آج کل عنقا ہے۔

اڈیٹر

کے بت دے رہے ہیں۔ جب مسلمان دکن کے فرمانروا بنے تو مذہبی موانعات کی وجہ سے کوئی توجہ اس پتھر کی جانب نہیں رکھی جس کا نتیجہ ہوا کہ یہ صنعت تقریباً معدوم ہوگئی کہیں کہیں مٹی کے مجسمے تیار ہوتے رہے اور اُنپر رنگ وروغن کیا جاتا ہے مگر کام معمولی قسم کا ہوتا ہے۔ نمایشگاہ باغ عام میں ایسے بہت سے مجسمے پیش کئے گئے تھے۔ مگر افسوس ہے میں جن مقامات میں کہ وہ تیار کئے گئے تھے اُن کے نام میں دریافت نہیں کر سکا۔

مصوری۔ یہ ہنر بھی ہندوؤں کے زمانہ میں عروج پر تھا اور ہندوؤں کے مذاق کے مطابق تصاویر تیار ہوتی تھیں۔ مسلمانوں نے اس صنعت پر بھی بلحاظ موانعات مذہبی زیادہ توجہ نہیں کی۔ تاہم اُن کی تیار شدہ تصاویر ابھی موجود ہیں امراے حیدرآباد کے نگارخانوں میں قدیم زمانہ کی تصاویر بہت کچھ موجود ہیں اور اُن میں سے بعض اپنے کمال کا عمدہ نمونہ ہیں۔ اب جدید تہذیب کی بدولت پھر زمانۂ حال کے اسٹایل پر واٹر کلر و آیل پینٹنگ دونوں قسم کی تصاویر تیار ہونے لگے ہیں بہت سے پارسی ہندو مسلمان معززین بھی شوقیہ اس فن کو ترقی دینے میں مصروف ہیں۔ ہز اکسلینسی مہاراجہ مدار المہام سرکار عالی اور عالی جناب نواب سالار جنگ بہادر بھی اس فن سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ نمایشگاہ باغ عام میں بہت سے حضرات نے اپنی اپنی تیار کردہ تصاویر پیش کئے تھے اور اُن میں سے بعض نہایت نفیس اور اپنے بنانے والوں کی مذاق سلیم کی شہادت دے رہے تھے۔

بت تراشی اور مصوری کے لیے مذکورہ بالا مسطور بالکل ناکافی ہیں۔ لیکن اس مختصر میں اس سے زیادہ کی گنجایش نہیں ہے۔

فوٹوگرافی کے کارخانے تیس چالیس حیدرآباد میں قائم ہیں۔ اور بعض مستقر اضلاع میں بھی قائم ہوے ہیں۔ مگر اُس کے لیے کل سامان باہر سے لانا پڑتا ہے۔ سرس ڈین ویال انڈسنس کے کارخانہ نے خاص

شہرت پیدا کی ہے اور وہ بمبئی کلکتہ کے بڑے بڑے کارخانوں سے مقابلہ کرنے میں کسی طرح کم نہیں۔ بہت سے معززین بھی شوقیہ اس کام میں دلچسپی لیتے ہیں۔ ابھی اس میں ترقی کے لیے وسیع میدان موجود ہے اور وہ اُسی وقت ممکن ہے جب پریس کو بھی ترقی و استحکام نصیب ہو۔

خطاطی۔ خوشنویسی۔ نقاشی۔ ان صفتوں کے باکمال ہنرمند اورنگ آباد۔ گلبرگہ۔ بیدر میں اُن شہروں کے وقت موجود تھے۔ لیکن بلحاظ اس کے کہ ان کے کمالوں کی قدر سلطنت کے مرکزوں میں ہوا کرتی ہے۔ ان مقامات سے دارالسلطنت اُٹھ جانے سے پھر اُن باکمالوں کے جانشین پیدا نہ ہو سکے۔ حیدرآباد میں پہلے بھی بڑے بڑے صاحب کمال خوشنویس اور نقاش موجود تھے جن کا کمال اعلیٰ درجہ کا تھا اور اب بھی بہت ذی ہنر موجود ہیں۔

میر شاکر علی صاحب کا نام خاص طور پر قابل تذکرہ ہے جن کے مقابل کا خوشنویس اور نقاش شاید ہندوستان بھر میں اب کوئی نہ ہوگا۔ میر صاحب نے نمایش گاہ باغ عام میں ایک آئینہ پیش کیا تھا جو تقریباً ڈیڑھ گز طویل اور پون گز عریض تھا۔ اس آئینہ پر پیل بوٹے کندہ کئے گئے اور اُن میں پوری گلستاں اعلےٰ درجہ کے کمال سے لکھی گئی تھی۔ جس دن کو سن میری بحیثیت پرنسز آف ویلز اس نمایش گاہ میں آئی تھیں اُسی دن ہوا کی شدت سے گر کر ٹوٹ گیا اور اُس کے آٹھ دس ٹکڑے ہو گئے۔ اسکے بعد سرکار نے بحیثیت مال لاوارث اس کو نیلام دوسرے سامان نمایش میں فروخت کر دیا ایک قدردان نے اُس کو تین روپیہ میں خرید لیا اس کے دو تین چھوٹے ٹکڑے دوران نمایش میں تلف ہو گئے۔ باقی کل حصہ موجود ہے اور اب بھی اپنے کمال کی شہادت دے رہا ہے۔

مہر کنی۔ پیشل اور یمنی کی مہریں حیدرآباد میں کندہ کیجاتی ہیں اور اچھی

ہوتی ہیں موذگر اہم بھی ہر قسم کے تیار کئے جاتے ہیں۔ جو بلحاظ نفاست و خوبی کل ہندوستان میں بے نظیر ہیں۔ خصوصاً عربی و ترکی وضع کے طغرے اعلے درجہ کے ہوتے ہیں۔ ربر کی مہریں بھی اچھی تیار ہوتی ہیں۔ زمانہ گزشتہ میں بھی بہت سے قابل ترین مہرکن حیدر آباد اور اسلامی دار السلطنتوں میں موجود تھے بعہد اعلیحضرت غفرانمآب میر نظام علیخاں بہادر مرزا فاضل اور محمد طاہر اس میں مشہور و معروف تھے۔

جلد بندی۔ حیدر آباد میں ابری۔ کالیکو اور چمڑے کی جلدیں بہت ہی عمدہ تیار ہوتی ہیں۔ طلائی و نقرئی نقش و نگار ٹھپہ سے کئے جاتے ہیں اور حیدر آباد کی مروجہ ہر زبان میں جلدوں پر نام طلائی و نقرئی حروف میں اچھے خط میں لکھا جاتا ہے۔ جلد بندی میں حیدر آباد برٹش انڈیا کے کسی پریسیڈنسی ٹون سے کم درجہ پر نہیں ہے۔ دوسرے بڑے بڑے قصبات میں بھی معمولی جلد سازی ہوتی ہے۔ قدیم وضع کی جلدیں جن میں کثرت سے طلائی کام کیا جاتا تھا۔ اورنگ آباد حیدر آباد اور دوسرے مرکز سلطنت مقاموں میں تیار ہوتی تھیں۔ اب فیشن بدل جانے کی وجہ سے تیار نہیں ہوتی ہیں قدیم کتب خانہ میں پرانی وضع کی مجلد کتابیں موجود ہیں اور ابھی تک اُن پر قدامت کا اثر بہت کم ہوا ہے۔

مطابع۔ فنون نفیسہ کے ضمن میں مطابع کا مختصر ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا جو علوم و فنون کو پبلک کے ہاتھ میں پہونچاتے ہیں مگر حیدر آباد کے مطابع نہایت پست ترین حالت میں ہیں سب سے پہلے لیتھو کا مطبع ساٹھ ستر سال پیشتر غالباً نواب امیر کبیر مرحوم اولی نے قائم کیا تھا جن کے علمی مشاغل اور ہنر پروریاں محتاج بیان نہیں ہیں اس کے بعد رفتہ رفتہ اور مطابع قائم ہوتے گئے۔ ہز اکسلنسی سر سالار جنگ اعظم کے دور میں زیادہ ترقی ہوئی۔ اب حیدر آباد میں سو جوبدستی پریس لیتھو کے قائم ہیں اور بعض اضلاع

کے مستقروں پر بھی ایک ایک دو دو پریس موجود ہیں۔ مگر سب کے سب ادنی حالت میں ہیں کثیر ترین مطابع میں صرف ایک ہی پریس سے کام ہوتا ہے۔ بہت کم ایسے ہیں جن میں دو پریس کام کرتے ہوں تین یا زیادہ تو دو چار ہی مطابع میں ہیں کام خراب ہوتا ہے۔ وقت پر نہیں ملتا۔ ٹائپ کے اردو فارسی پریس بھی چار پانچ موجود ہیں مگر وہ بھی ادنی حالت میں ہیں ٹائپ کا انگریزی پریس غالباً پہلے پہل رزیڈنسی میں قائم ہوا اور پھر اس کے بعد سکندر آباد و رزیڈنسی میں خانگی مطابع قائم ہوا یہ مطابع کچھ زیادہ ترقی یافتہ حالت میں نہیں ہیں کسی میں بھی اسٹیم کے ذریعہ کام نہیں ہوا کرتا دو چار پریس سے زیادہ کسی کے پاس بھی نہیں ہیں۔ پریس کی ایسی پس ماندہ حالت کی ذمہ دار زیادہ تر گورنمنٹ کی سخت نگرانی ہے۔

آلات موسیقی۔ ستار۔ سرود۔ سارنگی۔ طنبورا۔ یکتارہ۔ طبلہ۔ دائرہ۔ دف۔ مردنگ۔ ڈھول۔ تاشہ۔ جھانج۔ الگوجہ۔ بین۔ نقارے۔ نفیری۔ قرنہ۔ مجیرے۔ شہنائی وغیرہ حیدر آباد میں تیار ہوتے ہیں۔ پیشتر بہت سے مقامات میں کثرت سے تیار ہوتے تھے لیکن آج کل یورپین: بینڈ ہارمونیم۔ پیانو۔ گراموفون اور دوسرے چھوٹے دستی اور منھ سے بجانے کے آلات کا رواج کثرت سے ہو رہا ہے اس لیے پرانی طرز کے آلات موسیقی کی قدر کم ہو گئی ہے۔ ہارمونیم پیانو وغیرہ آلات موسیقی کی درستگی حیدر آباد کی دکانوں اور شاپوں میں اچھی طرح ہو سکتی ہے

فصل ہشتم

اشیاء متفرق

کاغذ۔ دولت آباد کے ایک محلہ موسوم بہ کاغذی پورہ کو جو اب

ایک چھوٹے سے گاؤں کی حیثیت میں آباد ہے کئی صدیوں سے خاص شہرت کاغذ سازی میں حاصل تھی اور یہاں کا بنا ہوا کاغذ کشمیری کاغذ کا مقابلہ کرتا تھا اُس کی کئی قسمیں ہیں۔ نظام شاہی۔ شایستہ خانی۔ بہادر خانی۔ رحمان خانی۔ شربتی۔ مہرہ وار وغیرہ سب سے زیادہ قیمتی کاغذ بہادر خانی تھا جس کی قیمت فی دستہ ۲۵ تک ہوتی تھی اور ارزاں شربتی تھا جو فی دستہ عہ۱۱ تک ملتا تھا ہر قسم کی سرکاری خط و کتابت اور امرا و رؤسا میں اسی مقام کا کاغذ مستعمل ہوتا تھا۔ کتابیں اور دستاویزات بھی ان ہی کاغذات پر لکھی جاتی تھیں ان کاغذوں کی پائداری و استحکام کی یہ حالت ہے کہ صدیاں گزر جاتی ہیں اور کسی قسم کا تغیر نہیں آتا۔

دولت آباد کی ویرانی اور تباہی کے ساتھ ہی وہاں کی صنعت پر اثر پڑنے لگا۔ تاہم تیس چالیس سال پیشتر پانچ سات گھر اُس کی تیاری میں مصروف تھے اور اس کی بدولت خوش حالی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ یوروپین کاغذ کے رواج کے ساتھ یہاں کی صنعت پر تباہی آگئی اور اب صرف دس بارہ گھروں میں کاغذ بنا کرتا ہے اور وہ بھی معمولی طور پر یہاں کے کاغذ بنانے والے مسلمان ہیں۔ دولت آباد کے ماسوا۔ حیدر آباد۔ چنچلگوپہ۔ ضلع بیدر (جاگیر پائگاہ نواب سر آسمانجاہ بہادر مرحوم) مجاہد پیٹہ ضلع ناندیڑ (جاگیر نواب سر خورشید جاہ بہادر مرحوم) کریم نگر۔ جگتیال۔ کورٹلہ۔ دیمل واڑہ وغیرہ قصبات و دیہات ضلع کریم نگر۔ محبوب نگر کے متعدد دیہات و قصبات میں بنتا ہے مگر اول نے قسم کا ہوتا ہے۔ پیشتر یہ مقامات بھی اچھی حالت میں تھے مگر اب زوال پذیر ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کلوں کا بنا ہوا کاغذ نہایت کثرت سے آکر اس قدر ارزاں قیمت پر فروخت ہوتا ہے کہ کسی طرح اُس کا مقابلہ ہاتھ سے بنا ہوا کاغذ نہیں کر سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ملکی کاغذ کا استعمال ہر ایک جگہ متروک ہو رہا ہے جو موجودہ حالت ہے وہ بھی

صرف جریدۂ اعلامیہ کے ملکی کاغذ پر شایع ہونے اور بعض سرکاری دفاتر اور مہاجنی کاروبار میں اس کے استعمال ہونے کی وجہ ہے۔ ادنی درجہ کا دیہی کاغذ حلوائی مٹھائی کی ٹوکریاں باندھنے کے لیے بہت کچھ خریدتے تھے پانچ چھ سال سے یوروپ کے روئی اخبارات آکر اونی درجہ کے دیسی کاغذ سے زیادہ ارزاں فروخت ہونے لگے تو وہی اب کام میں لائے جانے لگے ہیں۔ بہرحال کاغذ سازی کو بہت کچھ زوال ہوا ہے اور بہت کم امید ہے کہ اس صنعت کو ترقی ہو سکے بجز اوپر کے کہ اسٹیم سے کام لیا جائے

ریشوں کی اشیا۔ ممالک محروسہ میں اشیائے ذیل سے ریشہ نکالا جاتا ہے سن: اس سے ٹاٹ۔ تھیلے رسیاں چھینکے تیار ہوتے ہیں۔ اناڑہ۔ کھجور ناریل کے ریشوں سے بھی رسیاں تیار ہوتی ہیں۔ آری گداوری سے چھینکے بنائے جاتے ہیں۔ ناگاسہ کو قالین بافی اور ٹاٹ کے کام میں لاتے ہیں

بوریے۔ ریشوں کی اشیا اکثر دیہات میں تیار ہوتی ہیں اور مقامی استعمال میں آتی ہیں۔ ٹوکریاں۔ پٹاریاں۔ پنکھے۔ چلمنیں اور اسی قسم کی اشیا حیدرآباد اور قصبات میں کثرت سے تیار ہوتی ہیں۔ جو بانس اور کھجور و تاڑ کی پتوں سے بنائے جاتے ہیں حیدرآباد کا کام اچھا ہوتا ہے رنگین و سادہ دونوں قسم کی اشیا تیار ہوتی ہیں۔ پنکھے خس اور مور کے پروں کے بھی بنائے جاتے ہیں۔ اورنگ آباد میں مور کے پروں وغیرہ کے پنکھے۔ مورچھل چنور نفیس تیار ہوتے ہیں۔

رنگ۔ نیل کسم۔ چہرا پنجی کے رنگ اکثر اضلاع میں تیار کیے جاتے ہیں حیدرآباد۔ اورنگ آباد۔ جالنہ۔ سیدک۔ نہکنڈہ۔ ایلگندل کو خاص شہرت حاصل تھی۔ رنگ نہایت پختہ اور بہت ہی اچھے ہوتے تھے برسوں تک قائم رہتے تھے مگر مصنوعی نیل اور پوڑیہ کے رنگوں کی وجہ سے یہ صنعت بالکل خراب اور برباد ہو گئی ہے صرف جالنہ میں اچھی طرح یہ کام جاری

دکھائی دیتا ہے عموماً رنگریز پوڑی کے رنگوں کا استعمال کرتے ہیں۔ حیدرآباد میں کپڑے نہایت عمدگی سے رنگے جاتے ہیں۔

روغن۔ ارنڈی۔ تل۔ السی۔ کڑو۔ کاریلا۔ ناریل۔ سیاہ تیل۔ سیم کی پھلی۔ مہوہ۔ بنولہ وغیرہ کے تیل ہر ایک بڑے گاؤں اور تمام قصبات میں گھانوں کے ذریعہ نکالے جاتے ہیں۔ اور بہت سے غربا کی وجہ معیشت اُسی پر ہے۔ خوشبودار تیل مثل چمیلی۔ موتیا۔ گلاب کے تیل حیدرآباد۔ اورنگ آباد گلبرگہ میں تیار کئے جاتے ہیں اور اچھے ہوتے ہیں تاہم کثیر مقدار میں خوشبودار بیرون ملک سرکار عالی سے آتے ہیں۔

عطر۔ حیدرآباد۔ اورنگ آباد۔ گلبرگہ میں ہر قسم کا تیار ہوتا ہے۔ حیدرآباد کا عطر کیوڑہ خصوصیت کے ساتھ تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ عطر اور خوشبودار تیلوں کا استعمال روز بروز کم ہوتا جارہا ہے اور اُس کی عوض لیونڈر۔ سینٹ وغیرہ کا رواج کثرت سے ہوگیا ہے۔

شکر۔ گڑ۔ **مصری**۔ اُن تمام اضلاع میں جہاں نیشکر کی کاشت ہوتی ہے گڑ مصری۔ سرخ سفید شکر۔ قدیم طریقوں پر تیار ہوتی ہے۔ کل ہندوستان کی طرح ممالک محروسہ کی شکر سازی کو بیرونی شکر کی بکثرت درآمد نے سخت نقصان پہونچایا ہے۔

گھڑی سائیکل۔ پیانو۔ سیونگ مشن۔ گراموفون وغیرہ کو درست کرنے کی دکانیں۔ حیدرآباد۔ اورنگ آباد اور ریلوے لاین پر کے بڑے بڑے قصبات میں موجود ہیں۔ حیدرآباد کی بعض دکانوں میں کام اچھا ہوتا ہے۔ موٹر کار کی مرمت بھی حیدرآباد میں ہونے لگی ہے۔

دواسازی۔ **دنداں سازی**۔ کی متعدد دکانیں حیدرآباد میں موجود ہیں اور بعض کثیر سرمایہ سے جاری ہیں۔

مسکرات۔ اشیائے مسکرات کی تیاری بھی ایک حرفت ہی ہے مگر ایسی

حرفت جس کی ترقی کے لیے کسی ملک و قوم کو مبارکباد نہیں دیجا سکتی۔
بدقسمتی سے کل ہندوستان کی طرح دکن میں بھی مسکرات کا استعمال کثرت
سے رائج ہو رہا ہے اسی وجہ سے اُن کی تیاری میں ہزاروں لاکھوں افراد
مشغول ہیں تجارت اور حرفت میں مسکرات کے پیشہ سے بڑھکر کوئی سہل
اور زیادہ منافع والا پیشہ نہیں خیال کیا جاتا ہے۔ پندرہ بیس سال پیشتر
محاصلات آبکاری سے سرکار کو تیس پینتیس لاکھ تک کی آمدنی ہوا کرتی
تھی اب ترقی کرتی ہوئی پچاس ساٹھ لاکھ روپیہ تک پہونچ گئی ہے اور
ہر سال بڑھتی جارہی ہے۔ سرکار عالی نے محاصل آبکاری وصول کرنے
کی پالیسی برٹش انڈیا کے اصول پر رکھی ہے یعنی محاصل آبکاری اس بنا
پر لئے جائیں کہ اُن کے نہ لئے جانے کی صورت میں استعمال مسکرات
بڑھ جائے گا۔ اور ساتھ ہی کوشش کی جائے کہ اُن کا استعمال ترقی نکرے
مگر یہ کہنا حقیقت سے بعید نہیں ہے کہ ابھی تک عملی طور پر بہت کم کوشش
سرکار عالی نے استعمال مسکرات کم ہونے کے لیے کی ہے۔ مگر اس کا
الزام سرکار کے ساتھ ہی رعایا پر بھی اور رعایا میں اُس طبقہ پر جو مسکرات
کا عادی نہیں ہے لگانا چاہیے کیونکہ اُس نے سرکار کا ہاتھ اس میں
نہیں بٹایا ہے۔ کم از کم جدید دکانوں کی اجرا وغیرہ کے وقت اگر رعایا
عذرداری کرتی تو وہ جاری نہ ہونے پائیں گے مگر خوشی کی بات ہے
کہ اب سرکار کی توجہ اس کی جانب مبذول ہوئی ہے سب سے پہلے
سکندرآباد کی چھاؤنی میں دکانوں کے کم کرنے کا انتظام ہوا ہے امید
ہے کہ اسی طرح برٹش انڈیا کے اصول کے قدم بقدم کوشش ہوگی کہ
اس تباہ کن ملک و قوم خرابی کی جڑ کاٹی جائے۔ دکن کے مسکرات
میں سب سے زیادہ مروج سیندھی اور مہوہ کی شراب ہے۔ اس کے
بعد گانجہ بھنگ۔ چرس۔ مدک وغیرہ ہے۔ افیون کی کاشت برٹش انڈیا

نفع کی خاطر سے دکن میں عرصہ سے بند کرا دی گئی ہے اور اُس کی جس قدر ضرورت ہوتی ہے وہ برٹش انڈیا سے لائی جاتی ہے۔

تمباکو سے بیڑیاں چیٹے۔ گڑاکو بھی بکثرت تیار کیا جاتا ہے مگر یہ چیزیں ایسی عمدہ نہیں ہوتیں کہ وہ بیرونی درآمد سے ملک کو مستغنی کر دیں۔

ولایتی شراب اور کوکین کا استعمال بھی ملک میں نہایت کثرت سے رائج ہو رہا ہے۔ ہندوؤں اور دوسری ایسی قوموں کو چھوڑ کر جن میں شراب مذہباً ممنوع ہے مسلمان شرفا میں نہ صرف مردوں میں بلکہ پردہ نشین شریف مسلمان خواتین تک میں اُس کا رواج ہو گیا ہے۔ یہ کہنا درست ہے کہ آج کل مسلمان شرفا جنھوں نے کچھ بھی حصہ مغربی تعلیم سے حاصل کیا ہے اور جو یوروپین وضع کے لباس میں اپنے آپ کو رکھتے ہیں اُن میں بہت کم ایسے ہیں جو ولایتی شراب نہیں پیتے۔ بلکہ اُن لوگوں پر تعجب نہ کرنا چاہیئے جو شراب پیتے ہیں راقم الحروف بہت سے مسلمان نوجوانوں کو جانتا ہے جو شرفا کی اولاد ہیں۔ متمول ہیں۔ ذہین ہیں ہر طرح فراغ بالی اُن کو نصیب ہے۔ مگر بجائے اس کے کہ تعلیم میں ترقی کریں اور اپنے آپ کو ملک و قوم کی خدمت کے قابل بنائیں موجودہ نسل کے اچھے قائم مقام نہیں۔ فیشن، شراب، زناکاری، پر مرمٹے ہیں۔ ان کو بجز ان تین چیزوں کے اور کسی چیز میں مطلقاً دلچسپی نہیں ہے اور اپنے ان شوقوں کی بدولت حمیت کو تباہ دولت کو برباد اور اپنی عزت و رتبہ کو ذلیل کر چکے ہیں۔ شراب ولایتی کے رواج کی ایک بڑی وجہ اُس کا بآسانی دستیاب ہو جانا ہے۔ مثلاً ترب بازار میں عابد کی شاپ سے رتنم فرام کی شاپ تک دو سو گز کا فاصلہ ہے مگر اسی قدر فاصلہ میں علاوہ دو چار میوہ کی شراب کی دوکانوں کے تین ولایتی شراب کی فیشن ایبل شاپیں ہیں جہاں چلر شراب بھی فروخت ہوتی ہے۔ ولایتی شراب کی شاپوں

ہیں شام کے وقت شرفا جاتے' نکلتے' اور دور سا غر لگاتے نظر آتے ہیں۔
افسوس کہ ان میں زیادہ تعداد مسلمانوں کی رہتی ہے۔ شراب کے کثرتِ استعمال کی بڑی ذمہ واری آنریبل فنکشن اور ملٹری مس ہوسز میں بہ آسانی عمدہ ترین شرابوں کا دستیاب ہونا ہے۔ جب اعلیٰ ترین طبقہ امرا میں اس کا رواج ہوا تو پھر متوسطین کے طبقہ میں بھی تقلیداً یہ رائج ہوگئی۔

یہی حالت کوکین کے استعمال کی ہے اگرچہ سخت ترین قواعد اس کے روکنے کے لیے جاری ہیں مگر اسکی باوجود اس کے کھانے والوں کے پاس درجنوں گرین کوکین موجود رہتی ہے۔

طبقہ شرفا کو چھوڑ کر عوام الناس کے مسکرات کے استعمال کا اندازہ سہ پہر کے وقت حیدر آباد کے دروازوں پر جانے سے ہوتا ہے جہاں عورت' مرد' بوڑھے' جوان' بچے' ہندو' مسلمان' ہزاروں کی تعداد میں نہایت بے شرمی و بیفکری کے ساتھ نشہ بازی کرتے اور ہنگامے مچاتے ہیں افسوس ہے کہ ملک کی اس اخلاقی حالت سے علما مشایخین اور پنڈت و سادھو' بالکل غافل ہیں اور سب کے سب نفس پروری میں مصروف ہیں اور صدیوں کی دہرائی ہوئی حکایتوں کو حال و قال کے ساتھ سنانے کو ہی اپنی زندگی کا منشا خیال کرتے ہیں۔

مذکورۂ بالا حرفتوں اور صنعتوں کے ساتھ کچھ اور بھی حرفتیں ہیں۔ مگر اُن کا تذکرہ غیر ضروری اور ناقابل اعتنا ہے۔

فصل نہم

اسٹیم کے کارخانے

اسٹیم سے چلنے والے کارخانوں کے متعلق سرکار عالی بہت کم

اطلاعیں پبلک کی آگاہی کے لیے شایع کرتی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کہاں کہاں کن کن چیزوں کے کارخانے ہیں اُن کے مالک کون ہیں۔ کیا سرمایہ ہے۔ نہ اس امر کا انتظام ہے کہ کارخانوں کی وقتاً فوقتاً دیکھ بھال ہو سکے۔ نہ اُن کے متعلق قانون نافذ ہے نہ اُن میں سرمایہ لگانے والوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے حسابات وغیرہ کی جانچ ہوتی ہے۔ نہ قیام کارخانہ جات کی آسانیاں پیدا کی گئی ہیں حالانکہ یہ چیزیں سب کی سب برٹش انڈیا میں بھی موجود ہیں اور اس وجہ سے یہ ناممکن ہے کہ میں تفصیل کے ساتھ ان کے متعلق لکھ سکوں۔ تاہم جو کچھ مواد مختلف دفاتر سرکاری وغیرہ سے حاصل ہوا ہے وہ لکھ دیا جاتا ہے۔

حیدرآباد گودادری ویالی ریلوے کے قیام سے پیشتر تین اسپننگ ویونگ ملوں اور چند برف کی چھوٹی چھوٹی گرینوں کے ماسوا خانگی کارخانے موجود نہ تھے اور اسی وجہ سے اُن کے متعلق جو اہتمام برٹش انڈیا میں ہے یہاں نہ تھا مگر ریلوے اور دیگر ورسائل رسل ورسایل کی توسیع، تجارت کی افزایش۔ کپاس کی کاشت کی بدولت بیسیوں کارخانے ملک میں قائم ہو چکے اور بیسیوں کے قیام کی درخواستیں گورنمنٹ میں اس امر کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے کہ اُن کے متعلق سرکار خاص اہتمام و انتظام کرے۔ سرکار کی توجہ بھی مبذول ہو رہی ہے۔

اگرچہ بکثرت کارخانے دخانی طاقت سے چل رہے ہیں اور ہر ایک اُس قصبہ میں جہاں ریل کا اسٹیشن ہے۔ کارخانوں کی چمنیاں نظر آتی ہیں۔ مگر چار پانچ کے ماسوا سب کی غرض یہی ہے کہ ملک کی پیداوار خام یورپ و امریکہ میں بآسانی پہونچائی جائے اور اُن کے مالک بھی زیادہ تر اہل بمبئی ہیں جنھوں نے کمی مصارف کے لحاظ سے یہاں کارخانے قائم کروئے ہیں۔ ایسے کارخانے جو ملک کی دولت ملک میں رکھتے

اور غیروں کے دست نگر بننے سے نجات دلا سکتے ہوں۔ کثیر التعداد بے روزگاروں کے لیے ذریعہ معاش ہو سکتے ہوں بمترلۂ معدوم ہیں۔

اس کے کیا وجوہات ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کارخانوں کے قیام کے لیے ضرورت ہے روشن خیالی کی۔ بہت بڑے سرمایہ کی۔ مشترکہ محنت کی ایکسپیجنج اور فن تجارت کی بھول بھلیوں سے آگاہ رہنے کی الکٹریکل و مکانیکل انجینروں کی ان چیزوں کا وجود حیدرآباد میں بہت کم ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں کے پاس روپیہ ہے وہ اس کو ایسے مفید کاموں میں نہیں لگاتے۔ اور جن کے پاس روپیہ نہیں وہ سرکاری ملازمت یا وکالت وغیرہ کے سوا اور کوئی ذریعہ معاش نہیں بنا سکتے۔

ممالک محروسہ میں آج سے پچیس تیس سال پیشتر حیدرآباد۔ اورنگ آباد گلبرگہ میں ایک ایک اسپننگ مل بڑے جوش و دھوم کے ساتھ قائم کی گئی۔ گلبرگہ مل کا سنگ بنیاد اعلیحضرت بندگانعالی نے رکھا۔ ہز اکسلنسی سر سالار جنگ عماد السلطنتہ نے اس کا افتتاح بہت کچھ امیدوں کے اظہار کے بعد کیا تھا اس کے بعد لوہے کا کارخانہ راجہ گردھاری پرشاد متوفی نے محمد قاسم صاحب کے زیر اہتمام جاری کیا۔ نیز مسرس عبدالرزاق کمپنی نے شکر کا کارخانہ جاری کیا۔ مگر ان کارخانوں کی اجرا سے بہت کم فائدہ مالکوں کو حاصل ہوا۔ کیونکہ ان کمپنیوں کے ڈائرکٹر زیادہ تر ایسے لوگ تھے جن کو کارخانوں کے قیام کا عملی تجربہ نہ تھا۔ اور قبل از پورا سرمایہ فراہم کرنے کے وہ جاری کر دیئے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل سرمایہ کلوں کی خریداری مکان کی تعمیر میں صرف اور روزمرہ اخراجات کے لیے رقم سود پر قرض لینی پڑی۔ نیز انجینروں اور بڑے بڑے کاریگروں کو بمبئی سے زیادہ ماہواروں سے بلانا پڑا۔ ان سب

باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ نفع سود کی ادائی میں صرف ہونے لگا اور جو بچا اُس کو مینجنگ ڈائرکٹر نے اپنے معاوضہ کے نام سے لے لیا۔ گورنمنٹ نے جائنٹ اسٹاک کمپنیوں کے حسابات کی جانچ کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا اس لئے مینجنگ ڈائرکٹروں وغیرہ پر کوئی مواخذہ نہ ہو سکا۔ ان نقصانات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزید کارخانوں کے قائم کرنے میں اہل ملک کا جوش سرد پڑ گیا۔

گوداوری ویالی ریلوے کے ساتھ ہی کپاس کی کاشت میں عظیم ترقی ہوگئی اور اُس کو بغیر جننگ و پریسنگ بمبئی کو روانہ کرنے میں عظیم بار تاجروں پر پڑنے لگا۔ اور اس بار سے محفوظ رہنے کے لیے بعض تاجران روئی نے حیرت انگیز مستعدی کے ساتھ نہ صرف ریلوے لائن پر واقع شدہ قصبات بلکہ اُن مقامات میں بھی جہاں سے ریلوے لائن کسی قدر فاصلہ پر ہے پریسنگ و جننگ کے کارخانے قائم کر دیئے نیز روغن نکالنے دھان صاف کرنے میں بھی اسٹیم سے کام لینے لگے بمبئی کے کارخانہ داروں کے نفع کو دیکھ کر ملک کے بعض ساہوکاروں ستاجروں جاگیرداروں وغیرہ نے بھی اسی قسم کے کارخانے قائم کر دیئے ان میں سے بعض جاگیرداروں کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔ کیونکہ اُن کو کارخانہ چلانا آتا تھا نہ شہر چھوڑ کر مقام کارخانہ پر مقیم رہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خائن ملازموں نے خود نفع پیدا کر لیا اور مالک کو نقصان پہونچایا۔ ان کے سوا علی العموم مالکوں کو ابتدا میں کثرت سے منافع ملا۔ مگر جب اُن کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے تو اب یہ حالت ہے کہ جس سال فصل عمدہ ہوتی ہے اور کپاس کی پیداوار بافراط ہوتی ہے تو پورے اسٹیم کی طاقت سے ۲۴ گھنٹوں کے عرصہ میں پندرہ سولہ گھنٹہ تک کام ہوا کرتا ہے اور کافی نفع ملتا ہے سال کے دوسرے دنوں اور فصل خراب ہونے کی حالت میں پوری طاقت سے کام نہیں لیا جاتا اور نفع زیادہ نہیں ملتا۔ بعض وقت آپس میں

کارخانہ دار نرخ میں مقابلہ کر کے خود بھی نقصان اُٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی نقصان میں ڈالتے ہیں۔ جس قدر سرمایہ ان جننگ اور پریسنگ ملوں میں لگایا گیا ہے اُسی سے دس بارہ اسپننگ اور ویونگ کی گرنیاں قائم ہو جاتیں جہاں نہ صرف جننگ و پریسنگ کا کام ہو جاتا بلکہ سوت و پارچہ تیار ہو کر بہت سے اہل ملک کے نفع کا باعث ہوتا۔

کچھ عرصہ سے بعض کارخانہ داروں کو اسپننگ اور ویونگ ملز قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے مگر سنا جاتا ہے کہ ریونیو لیکر یٹ سے اُن کی اجازت دینے میں اس بنا پر تامل کیا جاتا رہا تھا کہ ایسی گرنیوں کے قیام کے متعلق قانون نافذ نہیں ہے اور دو تین درخواست گزار جنھیں پانچ، سات سال پیشتر گرنی قائم کرنے کی اجازت دی جا چکی تھی اُس کو جاری نہ کر سکے یہاں اجازت نہ ملنے کے باعث دو تین متمول ساہوکاروں نے قلمرو سرکار انگریزی میں اسپننگ ویونگ مل جاری کر دئے ہیں۔ چونکہ اب کونسل وضع قوانین سے قانون بایلر نافذ ہو چکا ہے اس لیے امید ہے کہ اب سرکار اور سرمایہ دار دونوں کی مشترکہ کوشش ملک کی ترقی کے لئے دخانی طاقت کا استعمال زیادہ مفید طریقہ سے کئے جانے پر مبذول ہو گی۔

گرنیوں کے قیام کے سبب سے مرہٹواڑی میں جہاں پیشتر سے ایندھن کمیاب اور زیادہ گراں قیمت سے ملنے لگا ہے۔ اگرچہ احکام سرکاری کی رو سے لکڑی کا گرنیوں میں جلانا ممنوع ہے مگر کہا جاتا ہے کہ کارخانہ دار اُس کی تعمیل نہیں کرتے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بہت سے مالکان کارخانجات نے بمبئی وغیرہ کے متعلقہ آلات و مشنری گرنیوں میں نصب کئے ہیں اور اُس میں بعض کی خطرناک حالت ہے۔ اس کے متعلق حکام مقامی کی خاص توجہ مبذول ہونی ضروری ہے۔

کارخانہ داروں کو شوارع عام کے اچھے نہ ہونے اور قصبات میں

انتظام آب رسانی ناقص رہنے کی شکایت ہے۔ مزدور کو کارخانہ داروں کے بُرے سلوک کی بھی بعض وقت شکایت رہتی ہے۔ ان سب امور پر سرکاری خاص توجہ مبذول ہونی ضروری ہے۔

ذیل میں ایک فہرست اُن شخصوں یا کمپنیوں کی درج کی جاتی ہے جن کو دخانی طاقت سے کارخانہ چلانے کی اجازت سرکار سے دی جا چکی ہے۔ یہ فہرست بعض احباب کی مہربانی اور افسران سرکاری کی عنایت سے حاصل ہوئی ہے۔ جہاں تک معلوم ہو سکا تھا ایسے لوگوں کے نام خارج کر دیئے گئے ہیں جنھوں نے کارخانہ قائم نہیں کیا۔ تاہم ابھی چند ایسے نام موجود ہیں۔ ان کا خارج کرنا میرے امکان سے خارج ہے۔ کیونکہ اُن کے متعلق کوئی اطلاع بہم نہ ہو سکی۔ ان کارخانوں کے سرمایہ وغیرہ کے متعلق تفصیلی حالات بھی سرکاری رپورٹوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے درج نہ ہو سکے۔

کاٹن اسپننگ اینڈ ویونگ ملز سوت کاتنے اور سوتی پارچہ بننے کی گرنیاں۔

نام	مقام	سرمایہ مجوزہ	سرمایہ محصلہ	تکلے	کارگھوں	کاریگر
اسپننگ اینڈ ویونگ کمپنی لمٹڈ	حیدرآباد	۱۰ لاکھ کلدار	۱۰ لاکھ کلدار	۱۵۹۶	۲۰۰	۶۶۹
محبوب شاہی مل کمپنی لمٹڈ	گلبرگہ	۲۵ لاکھ سکہ مجیدی	۱۲ لاکھ سکہ مجیدی	۲۱۰۳۶	۲۲۴	۹۷۵
اسپننگ اینڈ مینوفیکچرنگ کمپنی	اورنگ آباد	۲۵ لاکھ سکہ مجیدی	۱۲ لاکھ سکہ مجیدی	۱۶۳۰۶	۱۸۳	۶۵۰

ان گرنیوں میں معمولی سوتی پارچہ جو تمام ہندوستان کی اسی قسم کی گرنیوں میں تیار ہوتا ہے۔ جیسے وڑل۔ دھوتیاں۔ موٹے کپڑے۔ توال۔ سوزنیاں۔ ٹیبل کلاتھ۔ پلنگ کی چادریں وغیرہ بُنا جاتا ہے۔

ان تین گرنیوں کے علاوہ بارہ سال پیشتر ایک گرنی ورنگل میں قائم کرنے کی اجازت سرکار سے عطا ہوئی تھی مگر اُس کے چند شرکا کے مالی نقصانات میں مبتلا ہو جانے کی وجہ وہ قائم نہ ہو سکی۔ سنہ ۱۳۱۱ف میں ممبرس

بہمن جی پیٹٹ کو ناندیڑ میں اور ۱۳۱۶ف میں یونین مل کمپنی لمیٹڈ کو گلبرگہ میں اسپننگ مل جاری کرنے کی اجازت دی گئی تھی مگر دونوں جگہ وہ قائم نہ ہوسکیں۔ بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسرس بہمن جی پیٹٹ نے جن کی متعدد گرنیاں بمبئی میں کامیابی سے چل رہی ہیں اور ممالک محروسہ سرکار عالی کے متعدد مقامات میں جننگ و پریسنگ ملوں کے بھی مالک ہیں یہ خیال کیا کہ یہاں اسپننگ مل قائم کئے جانے کی وجہ سے اُن کی بمبئی کی گرنیوں کو روئی نہ مل سکے گی۔ اور یونین مل کے ڈائرکٹر زیادہ وقیع نہ تھے اس لیے وہ سرمایہ جمع نہ کرسکے۔

سال حال میں بمبئی کے مشہور تاجر نوشیرواں جی منچرجی کاما کو لاتور میں ایک اسپننگ مل قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اخبارات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حیدرآباد کے مشہور ساہوکار راجہ بھگوان داس بہادر کو حیدرآباد میں ایک اسپننگ و یونگ بنانے کی اجازت مل چکی ہے۔

روئی صاف کرنے اور گٹھے باندھنے کی گرنیاں

نام مالک	مقامات جہاں گرنیاں واقع ہیں
مسٹر نور محمد جی کاڑیا۔	سیلو۔ پربھنی۔ مدکھیڑ۔ کرکھلی۔ جالنہ۔ عمری۔ جالنہ۔ مدکھیڑ۔ لاتور۔
مسٹر مہبوب جی فریدوں جی	جالنہ۔ کرکھلی۔ مانوت۔ مدکھیڑ۔ پورنا۔
مسٹر بہمن جی پیٹٹ	جالنہ۔ ناندیڑ۔ پربھنی۔ عمری۔
راجہ گیانگیر بہادر	لاسین۔ گنگاکھیڑ (ضلع پربھنی)
مسٹر شاپور جی نوشیرواں جی	پربھنی۔ پورنا۔
مسٹر ایم بی دادا بھائی۔	جالنہ۔ ہنگولی
مسٹر گوبند جی ویرم۔	جالنہ پیڑی۔ (ضلع بیڑ)

نام	مقامات جہاں گرنیاں واقع ہیں
مسٹر موتی لعل جینی لال	پربھنی۔ سالتونہ۔
مسٹر جے اوسس	پربھنی
جبار خاں صاحب	ایضاً
مسٹر گلاب چند	〃
مسٹر پدم جی پسنجی	〃
گوبند جی صاحب	پورنا
سیٹھ نارائن کشن لال	مسوری (تعلقہ جتور ضلع پربھنی)
کریم بھائی ابراہیم صاحب۔	ناندیڑ
مسٹر اردشیر ہرمزجی چنائی	ناندیڑ
کریم بھائی فاضل بھائی صاحب	〃
مسٹر دھن جی شاہ ایم میٹل	کھیڑ
عبداللہ ابراہیم صاحب	〃
راجہ شیوراج دھرم ونت بہادر	ضلع ناندیڑ
رائے بہادر رام گوپال	ضلع ناندیڑ
سیٹھ خوش حال داس	ایضاً
ہنمنت راؤ صاحب	کرکھلی
نیکٹ لال صاحب	آنبہ ضلع بیڑ۔
مشرس الکاٹ انڈیا اوس	رائچور
سیٹھ رام داس وٹھل داس	گلبرگہ۔ ورنگل
مسٹر برزوجی کاؤس جی	شوراپور ضلع گلبرگہ
سیٹھ رام جی نان چند	لاتور ضلع عثمان آباد
سیٹھ ڈونگر سی ناک جی	ایضاً

نام	مقامات جہاں گرنیاں واقع ہیں
مسٹر جی جی بھائی اردشیر	لاتور ضلع عثمان آباد۔
سیٹھ کوم شٹی لنگپا	رامنا پیٹھ ضلع ورنگل

جن قصبات کے ناموں کے محاذی ضلع کا نام نہیں لکھا گیا ہے وہ ریلوی لائن پر واقع ہیں۔ مسٹر کامڑیا۔ مسٹر بیرنجی۔ مسٹر پیٹیٹ کی گرنیاں لاکھوں روپیہ کے سرمایہ سے چل رہی ہیں۔ مسٹر اوسس اور جبار خاں صاحب کی بھی گرنیاں دو دو لاکھ سے زائد سرمایہ کی ہیں۔ بعض اور گرنیاں بھی ان میں بڑے بڑے سرمایہ سے چلتی ہیں۔

کاٹن جننگ ملز (روئی صاف کرنے کی گرنیاں)

نام	مقامات جہاں گرنیاں واقع ہیں
موتی لال جینی لال	لاتور
گوبند جی ویرم	اورنگ آباد
ٹھاکر داس پرمانند اس	ایضاً
انندی داس	〃
لچھمن داس	〃
کاسی ناتھ	انبڑ
جگناتھ سیگراج	
بھگوانداس	
ڈگرو رام رام نارائن	جالنہ
آردشیر کاوس جی	〃
الکار داس	واکوتی (تعلقہ جالنہ)
گلشن لال بلدیو	کنڑ
مومن لال	

نام	مقامات جہاں گرنیاں واقع ہیں
پنڈھری ناتھ	پیپل واڑی (تعلقہ پٹن)
آسا رام رام نارائن	پیپل گانوں (تعلقہ اورنگ آباد) لاتور
رام چند تارا چند	داور واڑی تعلقہ پٹن
مول چند بھیم چند	بہاوانڈہ (تعلقہ پٹن)
مہر بد ہر نارائن باپٹ	بڑکن (تعلقہ پٹن)
نارائن ناناجی	سیونہ اسٹیشن
رام جی پٹیل	بٹی (جاگیر اجنٹہ)
سیو چند امولک چند	اجنٹہ
پنڈت موہن کشن	عمری - پرانڈہ
پورن چند دگر چند	اونڈے گاؤں (تعلقہ سلوڑ)
رتن سی ویرم	گوندے گاؤں ضلع اورنگ آباد
انکار داس	بدہنا پور
بنڈو لال	پیپل منیر
نانک لال	روسے گاؤں
راجہ بہادر راؤ بہادر	بیڑ
رگھوتم راؤ مہادو راؤ	
سردار مل لگن مل	منجلے گاؤں ضلع بیڑ
گردھاری داس	
بالکشن بھوانی راؤ	مومن آباد 〃
ہیرالال گلاب چند	کھوارڈہ 〃
رام سکھ فتح چند	لاڑلوتنہ 〃
رگھوتم راؤ مہادیو	کیج 〃

نام	مقامات جہاں گرنیاں واقع ہیں
دستور جشید جی	ہنگولی و بسمت ضلع پربھنی۔
نارائن راؤ اینڈ کمپنی	ہنگولی و اجے گاؤں ضلع پربھنی
پنالال رام دین	اجے گاؤں
ہیرالال چندر بھان	ہنگولی
بہاری لال چتر بھوم	〃
وٹھل داس ہری کشن داس	مانوت - کولا
اردشیر جی	گنگا کھیڑ
پندرائن داس	بسمت
سوم ناتھ	سانور گاؤں (ضلع پربھنی)
رام نارائن کشن لال	پربھنی
گوپی لال	چھور ضلع پربھنی
بی نوروز جی	ناندیڑ
دارا ب جی	〃 وہنیہ
وٹھل رؤی	بانسواڑہ ضلع ناندیڑ
دارا شاہ سرفرزی	مدکھیڑ
چھکوٹی ایرنا	نظام آباد
سدا سکھ جانکی داس	آرمور
دیا رام سوبت چل	لاتور - گلبرگہ - پنچولی
لچھمی نارائن	شاہ پور ضلع گلبرگہ
برزوجی کاؤس جی	ایضاً
بسنی لال	عمرگہ (پائگاہ) ضلع گلبرگہ
مہانگپا	کلیانی جاگیر

نام	مقامات جہاں گرنتھاں واقع ہیں ،
کشن گیسر	کلیانی جاگیر
رائے بہادر رام کوپال	سیڈم۔ ورنگل
حاجی عبدالکریم	جعفر گنج (علاقہ جاگیر پیتاپور)
نورنندیا	اودگیر ضلع بیدر
پنالال شیوبخش	لاتور
مادھورام	
شاہ پوجی ایدل جی چنائی	
فتح چند سردار خاں	کلم
سیتارام	اوسہ
سندرام	مورم (تعلقہ تلجاپور)
بابوجی ایدل جی چنائی	یادگیر
جہانگیر ہیرام	رائچور
رام سنگھ جی دیال	
الیشوناتھ ونکیا	
کمسیری مل کالورام	کپل
جے نارائن جیٹھ مل	ورنگل
گرمارامیا	"
ہیراچند پونم چند	پدابلی جاگیر (ضلع کریم نگر)
مکھندداس گھنشام داس	بچناپیٹھ (تعلقہ سرسلہ)
سابورپاپیا	نرمل
کرشناجی مکھنڈوجی	عادل آباد۔
کشن لال چنی لال	جتور۔

کاٹن پریسنگ ملز (روئی کے گٹھے باندھنے کی گرنسیاں)

نوروزجی جہانگیر	جالنہ
بی نوروزجی اینڈ کمپنی	〃
موتی لال جینی لال	〃
واراب جی اینڈکو	کرکھلی
ہیرالال	مانوت
بیرن جی فریدونجی	لاتور
وامودھرداس	راچور
جے لکشمن	〃
کندورکنگیا	ورنگل
اکارب ونکیا	〃

ریس ملز (دھان کوٹنے کی گرنسیاں)

راے بہادر رام گوپال	نظام آباد
نرسیا گوڑہ	〃
جاجو ٹھکورام	کامارڈی
درجا	〃
ایچ جی ہرمزجی	〃
راجہ بھگوان داس بہادر	بھکنور
سامواری پاپیا	آرمور۔ مرزاپلی۔ نرمل
انکنا	آرمور
وٹھل ریڈی	بانسواڑہ
انجینا	بسوالپور (ضلع نظام آباد)
رتنا بائی دیسکھنی	دونتی تعلقہ میدک

نام	مقامات جہاں گرنیاں واقع ہیں
مہاراج صحف نواز دنت	موروارم تعلقہ میدک
پنڈت موہن کشن	حویلی
گرلار امیا	ورنگل
ملم بپا	〃
کریم بھائی سجن لال	لچھمی پور ضلع ورنگل
چنارڈی وسیکھ	محبوب آباد
ہیرا چند پوکم چند	پیاپلی جاگیر (ضلع کریم نگر)
مکنداس	بچناپیٹھ ضلع کریم نگر
نرسا گوڑ	نرمل
رام جی کشنا گوڑ	〃
ایشونا تھ انکیا	راجکور
ملپا	کوٹگی
اے نرسلو	〃
کشن گیر	کلیانی

ان میں بعض گرنیوں کے ساتھ روغن نکالنے آٹا پیسنے روئی صاف کرنے کے کارخانے بھی ہوتے ہیں۔

فلور ملز (آٹا پیسنے کی گرنیاں)

حاجی سجن لال	حیدرآباد
مہر سنگھ	اورنگ آباد
گوبند جی ویرام	〃 جالنہ
پنڈت موہن کشن	عمری پرتھہ
سید فضل حسین	پربھنی

نام	مقامات جہاں گرنیاں واقع ہیں
سیلا چند جے چند	گلبرگہ
دیا رام سورج مل	〃
نرسنگ پرشاد	〃
الفرڈ ولیسری	شاہ آباد
محمد مخدوم	آلند (ضلع عثمان آباد)
جوتی رام شنکار ام	تلجاپور
مہالنگیا	کلیانی
کشن گیر	〃
نند تاشنکر	یادگیر
رام سکھ جی گوپال	رائچور
ایشونا تھ نیکیا	〃
بلم پیا	ورنگل

(آیل ملز روغن نکالنے کی گرنیاں)

حاجی سجن لال	حیدرآباد
بنود گیر	اسی سال اجازت دیگئی ہے۔
پنڈت موہن کشن	عمری پرتور
راے بہادر رام گوپال	نظام آباد
چیکوٹی ایرنا	〃
ایچ جی سہرمزجی	کامارڈی
سابد پاپیا	مرزاپلی
مہاراج آصف نواز دنت بہادر	مورد ارم (ضلع میدک)
دیا رام سورج مل	گلبرگہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر ۱۱-۱۲ صحیفہ جلد ۵

ایڈیٹوریل

ناظرین صحیفہ کو عید الفطر کی مبارکباد

دیتے ہوئے۔ ہم تھوڑی سی وہ کیفیت بھی حوالہ قلم کرتے ہیں۔ جو اس عید نے پیدا کردی تھی۔ ۲۹ رمضان کی شام ابھی پوری طرح آنے نہ پائی تھی۔ کہ بچے چین لگا ہیں۔ دوربینیں سنبھال سنبھال کے مطلع کی سطح سے ٹکرانے لگیں۔ اور اُس کو اس بے صبری سے پے بہ پے روندنے لگیں کہ غریب کی دھول اُڑ گئی جو کہیں کہیں ہلکے ہلکے سے ابر کی شکل میں نمایاں ہوئی۔ عید کا چاند کم نظر آنے میں ضرب المثل ہے۔ اس نے اپنے عشاق نیم جاں دیدۂ صائمین ناتواں، کو اپنا جلوۂ ابرو دکھانا اور اُن کی دلی دعاؤں لینے توپوں اور بندوقوں کی صداؤں کو سننا پسند نہ کیا اور اگرچہ تماشاگاہ عالم کے نیلگوں اسٹیج پر جلوہ افروز ہو چکا تھا۔ پھر بھی بدلی کے گھونگٹ سے مونہ باہر نکالنا نہ چاہا۔ بر ہم بعض نظارہ بازان تیز نگاہ۔ اور بالغ نظران دیدۂ ریز نے اپنے قوی تصور کی بدولت تارِ نظر کے ذریعہ سے اس تک رسائی کر ہی لی۔ جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔

اتنے میں سوادِ شب نے اپنا خیمہ تان دیا

اور لشکرِ نگاہ کو ناکامی کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ رات اسی چہل پہل میں کٹ گئی جو رمضان کے ساتھ مخصوص ہے مسجدیں حسبِ معمول آخری بابرکت تراویح کی صداؤں سے گونجیں۔ اور نمازیوں نے اُن کو آئندہ سال کی دعوت دیکے نہایت رنج و افسوس سے الوداع کہی۔ پچھلے پہر آخری سحری کا رخصتی ڈنر کھایا گیا۔ اور اُس کو بھی سال آئندہ کی ضیافت کا مدعو کر کے باحسرت دیاس رخصت کیا گیا۔

نماز صبح بڑے شوق سے پڑھی گئی

اُس سے فارغ ہونے کے بعد روزہ داروں کی پلکیں نیند سے جھپکی ہی تھیں کہ توپوں کی گھن گرج نے دفعتاً چونکا دیا۔

نیند کافور ہو گئی دل دھڑکنے لگے ہات پاؤں خوشی سے پھول گئے۔ برسوں کے چھائے ہوئے فکر و غم بھی گھڑی بھر کے لئے بھول گئے۔ عید کی نوید نے رگ و پے میں مسرت کی برقی لہر دوڑا دی۔ نیند کی لطف خیز کیفیت کا نزاع ٹوٹے ہوئے بستروں سے اُٹھ بیٹھے۔ گھر والوں کو اُٹھایا۔ جو لوگ اب تک بے خبر تھے اُن کو جگایا۔ عید کا مژدہ سنایا۔ ہر گھر سے عید ہی عید کی آواز نکلنے لگی اور یہ سب کچھ اس قدر جلد ہو گیا کہ بے تار کے ٹیلیفون کو بھی یہ سرعت نصیب نہ ہوئی ہو گی۔

عید بنی دیر میں آتی ہے اتنی ہی جلد جاتی ہے۔ چنانچہ اُس کی عمر صبح کے ۶ سے ۱۰ تک صرف چار گھنٹے کی ہوتی ہے۔ پہلا گھنٹہ عموماً خوراک و پوشاک کی تہیہ میں گزرتا ہے دوسرا گھنٹہ بدن کی آرائش و صفائی میں طے ہوتا ہے۔ تیسرا گھنٹہ کھانے پینے کے مزوں میں اُڑتا ہے۔ اور چوتھا گھنٹہ مسجد یا عیدگاہ تک پہنچنے اور راستہ کاٹنے میں کٹ جاتا ہے مگر ان گھنٹوں کی قدر و قیمت بے قدر و بے اندازہ ہے ان کے ہر ہر منٹ پر نگاہ کی سوئی حرکت کرتی ہے۔ کہ مبادا

وقت گزر جائے اور نماز ہو جائے۔ یا کسی ایک کام میں زیادہ وقت کھپ جائے تو دوسرا کام ادھورا چھوٹ جائے۔

ان چار گھنٹوں تک لئے مختلف طبقوں کی بے شمار خلائق کو کئی کئی دن سے اپنے کاروبار میں بے انتہا مصروف ہونا پڑتا ہے۔

پہلا گھنٹہ۔ ہفتوں پہلے سے درزیوں۔ موچیوں۔ بزازوں۔ بقالوں اور اسی قسم کے پیشہ وروں کا بازار اس قدر گرم کر دیتا ہے کہ ان کو رفع حوائج کے لئے بھی وقت نہیں دیتا۔ بازاروں میں ہر طرف میلہ سا لگ جاتا ہے۔ جدھر دیکھو بھیڑ بھاڑ۔ جدھر نظر اٹھاؤ ازدحام ہی ازدحام دکھائی دیتا ہے۔ گاہکوں کی کثرت دوکان داروں کو سیدھے منہ بات کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی لیکن عید کے لئے جو کچھ خریدا جاتا ہے اور ان دنوں جتنا سودا بکتا ہے۔ اس میں اپنے ملک کا پیدا شدہ یا اہل ملک کا تیار کردہ کتنا سامان ہوتا ہے؟ اس کا جواب ہم سے نہ پوچھئے۔

جوتوں سے بوشاک کے کارخانہ کی سرپرستی کی جاتی ہے۔ کپڑوں سے جاپان و یورپ کو خلعت عزت پہنایا جاتا ہے۔ عطروں سے فرانس و جرمنی کے لیونڈر و نکی تواضع فرمائی جاتی ہے۔ الغرض عید کو خوش کرنے کے لئے جو روپیہ نذر چڑھایا جاتا ہے۔ وہ سات سمندر پار رہنے والوں کے حلق میں جا پڑتا ہے۔ گھر والوں کے پیٹ میں اس کا بہت کم حصہ جانے پاتا ہے۔

مگر اسکا احساس کسی بندۂ خدا کو نہیں ہے

کہ غیروں سے لیا ہوا کپڑا پہننا ایسا ہی ہے جیسے ننگا رہنا۔ اگر آج ہم نے دوسرو نکا کپڑا پہن لیا۔ تو کل ہم کو دوسروں ہی کا کھانا بھی پڑیگا۔ یعنے آج اگر ہم نے اپنی صنعت و حرفت کو کھو دیا تو کل ہم اپنی روٹی کو بھی کھو دینگے۔ کاش کوئی اسے سمجھے اور سمجھائے۔

عید کا دوسرا گھنٹہ آرائش و صفائی پر وقف کیا جاتا ہے۔ حجاموں سے فرمائش ہوتی ہے کہ ڈاڑھی کو اس صفائی سے مونڈھنا کہ بالوں کی جڑوں تک

استر پہونچ جائے۔ سر کے بالوں کو اس طرح سے سنوارنا کہ فیشن سے بال برابر کا فرق نہ آنے پائے۔ حماموں میں ایسے قیمتی اور خوشبودار صابون ملے جاتے ہیں کہ میل کبھی پیدا ہی نہ ہو اور خوشبو بدن سے ایسی پھوٹنے لگے جیسے غزال تتار کی ناف سے بوئے مشک۔ اگر صورت آرائی کے ساتھ سیرت آرائی کا بھی خیال ہو تو سبحان اللہ

تیسرا گھنٹہ کھانے پینے کے لئے خاص ہے

جو زبانیں تیس دن سے آفتاب کی عملداری میں اکل و شرب کا مزا اڑانا اپنے اوپر حرام کر دیتی ہیں وہ تو اس غیر معمولی دہن کشائی سے لطف اٹھاتی ہیں۔ اور حقیقی طور پر تیسریں کام ہوتی ہیں۔ لیکن جو حلق دن کے وقت چھپے چوری بھی نہیں بلکہ کھلے بندوں کھلتے رہتے ہیں اور خدا کے خوف کا تو کیا ٹھکانا ہے۔ بندوں کا

---

۵ اُن نام کے مسلمانوں پر اسلام تو کیا کفر بھی لعنت بھیجتا ہے جو مسلمانوں کی وضع بنا کے اور اپنے آپ کو مسلمان کہوا کے اپنے بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں۔ اور بے محابا علانیہ علی رؤس الاشہاد سڑکوں دوکانوں۔ دفتروں اور عام جگہوں میں ماہ صیام کی حرمت کو توڑ کے فخریہ طور پر چرٹ سگرٹ اڑاتے اور بے کھٹکے پانی پی جاتے ہیں۔ ان نالائق مسلمانوں سے تو وہ ہندو ہی لاکھ درجے بہتر اور مستوجب شکریہ ہیں۔ جو صائمین کے پاس خاطر رمضان کا ادب اپنے اوپر لازم گردانتے اور ایسے مقامات میں کھانے پینے سے محترز رہتے ہیں جہاں مسلمانوں کی رسائی ہوتی ہے۔ افسوس اب مسلمانوں کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ ع کفر دار و دعار از اسلام من۔ اس گناہ کبیرہ کے مرتکبوں میں اکثر تو وہ جاہا ہوتے ہیں جو بوجہ اپنی جہالت کے رمضان کے پاس و ادب سے بے خبر ہیں۔ اور بعض ایسے لکھے پڑھے ہوتے ہیں جنکی ادھوری تعلیم آداب مذہب سے انھیں واقف ہونے کا موقع نہیں دیتی چند ایسے بیہودے بھی ہیں جو آزادی کا مفہوم غلط سمجھکے مذہبی پابندیوں کو منافی صحت خیال کرتے اور پابندان مذہب پر حماقت کے قہقہے اڑاتے ہیں۔ ان عقل کے اندھوں کو یہ نہیں معلوم کہ خدائی مذہب کی کوئی پابندی صحت کی نقصان دہ نہیں بلکہ فائدہ رساں ہے۔ اگر صحت پہلے ہی سے بگڑی ہوئی ہے تو وہ احکام خداوندی کی پابندی نہ کرنے کا نتیجہ ہے نہ کہ پابندی کرنیکا خمیازہ۔ اللھم صحح قومی و فقھم الصلاح و السداد انک انت الموفق و المعین ۱۲۔

بھی کچھ پاس ولحاظ نہ کرکے۔ چرٹ سگرٹ کے مرغولے اڑاتے اور بھری مجلسوں میں گلاس پر گلاس چڑھاتے رہتے ہیں تعجب ہے کہ وہ بھی اس موقع پر سیلیوں سے زنبیل شکم کو بھرے بغیر نہیں رہتے ہیں۔ فرق اتنا ہوتا ہے کہ انکو شیر خورمہ اور سیویوں میں اُس لطافت وحلاوت سے زیادہ نہیں آتا ہے جو اُن میں قاعدہ کے مطابق رکھی ہوتی ہے بخلاف اس کے جو لوگ دن کی گھڑیوں کو اکل وشرب سے محروم کردیتے ہیں وہ اس بابرکت رمضان شکنی میں افطار کا فرہ اُٹھاتے ہیں۔ یہ چیزیں انھیں بہشتی معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ ایک خاص روحانی مسرت میں جھوم جھوم کر خدا کی خوشگوار نعمتوں سے متمتع ہوتے ہیں۔

چوتھا گھنٹہ دوگانۂ تشکرانہ ادا کرنیکا ہوتا ہے

اصلی عید کا یہی گھنٹہ ہے جسمیں خشوع وخضوع قلبی کے ساتھ "تشکر" یہ ولی کی نذر پیش کی جاتی ہے مذہبی زنجیروں کی کہنگی نے آج کل بہت کم مسلمانوں کو اس قابل چھوڑا ہے کہ وہ آستانۂ جلال پر پانچ وقت کچا دن بھر میں صرف ایک ہی مرتبہ ناصیہ سائی کرلیں۔ خاصکر نوجوانوں کی تو یہ حالت ہے کہ گاہے ماہے برادری یا دوستداری میں کسی بدنصیب کی نماز جنازہ پڑھتے وقت وضو کرنا پڑتا ہے تو ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں بعض تو کوئی زبردستی کا عذر نکالکے تیمم پر ہی ٹالدیتے ہیں۔ اور بعض نہ وضو کرتے ہیں نہ تیمم یوں ہی کھڑے ہوجاتے ہیں۔

نماز عید کی کشش ان لوگوں کو بھی نہیں بیٹھنے دیتی کھابی کے مسجد وں کا راستہ لیتے ہیں۔ شہر میں جابجا مسجدیں بکثرت ہیں اور ہر ایک ضروری بناؤ سنگار سے آراستہ ہوکر اپنی پرانے عاشقوں کا راستہ دیکھتی رہتی ہے۔ عیدگاہ دور دراز وہاں تک کون جائے۔ ناحق پاؤں دکھائے۔

بازاروں میں عام طور پر مسلمانوں کی دوکانوں کی بندش سے اسلام کی اس عالمگیر اثر پر خوشی قربان ہونے لگتی ہے جسکا ادنیٰ سا اشارہ ہزارہا مختلف الطبائع ومختلف اللسان مسلمانوں کو قیام سے رکوع اور رکوع سے سجود میں لادیتا ہے۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا منظر ہوتا ہے کہ عیدگاہ یا جامع مسجد شہر میں بڈھوں جوانوں بچوں سے لیکر شیر خوار تک نوکروں اور اناؤں کی گود میں بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے کو جمع ہوتے ہیں۔ منبر سے صحن کی آخری حد تک صفیں جم جاتی ہیں۔ جو لوگ رستہ میں ہیں اور قریب پہنچ جاتی ہیں وہ نماز کو تیار دیکھکے دوڑنے لگتے ہیں اور رومال بچھا بچھا کے

شامل نماز ہوجاتی ہیں نماز شروع ہونے سے پہلے تک تو ایک قسم کا دھیما راگ نغمہ سنائی دیتا رہتا ہے لیکن اللہ اکبر کی صدا کے ساتھ ہی سناٹا چھا جاتا ہے اور سکوت محض کا عالم طاری ہو جاتا ہے یہاں تک کہ نزدیک والا سانس لیتا ہو یا دور کا کوئی بچہ روتا ہو تو وہ بھی صاف سنائی دیتا ہے۔

نماز کو اصلی معنے توجہ الی اللہ کے ہیں ایسی قیمتی اور دیرحصول نماز بڑی گہری توجہ کی متقدار ہے لیکن باندھتے اور چھوڑتے ہیں اور کب رکوع و سجود میں جاتے ہیں۔ وجہ یہ کہ اُن کو یہ نہیں معلوم ہے کہ عیدالفطر نماز کتنی تکبیروں اور کتنے سجدوں سے ادا ہوتی ہے۔ اور بعض کو اپنی چھتری یا لکڑی یا جوتے کا خیال دل میں بسا رہتا ہے کہ (مسلمانوں کے اخلاق کی بدولت) خانۂ خدا بھی چوروں سے خالی نہیں ہے مبادا نماز میں دھیان رہے اور سامنے سے کوئی چوتا اُڑا لیجائے۔ نعوذ باللہ من سیات اعمالنا و فساد نیاتنا۔

اثنائے نماز میں کسی کی تکبیر و تکا رکوع و سجود پر تکبیر کہنا۔ اور مسلمانوں کی ہزارہا صفوں کا وقت واحد میں باقاعدہ طور پر اُٹھنا بیٹھنا ایک رعب و وقار پیدا کرتا ہے بلاشبہ زمانہ حال کی شائستہ فوجوں کی قواعد کا مبنی کہا جاسکتا ہے۔

باوقعت و مہتم بالشان نماز کے اختتام پر امام صاحب کا خطبہ شروع ہوتا ہے خطبہ کیا ہے ہادی دین کا وہ لکچر جو مسلمانوں کو اصول و آئین دین کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتا ہے کہ مذہب پر کس طرح قائم رہنا چاہئے اور کیونکر اُسکی خدمت و حفاظت کرنی چاہئے۔ اور پابندان مذہب کو زمانہ کی موجودہ ضرورتوں کے مطابق معاشرت و تمدن کا کیا ڈھنگ اختیار کرنا چاہئے۔

یہ خطبہ کیسا اور کس زبان میں ہوتا ہے؟ اس کا جواب خالی از شگفت نہیں خطبہ کی زبان تو عربی ہوتی ہے اور خطبہ سننے والوں کی اُردو۔ ایسی حالت میں نہ تو وہ خطبہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اسکو توجہ سے سنتے ہیں کیونکہ کسی سمجھ میں نہ آنے والی چیز کو توجہ سے سننا خلاف فطرت ہے۔ رہا اُس کا مضمون۔ سو وہ صدیوں سے ایک ہی چلا آرہا ہے۔ انقلاب ازمان کے اثر سے محفوظ۔ اور سلطنتوں کی تغیر و تبدل سے مصئون۔ وہی خلفائے اربعہ کی تعریف اور وہی انبیاء وغیرہ کی ستایش۔ نماز روزہ کی تاکید۔ زنا اور چوری کی وعید۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ رمضان کے فضائل کا بیان اور اُسکی وداع پر رنج و حزن کا اعلان بس اللہ اللہ خیر صلا۔ اس کو تو ہاں کے اندر نفاع یرنہ حکومت کی توجہ ہے نہ قوم کی التفات۔

عید کی لائف سناتو ہم ذرا دور نکل گئے۔ حیدرآباد میں بحمداللہ سہ شنبہ کو دن ۲۹ رمضان کو ہی

*اس مضمون کا بقیہ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو۔

چاند نظر آگیا۔ اور لاہور کی طرح دو دن عید نہیں منانی پڑی۔ چونکہ چاند دیکھنے والونکی تعداد قلیل تھی اس لئے سرشام تو یہیں سرہوئیں۔ بلکہ پوری تحقیق کے بعد صبح کو اُن کے ذریعہ سے عام اعلان کیا گیا۔ اور حسب دستور عیدگاہ و مکہ مسجد میں ہزارہا اشخاص کی جماعت نے دوگانہ شکرانہ ادا کیا۔

نماز سے فارغ ہوکر ہر مسلمان وفور سرور میں جیبوں پر ہات ڈالنا اور اپنی بساط کے موافق غیر ہونکو کچھ نہ کچھ خیرات کرنا ضروری سمجھتا ہے یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ کسی انسان کو خوشی ہو تو وہ دوسرے انسان کو بھی خوش کرے۔ اس خصوص میں اہل حیدرآباد بحمداللہ بہت عالی حوصلہ اور کشادہ دل ثابت ہوئے ہیں۔ اور اس کا ثبوت مسجدوں کی باہر اُن بھیک منگوں کی ہجوم و ازدحام سے بخوبی ملتا ہے جنکی شور محشر سے کم نہیں ہوتی۔ اس ہجوم میں صرف توانا نگدی، مسٹنڈے، ہٹے کٹے شہدے ہی نہیں بلکہ ضعیف، بیمار، قلی اور رذیل پیشہ ہی نہیں ہوتے ہیں بلکہ خود ساختہ فقیر یعنے افیونی، مدکی، چرسی، گنجیڑی، شرابی اور سیندھی خوار نیز جیب کترے اور اٹھائی گیرے بھی ہوتے ہیں۔ جو اکثر زنانی بھکمنگوں اور شکرمونکا پیچھا اُٹھاتے اور اُن کے پیچھے صدہا قدم تک دوڑتے آتے ہیں اور باوجود منع کرنے کے مانگنے سے باز نہیں رہتے۔ اس بھیڑ بھاڑ میں اصلی محتاج و معذور مطلق نہیں آنے پاتے ہیں۔ اور نہ انھیں کچھ مل سکتا ہے۔ نماز ختم ہوتے ہی اس ہجوم کے سر پر کوڑیوں اور پیسوں کی بارش ہونے لگتی ہے جس کو بٹورنے کیلئے یہ شہد کی مکھیوں کی طرح ایک دوسرے پر گری پڑتے ہیں۔ اور اس وقت اس کا بالکل لحاظ نہیں رکھتے کہ کسی کا سر پھوٹیگا یا کسی کی ٹانگ ٹوٹے گی۔ خیرات کا یہ بے تکا پن اور غلط مصرف دیکھکے ہر سمجھدار کو افسوس ہوتا ہے اور قانون انسداد گداگری کی ضرورت اُس کی پاس مسلمات سے ہوجاتی ہے۔ مگر نہیں معلوم یہ قانون کبھی نفاذ کی صورت بھی دیکھ سکیگا۔ یا اُسکی تجویز صرف اخبارات کے فائل میں دفن ہوجائیگی۔

عیدگاہ سے عید کی توپوں کے سر ہوتے ہی مسلمانونکا خوشی اور صدق دلی سے باہم گلے ملنا اور ہات ملانا اتنا لطف خیز نہیں ہوتا جتنا ہندو مسلمانونکا گرمجوشی اور خلوص کے ساتھ ایک دوسرے سے ملاقات کرنا اور مبارکباد دینا حیرت انگیز نظر آتا ہے اُس جامع الاضداد کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے ہماری سلطنت کے ہندو مسلمانوں میں اس وقت تک شیر و شکر کا سا اتحاد قائم رکھا ہے اور یہ ایک ایسی بابرکت نعمت ہے جس پر ہماری سلطنت جتنا چاہے فخر کرسکتی ہے۔ ہماری سلطنت میں

اب تک شاہنشاہ اکبر کی اُس پالیسی کا اثر موجود ہے جس سے ہندو مسلمان باہم سمدھیانہ کرتے تھے۔ اور ایک کیلئے دوسرا اپنا خون بہانا فرض سمجھتا تھا۔ خدا سلطنت کے ساتھ ساتھ اس اتحاد کو بھی قیامت تک قایم رکھے اور اسکے مفید اثرات سے دونوں قوموں کو بہرہ اندوز ہونے کا موقع بخشے۔

حیدرآباد کی شام عید نشہ بازوں کیلئے شام اودھ سے کم نہیں ہوتی ہے۔

رمضان کی برکتوں میں ایک برکت یہ بھی شمار کی گئی ہے کہ اس مہینے میں جناب ابلیس کی آزادی سلب کرلی جاتی ہے۔ اور الغیض بجبر رنجیر وسلاسل سے سابقہ رہتا ہے۔ رمضان کے ختم ہوتے ہی وہ قید باشقت سے رہا ہوکے اپنی لغتی کاروبار کا چارج لے لیتے ہیں۔ حیدرآباد کے نشہ بازوں کو دیکھ کے اس روایت کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔ عید کی شام نشہ بازوں کی شب برات ہے۔ معمول سے چوگنا زیادہ پی جاتے ہیں اور نشہ فروشوں کی گزشتہ ماہہ آمدنی کے گھاٹے کو ایک ہی رات میں پورا کردیتے ہیں۔ جو شخص معمولاً سیندھی کا ایک گھڑا بیچتا ہے وہ سنا گیا ہے کہ اس شام کو چار گھڑے بیچ دیتا ہے۔ کیوں نہ ہو جب ابلیس علیہ اللعنہ عرصہ کی قید کے بعد آج چھوٹے ہیں تو عرصہ کے رُکے ہوئے حوصلہ بھی آج ضرور نکالیں گے ع رکتے ہیں کوئی دم تو یہ ہوتے ہیں رواں اور۔

دو چار دن کے بعد جب عید کی کیفیت سست ہوجاتی ہے اور مُلاقاتوں کا تانتا ٹوٹنے لگتا ہے تو تاجر اور پیشہ ور اپنے کھاتے دیکھ کے بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور وہ جنھوں نے خوشی میں آکے چادر سے باہر پاؤں نکالے تھے خصوصاً متوسط درجہ کے ملازم پیشہ، کمی اخراجات کی وجہ سے تنگ ہونے لگتے ہیں۔ ان لوگوں کو ایسے مواقع پر اخراجات کے متعلق ہمیشہ اس شعر کو پیش نظر رکھنا چاہئے ؎

ہو جتنی چادر اُسی میں اُفق - جو پھیلیں پاؤں
نہ مفلسی کو ملے خواب میں - بشر کی چھاؤں

خباب باری میں خلوص دل سے دعا کی جاتی ہے کہ ہماری سلطنت ہمارے بادشاہ ہماری قوم، اور ہمارے دوستوں کو خیر وخوبی اور صحت وسلامتی کے ساتھ ایسی بے انتہا عیدیں دیکھنا اور اُن کی خوشیاں منانا نصیب کرے اور فلاح قوم وصلاح معاشرت میں کوشاں ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ایڈیٹر

(۱۱) فصیل شہر کے قریب بیرون فتح دروازہ حضرت عبدالصمد قاضی شاہ راجو قتالؒ رحمتہ اللہ علیہ کا گنبد واقع ہے۔ آپ گلبرگہ شریف کے قاضی اور حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے خلیفہ تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد سلطان احمد شاہ بہمنی کے اصرار پر بیدر تشریف لائے سلطان علاؤ الدین ثانی بہمنی کے زمانہ میں ۱۵ ذی قعدہ کو آپ واصل حق ہوئے۔

(۱۲) شہر سے دو میل کے فاصلہ پر جانب غرب موضع پاپناس کے بالا گھاٹ پر شاہ فتح اللہ صاحب کا مزار واقع ہے۔ آپ ملتان کے باشندے اور حضرت شاہ ملتانی بادشاہ صاحب کے جد اعلےٰ تھے سلطان علاؤ الدین ثانی بہمنی کے عہد حکومت میں سن رسیدہ ہو کر بیدر تشریف لائے اور تین سال کے بعد انتقال فرمایا۔

(۱۳) بیدر سے ایک میل کے فاصلہ پر چدری میں حضرت شیخ ابراہیم المعروف حضرت مخدوم محی الدین قادریؒ کا گنبد ہے۔ آپ حضرت شیخ محمد ملتانی شریف القادریؒ کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ چھ مہینے بیدر میں اپنے والد بزرگوار کے پاس اور چھ گلبرگہ میں اپنی زوجہ محترمہ کے پاس رہا کرتے تھے بیدر کی باوصف صحبتوں سے غیر حاضر رہنے کی تلافی آپ ایک بیش بہا تصنیف سے کیا کرتے تھے۔ توکل اور قناعت میں آپ کی نظیر قابل تحسین ہے سلطان ابراہیم قطب شاہ نے بہت ہی اصرار سے آپ کو بلایا مگر آپ نے سلاطین کی صحبت سے مرتے دم تک کنارہ کشی اختیار کی۔ ۲ شوال ۹۷۳ھ کو نود سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۱۴) آپ کے گنبد کے قریب آپ کے حقیقی بہائی مولانا شیخ بدرالدینؒ کا مقبرہ ہے مولانا موصوف صاحب ولایت و کرامت تھے ابراہیم قلی قطب شاہ اور امیر برید آپ کے معتقد تھے اور آپ کے ساتھ بہت سلوک کیا کرتے تھے۔ اس لئے دولت مندی اور فارغ البالی ہمیشہ آپ کو حاصل رہی۔ شریعت کی پابندی کا یہاں تک خیال تھا کہ مرض الموت میں بھی مودبانہ طریقہ سے فرائض کو ادا کرنے میں غفلت نہیں کی۔ حالانکہ مرض کی شدت نے نشست و برخاست سے معذور کر دیا تھا۔ اور زبان ادائے تلفظ کے قابل نہیں رہی تھی۔ ۸ ذی قعدہ ۹۸۱ھ کو نود سال کی عمر میں آپ نے انتقال

فرمایا۔

(۱۵) حضرت مخدوم کے گنبد باہر ایک سنگ بست اور پختہ چبوترہ پر ملک مرجان کی قبر ہے ۷۱۸ھ میں ابراہیم عادل شاہ نے سلطنت بیدر پر مسلط ہوکر اسکو اپنی جانب سے قلعدار مقرر کیا تھا ۱۰۲۱ھ میں جب اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے قلعہ بیدر کا محاصرہ کیا تو اس نے قلعہ برج کے پاس ایک سرنگ کھدوائی اور اس میں بارود بچھوا کر اس امر کا پورا پورا انتظام کیا کہ فوج مخالف کو یہاں آتے ہی اڑا دے برج کے قریب بارود کا ایک خزانہ تھا ایک روز ملک مرجان اپنے بیٹوں کے ساتھ اس خزانہ کی سیر کر رہا تھا شومئی قسمت سے اس میں آگ لگ گئی۔ اور اس کے صدمہ سے فصیل شہر کے ساتھ ساتھ ملک مرجان اور آسکا ساتھی نام ونمود کی تدبیروں اور فکروں سے ہمیشہ کے لئے سبکدوش ہوگئے۔

(۱۶) بیدر کی عیدگاہ کے متصل حضرت سید نظام الدین اولیا الحسنی والحسینی کا گنبد ہے آپ بہت بڑے علامہ اور سلطنت بہمنیہ کے وزیر خزانہ تھے۔ آپ کے تصرفات کے متعلق صرف اسی قدر بیان کرنا کافی ہے کہ علی برید آپکا گنبد نہیں توڑ سکا آپ کا عرس ہر سال ۲۹ ربیع الثانی کو ہوتا ہے

(۱۷) آپ کے گنبد کے بالکل قریب مولانا شاہ عبداللہ مغربی کا مزار اور مولانا شاہ ولی اللہ حسینی کا گنبد واقع ہے۔ موخر الذکر بزرگ کا عرس ماہ جمادی الاول میں ہوتا ہے۔

(۱۸) شہر سے دو میل کے فاصلہ پر جانب شرق ایک ٹیکڑی واقع ہے اسے شیخ نور صاحب ہمستانی کی پہاڑی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں حضرت شیخ الشیوخ شیخ نور صاحب ہمستانی کا مزار ہے۔ آپ بڑے عالم وفاضل اور صاحب ولایت وکرامت بزرگ تھے۔ سلاطین بہمنیہ کے عہد حکومت میں بیدر تشریف لائے ہر سال ۲۰ جمادی الاول کو عرس ہوتا ہے۔

(۱۹) تلنگھائی دروازہ کے نیچے حضرت شاہ شبلی مجذوب فقیر سدا سہاگ کا

مزار زیارت گاہ عوام ہے۔ مشہور ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے ایک وقت خشک سالی رفع ہوئی تھی۔

(۲۰) بیدر کے قریب جانب شمال ایک پرانی مسجد واقع ہے جس پر گو کنگی کے آثار نمایاں ہیں لیکن ابھی تک حوادث زمانہ سے مقابلہ کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ اس مسجد کو کالی مسجد کہتے ہیں ایام محاصرہ بیدر میں ایک مہینہ تک اورنگ زیب علیہ الرحمہ کا یہیں قیام ہوا تھا اس مسجد کے متصل حضرت امام الدین شیخ محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار واقع ہے۔ آپ وحید عصر اور یکتائے دہر تھے کم سنی ہی میں علم و فضل اور تصوف نہ کمالات میں دستگاہ حاصل کر لی تھی۔ اورنگ زیب علیہ الرحمہ آپ کی قابلیت کے معترف تھے اور خطاب امام المدرسین اور صدر مدرسی مدرسہ محمودیہ سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ ۱۱ رمضان المبارک کو مسجد مدرسہ محمودیہ میں مشغول نماز تراویح تھے کہ بجلی کے صدمہ سے مکان گر پڑا اور آپ واصل حق ہوئے۔

(۲۱) آپ کے مزار کے قریب حضرت شاہ مغفور رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ واقع ہے ہر سال ۱۰ ربیع الاول کو اس پر صندل چڑھایا جاتا ہے۔

(۲۲) مدرسہ محمودیہ کے متصل سر راہ حضرت ملک مستان صاحب مجذوب کا مزار واقع ہے۔ آپ کا عرس ہر سال رمضان میں ہوا کرتا ہے۔

(۲۳) برج مست گزی (اندرون قلعہ ارک) کے پائین میں حضرت شیرن صاحب مجذوب کا مزار واقع ہے۔ آپ کے تصرفات بیدر میں بہت کچھ مشہور ہیں۔

(۲۴) قلعہ قدیم کی جانب شمال ایک پہاڑی پر حضرت شاہ ظہیر الدین صاحب عرف خورزدے پاک کا مزار واقع ہے۔ آپ حضرت سید السادات سید حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمشیرہ زادے اور بڑے متوکل اور ریاضت کش بزرگ تھے آپ کا مزار زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

(۲۵) شہر کے جانب غرب ایک میل کے فاصلہ پر حضرت شیخ الشیوخ مخدوم حضرت شاہ زین الدین گنج نشیں جنیدی قادری بغدادی قدس سرہ کا مقدس گنبد رجع انام

اور زیارت گاہ خاص وعام بنا ہوا ہے۔ آپ حضرت سید الطائفہ ابو القاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں بڑے عالم وفاضل اور بید متوکل بزرگ تھے سلطان علاء الدین ثانی بہمنی کے عہد حکومت میں چالیس ہمراہیوں کے ساتھ فروز بیدر ہو ہو کر ایک نہایت ہی ویران جگہ میں جو کنج بن مشہور تھی سکونت اختیار کی مدت مدید تک آپ کی تشریف آوری کی کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ اس اثنا میں بے حد خشک سالی ہوئی اور کسی جگہ پانی کا چشمہ وغیرہ نہیں رہا۔ اور پانی پینے کے لئے بھی میسر نہیں آنے لگا۔ اتفاقاً ایک شخص نے حضرت کے پاس شیریں اور نفیس پانی کا چشمہ دیکھ لیا۔ اور اس کی اطلاع سب کو کردی باشندگان شہر نے بالاتفاق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر رفع امساک باراں کے لئے دعا کرنیکی استدعا کی۔ حضرت نے اسی قبول فرمایا اور دعا کی کہ فی الفور پانی پڑا۔ اور خلق اللہ کی پریشانی دور ہوگئی۔ اسی تاریخ سے آپ کنج نشیں مشہور ہوگئے۔ بادشاہ آپکا بڑا معتقد تھا ۹۴۳ھ سال کی عمر میں ۸۱۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔ گنبد کے اطراف ہمراہیوں اور اقربا کی قبریں قرینہ سے بنی ہوئی ہیں حیدرآباد کے مشہور بزرگ حضرت شاہ چندہ صاحب قادری (بانی کمان صوفیہ ومسجد صوفیہ مدرسہ صوفیہ بیدر) آپ ہی کی اولاد میں۔ (باقی دارد)

محمد عبد الوہاب عندلیب

رباعیات

یہ دل ہو مرا اور جفائیں تیری — آنکھیں ہو مری اور ادائیں تیری
تھک جائے اگر ہاتھ مرا وصل کی شب — لوں پنجۂ مژگاں سے بلائیں تیری

غم کھاتے ہیں اور خون جگر پیتے ہیں — زخموں کے عوض اپنا کفن سیتے ہیں
بیکاری کا اک شغل ہے یہ بھی ورنہ — سچ پوچھو تو مرنے کے لئے جیتے ہیں

بے جوش وخروش نوجوانی کیسی — معشوق نہ ہو تو شادمانی کیسی
ہے عمر خضر کو دونوں ہاتوں سے سلام — دل زندہ نہ ہو تو زندگانی کیسی

میر	ہمیشہ چشم ہے نمناک ہاتھ دل پر ہے	خدا کسی کو بھی ہمسا نہ دردمند کرے
〃	اضطراب و قلق و شوق میں کسلو رحموں	جان واحد ہے میری اور ہیں آزار کئی
〃	اللہ رے عندلیب کی آواز دل خراش	دم ہی نکل گیا جو کہا اُس نے ہائے گل
〃	داغ فراق و حسرت وصل ارزوے شوق	میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لیگیا
〃	ہم بھی پھرتے ہیں اک چشم لیکر	دستہ داغ و فوج غم لیکر
درد	نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص ہووے	دو ستو درد کو محفل میں نہ تم یاد کرو
سوز	اے اہل بزم آؤں میں بھی پر ایک سن لو	تنہا نہیں ہوں بہائی بانالہ و فغاں ہوں
〃	دل پہ سینے میں داغ روشن ہے	اپنے گھر کا چراغ روشن ہے
〃	اے طبیبو مجھکو سودا اور ہے	تم جو کرتے ہو مداوا اور ہے
〃	مثل نے ہر اشخواں میں درد کی آواز ہے	کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہی یا ساز ہے
〃	چین نے دن کو ہی آنکھو نکو نہ شب آرام ہے	شام سے تا صبح رونا صبح سے تا شام ہے
〃	درد سے محفوظ ہوں درماں سے مجھکو کام کیا	بار خاطر تھا سو میرا یار شاطر ہو گیا
〃	دل ہے یا منزل کہ حسرت ہے یا غم خانہ ہے	بارگاہ درد ہے یا سوز کا کاشانہ ہے
〃	جو دو شخص خنداں ہم دیکھتے ہیں	فلک کی طرف رو کے ہم دیکھتے ہیں
قائم	مت جا تمار دم پر قائم کے تو پیارے	یہ خستہ فی الحقیقت مدت سے مر چکا ہے
〃	درد دل کچھ کہا نہیں جاتا	ہائے چپ بھی رہا نہیں جاتا
〃	عالم میں ہیں اسیر محبت کے ہر کہیں	لیکن ستم کسی پہ نہیں اس قدر کہیں
〃	دل ہے یارب کہ چشمۂ خوں ہے	چشم ہے یا لہو کا نالہ ہے
ممنون	جگر جلتا ہے دل بھڑکے ہے کچھ سینہ سلگتا ہے	بجھے جاتے ہیں یارب ضبط کب تک کیجئے
جرأت	ہے مشکل زخم ہم آفت رسیدوں کی یہ صورت ہے	نہ رونے کا مزا ہے کچھ نہ لذت مسکرانے کی
مصحفی	بہار آئی خدا جانے کہ کیا گزرے ہمیروں پر	نہیں معلوم کچھ اب کے برس احوال بلبل کا
〃	رخ زرد و مال نیا دیدہ تر پر رکھا	ایک پھاہا بھی نہ ناسور جگر پر رکھا
〃	غم کھاتا ہوں لیکن میری نیت نہیں بھرتی	کیا غم ہے مرے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

حسن	بید اور نے کہا بھی جو تم سے تو کیا ہوا	قصہ کو میرے سنئے کسی دردمند سے
آسی	تو نکلتی ہے مرے ہر بن مو سے دن رات	شمع تو ایک ہی شعلہ سے گلی جاتی ہے
〃	نہیں یاد چمن صیاد سیر گلستاں بھولے	قفس میں جی لگا ایسا کہ یکسر آشیاں بھولے
نصیر	رفیق غم کے سوا یہاں نہیں کوئی دن رات	یہ درد پہلو ہے اپنا تو ہمنشیں دن رات
〃	اپنا دل شکستہ کسی سے بنا نہ حیف	ہم لیکے شیشہ گر کی بھی دوکاں نکل گئے
〃	جگر میں آہ سوزاں ہے رکھے چشم تر پانی	الٰہی دل کدھر جائے ادھر آتش ادھر پانی
مومن	ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی سے کسی کو ہم	منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی پہ ہم
غالب	خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں	چراغ مردہ ہوں میں بے زباں گور غریباں کا
〃	غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی	فلک کا دیکھنا تقریب اس کے یاد آنے کی
〃	خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کسکو کوئی موسم ہو	وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا
〃	نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا	کام میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا
〃	جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام	دیا ہے ہمکو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
〃	قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے بلبل کو	خزاں ہو تا ہر اکیا ہے نو ہنجان گلشن کو
〃	ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ	جسکی بہار یہ ہو پھر اوسکی خزاں نہ پوچھ
〃	کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو	کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے
〃	جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی	لکھ دیجیو یارب اوسے قسمت میں عدو کی
〃	حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں	مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
〃	سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یہاں	دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے
〃	ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی	کہ صبح عید مجھکو بدتر از چاک گریباں ہے
ظفر	پردہ رکھو تڑپنے سے غرض کیا کہ سر زخم	یکساں ہے گزری کاہو کہ کمخواب پھاہا
〃	میں صبر کروں جو دے اگر ایک شے تکلیف	قسمت مجھے پہنچاتی ہے ہر ایک سے تکلیف
〃	یہ قصہ وہ نہیں تم جسکو قصہ خواں سے سنو	مرے فسانۂ غم کو مری زباں سے سنو
〃	نے شمع انجمن ہوں نہ میں لالۂ چمن	پھر کیوں جہاں میں داغ بدل آفریدہ ہوں

شہید	دلگداز اپنا نہ تھا جب سخت پتھر تھا شہید	درد کا پتلا بنا جب سے میں انساں ہو گیا
〃	میں وہ گریہ کناں ہوں ہمدم اس باغ عالم میں	کہ جس جا رونے بیٹھا مثل شبنم اٹھ نہیں سکتا
〃	دیکھا نہ حیف باغ یہ پھولا پھلا ہوا	میں فصل گل کے بعد قفس سے رہا ہوا
〃	قفس میں بند رہا یا اسیر دام رہا	نہ دیکھی صورت گل میں نے عمر بھر صیاد
〃	دہن آہ و فغاں سے بند نہیں	مجھ سا دنیا میں درد مند نہیں
〃	جوں مردمک دیدہ اسیر قفسی ہوں	نالاں ہمہ تن مثل صدائے جرسی ہوں
〃	شمیم گل جو قفس تک نسیم لائی ہے	مجھے خبر دو کوئی کیا بہار آئی ہے

باب الراء

راضی برضا (۲۴)

تاباں	دنیا کے نیک و بد سے کچھ تاباں نہیں ہے مجھکو غم	گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور دوں ہوا تو کیا ہوا
میر	بے رزمی کا نکر گلہ غافل	رہ تسلی کہ یوں مقدر تھا
سودا	یوں نہ چاہیگا دل آگاہ یہ ہو وہ نہ ہو	اس کی یہ خواہش معاذاللہ یہ ہو وہ نہ ہو
〃	جوں گل ہے مجھ پہ احساں کیا ساقی ازل کا	میرے لہو سے مجھکو اک جام بھر دیا ہے
〃	لب تشنگان جام شلیم ہم ہیں ساقی	یا بادہ یا ہلاہل جو ہو سو واہ واہ ہے
درد	نہ مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو	الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضی الٰہی ہو
سوز	نیک و بد سے نکروں اپنے لکھے کا شکوا	جو کہ قسمت کی ہے تحریر بہت اچھی ہے
〃	جتنے ہیں کام تری سونپ خدا کو اے سوز	تیری تدبیر سے تقدیر بہت اچھی ہے
〃	ستم کو اس کے محبوب ستم نہ کہئے کبھی	بغیر شفقت و لطف و کرم نہ کہئے کبھی
قائم	ہزار مہر ہیں مخفی فلک کے کینے سے	کرے ہے رخنہ عبث خضر کب سفینے میں
〃	شادی و عیش دیا بخ و عنا دیتا ہے	لے تو دل کھول کے جو تجھکو خدا دیتا ہے
〃	نہ کر تفرقہ صاف و درد جہاں میں	جو کچھ تجھکو ساقی دے سو واہ واہ ہے

قائم	نہ غم برا ہے نہ عیش و نشاط اچھا ہے	سبھی مساوی ہیں یہاں یہ فقیر کا گھر ہے
〃	دیتا ہے وہی طبیب حاذق	بیمار کو جو دوا ہے بہتر
〃	کس سے کہوں حال بد کہ وہ آپ	کچھ مجھ سے بھی جانتا ہے بہتر
〃	کل پہ رکھتے ہو مرے قتل کو کا ہے کیلئے	ہو چکے آج ہی وہ کیوں نہ جو ہونا ہووے
مومن	غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے	نہ ہوں بیزار دوزخ سے نہیں مشتاق جنت کا
غالب	ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق	نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی
ذوق	لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے	اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
شہید	کم ذریا فلک سے نہ ہو تو چیں بجبیں	ہلال وار تو کر شغل جبہہ سائی کا
〃	برنگ سرو گزری اس چمن میں یک جا پہ	نہ شادی ہم کو شادی کی نہ غم تازیت تھا غم کا
〃	ہوا کہ ذرا تو امر حقیقت سے آشنا	اے بیوقوف تجھکو بیگانہ کیا ضرور
〃	پاؤں میں آبلے ہیں آبلوں میں دست کے خار	رنگ سو طرح کے ہیں میری تہی پائی میں
〃	کون سی ایسی آدمی کی ہے لاکھ برس کی عمر	دن ہیں گزرتے اب جیسے اسطرح گزرتے تھے

روانی عمر (۲۳)

سودا	بہت بیجا ہے رہنا سرکشی سے بزم ہستی میں	کہ شمع رشتۂ عمر کا سر آن ہے تھوڑا
〃	کھینچ کر تیغ مگر چیونٹی پڑا ہے پیچھے	رات دن عمر کے کیا جلد گھٹے جاتی ہیں
〃	جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے	زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہے
〃	پیری چلی اور گئی جوانی	اے درد کہاں کی زندگانی
جرأت	چلی جاتی ہے تو اے عمر رفتہ	یہ ہم کو کس مصیبت میں پھنسا کر
〃	ہزار افسوس کیوں اے زندگانی	چلی تو خاک میں ہم کو ملا کر
مصحفی	نظارہ کردں دھر کی کیا جلوہ گری کا	یہاں عمر کو وقفہ ہے چراغ سحری کا
〃	بحر جہاں میں رہنے کی تا دیر کیا خوشی	صد سالہ زندگی بھی ہے وقفہ حیات کا
حسن	شمع ساں شب کے مہماں ہیں ہم	صبح ہوتے ہی پھر کہاں ہیں ہم

نیک نامی کی قدر و قیمت

نیک نامی کی قدر و قیمت کی طرف توجہ دلانے کے لئے ایک سچا واقعہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ زمانۂ گزشتہ میں ابوسعید ایک بڑا عالم جید گزرا ہے اس نے ایک مرتبہ نظام الملک طوسی سے عرض کیا کہ اگر آپکا حکم ہو تو میں آپ کے لئے ایک ایسی نایاب چیز خریدوں جس سے آپ کا نام نیک دنیا بھر میں مشہور ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے قائم رہ سکے نظام الملک نے متحیر ہو کر پوچھا وہ کیا چیز ہے جس کو خرید تم میرا نام نیک ہمیشہ کے لئے دنیا میں قائم رکھ سکو گے ابوسعید نے عرض کیا کہ بعد میں آپ کے نام سے ایک مدرسہ بناؤنگا جس کے ذریعہ سے مجھے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی قطعی امید ہے نظام الملک نے اس کی درخواست کو منظور کیا اور خازنکو حکم دیا کہ ابوسعید کو جس قدر روپیہ کی ضرورت ہو دیا کرے۔

ابوسعید نے مدرسے کی تعمیر شروع کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں ایک بہت بڑا مکان تیار کر دیا اور نظام الملک کے نام پر اس کا نام "مدرسہ نظامیہ" رکھا اس کے بعد کئی باغات و جاگیرات۔ وغیرہ خرید کر مدرسے کے اخراجات کے لئے وقف کر دئے اور ہر علم کی تعلیم کے لئے ایسے علمائے جید کو مقرر کیا جن کا اس زمانہ میں ثانی نہ تھا۔ پس جا بجا اس مدرسے کی شہرت ہونے لگی دور دراز مقامات سے طلبا آنے لگے اور جو یہاں سے تعلیم پاکر جاتے وہ اپنے وطن میں پہنچ کر اس مدرسے کی بڑی تعریف کرتے یہاں تک کہ کچھ ہی عرصہ میں اس مدرسے نے ایسی ترقی کی کہ دنیا بھر میں اس کی دھوم مچ گئی۔ اور اس طرح نظام الملک کا نام نیک دنیا بھر میں مشہور ہو گیا۔

اسی اثنا میں کسی نے نظام الملک کو خبر دی کہ سرکار سے جو روپیہ ابوسعید کو اخراجات مدرسہ کے لئے دیا گیا تھا اس کا اکثر حصہ وہ خود اپنے خرچ میں لا بیٹھا

ہے۔ چنانچہ مدرسے کے اخراجات سے متعلق جو ساٹھ ہزار دینار کا صرفہ بتایا گیا ہے اسکا تفصیلی حساب اُس سے طلب کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا۔ نظام الملک کے اس مخبر پر اعتبار آگیا اور اس نے ابوسعید سے ساٹھ ہزار دینار کا تفصیلی حساب طلب کیا۔

ابوسعید اس کے حساب طلب کرنے سے تاڑ گیا کہ نظام الملک کو اس سوءِ ظنی پیدا ہو گئی ہے پس اس نے ناراض ہو کر بغداد کو لکھا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لئے ساٹھ ہزار دینار کے معاوضہ میں ایک ایسا نیک نام خرید دوں جو ہمیشہ کے لئے دنیا میں قائم رہ سکے گا۔ خلیفہ نے حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا کہ ایسی دولت بھی کہیں بکتی ہے تم اس کو کس طرح خرید سکو گے ابوسعید نے جواب دیا کہ نظام الملک طوسی کے نام سے جو مدرسہ بغداد میں قائم ہے اس کا نام نکالکر اس پر آپکا نام لکھدونگا خلیفہ نے بخوشی منظور کر لیا اور حکم دیا کہ جب چاہو رقم منگوالو۔

ابوسعید یہ سب بندوبست کر لینے کے بعد نظام الملک طوسی کے یہاں گیا اور صاف صاف کہدیا کہ آپ مجھ سے جو حساب طلب کر رہے ہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں اگر آپ اپنے نام پر مدرسہ رکھنا چاہتے ہیں تو خیر ورنہ اپنی ساٹھ ہزار دینار لے لیجئے میں اُس کو کسی اور کے نام منتقل کر دونگا۔ نظام الملک نے خیال کیا کہ پیسہ ہاتھ کا میل ہے نام کہاں ملتا ہے مجھے ساٹھ ہزار دینار کی ضرورت نہیں صرف نام چاہئے القصہ نظام الملک طوسی نے ساٹھ ہزار دینار کی کچھ پروا نہ کر کے نیک نام حاصل کرنے کو ترجیح دی اسی لئے اُسکا نام صفحہ دنیا پر اب تک قائم ہے بلکہ قیامت تک قائم رہیگا۔

ناظرین غور کر سکتے ہیں کہ اُس زمانہ سے اب تک اُس سے بہت زیادہ دولتمند بادشاہ شہنشاہ گزرے ہیں مگر کسی کا بھی نام و نشان علمی دنیا میں اس طرح روشن نہ ہوا جس طرح نظام الملک طوسی کا! اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نیک نام کیسی پائدار اور کیسی لاقیمت چیز ہے مگر تعجب ہے کہ لوگ دولت ہی کا بڑا مرتبہ جانتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کم فہمی ہے ورنہ دولت بالکل ناپائدار شے ہے اور نیک نام ہمیشہ

قائم رہنے والی دولت ہے

قارون ہلاک شد چہل خانہ گنج داشت نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گزاشت

جس شخص کو خدائے تعالےٰ نے دولت عطا کی ہے وہ اس لئے نہیں عطا کی کہ صرف جمع کر کے تہ خانوں میں رکھدی جائے اس لئے دی ہے کہ نیک کاموں میں خرچ کر اس کا نیک نتیجہ دین و دنیا میں حاصل کرے۔ پس ہم اپنے ملک و قوم کے دولتمندوں سے التماس کرتے ہیں کہ وہ بھی اسی طرح نیک نام حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اپنی اسی قسم کی بہترین یادگاریں دنیا میں چھوڑ جائیں جس سے اپنے ملک و قوم کو فائدہ پہنچے اور اُن نیک نام بھی ہمیشہ کے لئے دنیا میں زندہ رہے۔

سید نور محمد مہدوی
(سلطانیہ ریڈنگ روم چنچلگوڑہ)

غزل

سختیاں سہتے ہیں غم کھاتے ہیں مرجاتے ہیں کرنے والے تو ہر اک کام کو کر جاتے ہیں

سو تدبیر سے جان اپنی جو کرتے ہیں تلف مفت الزام وہ تقدیر پہ دھرتے ہیں

وائے قسمت کہ ہے ہستی میں قدم کو لغزش ہم کو جانا ہے کہاں اور کدھر جاتے ہیں

راہ دشوار ہے اور منزل مقصود ہے دور سخت ناداں ہیں جو بے زاد سفر جاتے ہیں

راستہ رک نہیں سکتا ہے جوانمردوں کا تیغ کے گھاٹ سے وہ پار اتر جاتے ہیں

چاک رکھتے ہیں جگر کو جو نگینہ کی طرح صفحۂ دہر پہ نام اپنا وہ کر جاتے ہیں

ٹھنڈی سانسوں سے تری ہوتی ہے افسردہ دلی اس چمن سے تو ہم اے باد سحر جاتے ہیں

خوبرویوں کی محبت کا برا ہے انجام بیوفا ہوتے ہیں دل لیکے مکر جاتے ہیں

سختیاں لاکھ زمانے کی ہوں کچھ غم نہیں زال دنیا سے کہیں مرد بھی ڈر جاتے ہیں

فرصت دم زدن اے لمعہ غنیمت ہے بہت
باتوں باتوں ہی میں ایام گزر جاتے ہیں

حجاج بن یوسف
اور
ایک کم سن لڑکا

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس شخص میں برائیاں ہی برائیاں ہوں اُس میں کچھ خوبیاں بھی ضرور پائی جاتی ہیں حجاج بن یوسف کا جور وظلم اتنا ہی مشہور ہے جتنا حاتم کا جود و رحم۔ مگر وہ باوجود اس کے کچھ بھلائیاں بھی رکھتا تھا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ وہ حلیم، شجیع، سخی، ماہر فنون جنگ تھا۔ اُس کا ایک قصہ درج ذیل کیا جاتا ہے

حجاج ایک روز امرائے عراق کے ساتھ دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک خوبصورت لڑکا جس کے رخساروں پر دونوں طرف چوٹیاں لہرا رہی تھیں اور جسکی عمر بمشکل ۱۲ سال کی ہوگی دربار میں بیدھڑک چلا آیا اور بے باکانہ سیدھا بائیں مکان کے سامان ارائش و اسباب آسایش کو دیکھتا رہا معلوم ہوتا تھا کہ اُس پر دربار کا کوئی رعب نہیں پڑا ہے نہ اُس کو دربار کا کوئی لحاظ ہے۔

عمارت کے بام و در پر نظر دوڑا کر اُس نے قرآن مجید کی یہ آیت نہایت خوش الحانی سے پڑھی۔

اتبنون بکل ریع ایۃ تعبثون وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون۔	کیا تم ہر ہر جگہ ایک ایک نشانی بناتے ہو جو ایک بیکار کام ہو اور کارخانے قائم کرتے ہو اس خیال سے کہ شاید تم ہمیشہ رہو گے۔

اس آیت کو سنتے ہی حجاج جو تکیہ سے پیٹھ لگائے بیٹھا تھا۔ اُٹھ بیٹھا۔ اور کہنے لگا "لڑکے! تو بڑا ذہین وزیرک معلوم ہوتا ہے کیا تو قرآن مجید کا حافظ ہے؟" لڑکا۔ قرآن مجید ایسی چیز نہیں ہے جو ضائع ہو سکے اور مجھے اس کی حفاظت کی ضرورت

ہو۔ خود خدائے تعالےٰ اس کا محافظ ہے۔"

حجاج۔ "میرا مطلب یہ نہیں ہے میں کہتا ہوں کیا تو نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے؟"

لڑکا۔ "قرآن شریف پراگندہ نہیں ہے۔ جس کو میں جمع کر دوں۔"

حجاج۔ "یہ بھی نہیں میری مراد یہ ہے کہ تو نے قرآن کو محکم بنایا ہے؟"

لڑکا۔ "کیا خدائے تعالےٰ نے اُس محکم کر کے نہیں نازل فرمایا؟"

حجاج۔ "میں یہ پوچھتا ہوں کہ تو نے قرآن کو پشت پناہ بنایا ہے؟"

لڑکا۔ "نعوذ باللہ میں قرآن شریف کو پیٹھ کے پیچھے نہیں ڈالنا چاہتا۔"

حجاج۔ "تجھ پر افسوس ہے کہ تو میرا مطلب نہیں سمجھتا اب کیا کہوں خدا تجھ کو غارت کرے۔"

لڑکا۔ "تجھ پر اور تیری قوم پر افسوس ہے تجھ کو کہنا چاہیئے تھا کہ تو نے قرآن کو یاد کیا ہے یا نہیں۔"

حجاج۔ "اچھا تو کچھ پڑھو۔"

لڑکا۔ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا"

حجاج۔ "قرآن مجید میں یدخلون فی دین اللہ ہے (یعنے دین خدا میں داخل ہونگے) اور تو یخرجون من دین اللہ پڑھتا ہے (یعنے دین خدا سے نکل جائینگے)"

لڑکا۔ "پہلے لوگ دین میں داخل ہوتے تھے اور اب دین سے خارج ہو رہے ہیں۔"

حجاج۔ "کیوں خارج ہو رہے ہیں؟"

لڑکا۔ "ان کے ساتھ تیرا برا سلوک ہے اس لئے وہ دین سے بھاگ رہے ہیں۔"

حجاج۔ "تجھ پر افسوس ہے کیا تو نہیں جانتا کہ کس سے کلام کر رہا ہے؟"

لڑکا۔ "جانتا ہوں کہ تو حجاج ثقفی ہے اور دوسرے لفظوں میں شیطان بصورت انسان۔"

حجاج۔ "تجھ پر خدا کی مار! تو کس کا بیٹا ہے؟"

لڑکا۔ "جس کے نطفہ سے میں پیدا ہوا۔"

حجاج "تیری ماں کون ہے؟"

لڑکا "جس نے مجھے جنا"

حجاج "تو کہاں پیدا ہوا؟"

لڑکا "جنگل میں"

حجاج "تو نے کہاں پرورش پائی؟"

لڑکا "میدانوں میں"

حجاج "تجھ پر خدا کی مار تو دیوانہ معلوم ہوتا ہے میں چاہتا ہوں کہ تیرا علاج کرایا جائے"

لڑکا "اگر میں دیوانہ ہوتا تو تجھ تک پہونچ نہ سکتا اور نہ تیرے روبرو کھڑا رہ سکتا۔ بلکہ تیرے بذل و کرم کا امیدوار ہوتا اور تیرے ظلم و ستم سے ڈرتا۔ اور تجھ سے بہ ادب پیش آتا"

حجاج "تو امیر المومنین کے بارے میں کیا کہتا ہے؟"

لڑکا "خدا حضرت حسن پر رحمت نازل کرے"

حجاج "میری مراد حسن نہیں ہے میں مروان بن عبدالملک کی بابت پوچھتا ہوں"

لڑکا "اس فاسق و فاجر پر خدا کی لعنت"

حجاج "(متعجب ہوکر) خدا کی لعنت! وہ کیوں لعنت کا مستحق ہوا؟"

لڑکا "اس وجہ سے کہ وہ خطا کار ہے اس نے آسمان و زمین کو ظلم سے بھر دیا"

حجاج "یہ کیونکر؟"

لڑکا "وہ رعایا کے مال کو حلال اور خلائق کی خوں ریزی کو مباح سمجھتا ہے"

اس وقت حجاج اپنے مصاحبین سے پوچھنے لگا "تم لوگ اس کی نسبت کیا رائے دیتے ہو؟"

مصاحبین "حضور۔ اس سرکش لڑکے کو قتل کرنا چاہئے۔ اس نے نافرمانی کی اور وہ وہ باتیں کہی ہیں جو عوام کو نقصان پہونچانے والی ہیں"

لڑکا "حجاج سے، او ظالم تیرے مصاحبوں سے تو فرعون کے مصاحب ہی اچھے تھے۔ انھوں نے موسیٰ اور ہارون کے بارے میں فرعون سے درگزر کرنے کو کہا تھا۔ بخلاف اس کے یہ لوگ تجھے میرے قتل کا مشورہ دیتے ہیں قیامت کے دن یہ خدا کو کیا جواب دینگے۔ جو مغروں کو ذلیل اور شکستہ کو برباد کرنے والا ہے"

حجاج "زیادہ مت بک اور منہ میں لگام دے میں ڈرتا ہوں کہ جلدی میں تیرے لئے کوئی برا حکم نہ دیدوں میں تجھکو چار ہزار درہم انعام دیتا ہوں"

لڑکا "مجھے تیرے درہم کی کچھ حاجت نہیں۔ خدا تیرا منہ سفید کرے (یعنے تجھے کوڑھ پھوٹے) اور تیرے قدموں کو بلند (یعنے سولی پر چڑھائے) عربی میں یہ فقرہ ذو معنی ہے جس میں مدح کا پہلو بھی ہے اور ذم کا بھی عربی میں سفید کرنے کے معنی منہ روشن کرنے کے اور قدموں کو بلند کرنے کے معنی بلند قدر اور رفیع المنزلت کرنے کے بھی آتے ہیں"

حجاج "مصاحبوں سے، کیا تم اس کی دعا کو سمجھے؟"

مصاحبین "حضور بہتر سمجھ سکتے ہیں"

حجاج "اس نے سفیدی سے کوڑھ۔ اور پاؤں کو بلند کرنے سے سولی مراد لی ہے"

حجاج "لڑکے سے، کیوں بے! تیرا یہی مطلب ہے نا"

لڑکا "خدا اس منافق کو مار ڈالے جو نہیں سمجھا"

حجاج کو غصہ آگیا اور اس کے قتل کا حکم دیدیا۔

جلاد "دو حاضر تھا، حضور! خدا آپکا بھلا کرے اس لڑکے کو مجھے بخش دیجئے"

حجاج "اچھا لے لے، تجھکو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا"

لڑکا "میں نہیں جانتا کہ تم دونوں میں کون زیادہ احمق ہے اگر میری قضا آگئی ہے تو جلاد بچا نہیں سکتا۔ اور نہیں آئی ہے تو حجاج مار نہیں سکتا"

جلاد "لڑکے میں نے تجھے موت سے بچایا مگر تو ایسے بیہودہ کلام سے باز نہیں آتا

اور بھی گالیاں دے رہا ہے۔"

لڑکا۔ "میں چاہتا ہوں کہ شہید ہو کر سعادت دارین حاصل کروں۔ اور میرے لئے گھر کو خالی جانے سے قتل ہو جانا بہتر ہے۔"

حجاج "ہم نے تیرے لئے لاکھ درہم کا حکم دیا ہے اور تیری کم عمری اور صاف گوئی کی وجہ سے تجھکو معاف کر دیا۔ خبردار آئندہ کسی حاکم کے سامنے ایسی جرأت نہ کرنا کہ مبادا تجھکو اپنی زباں درازی کی سزا بھگتنی پڑے۔"

لڑکا۔ "معاف کرنا تیرے بس میں نہیں۔ خدا کے ہات ہے اس لئے میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ تیرا نہیں۔ خدا کرے کہ اب میرا تیرا مقابلہ ہو۔" یہ کہکر لڑکا چلتا بنا۔ چوبدار پیچھے دوڑے مگر حجاج نے کہا کہ اس بچا بچھا نکو میں نے ایسا دلیر زباں آور لڑکا عمر بھر نہیں دیکھا نہ دیکھنے کی امید ہے فقط

محمد عبد السلام

رباعیات

کب تجھکو ملے ہیں زندگانی کے مزے — کچھ مانگ لے ہم سے شادمانی کے مزے
بیفکری و مے نوشی و شاہد بازی — اے پیر فلک ہیں یہ جوانی کے مزے

فوج عشاق کا ہراول ہوں میں ہوں — جاں بازی کو حاضر سر مقتل ہوں میں
سر کیوں نہ فدا کروں میں سب سے پہلے — آخر ترے عاشقوں میں اول ہوں میں

نقاش ازل نے کیا اتاری تصویر — دیکھی نہ کسی نے ایسی پیاری تصویر
دیکھا ہے مرقع دو عالم ہم نے — تصویر میں تصویر تمہاری تصویر

آفت ہے غضب ہے کج ادائی تیری — پھر اس پہ قیامت ہے جدائی تیری
اور دشمن ایمان عدوے عشاق — سب پر طرہ ہے بے وفائی تیری

پھر ہم کو ہے چاہ اک بت کم سن کی — پھر خیر نہیں اپنے دل ایمن کی
اب کے بھی بہت آہ نے باندھے ہیں زور — معلوم نہیں ہوا ہے کتنے دن کی

بھائی

دوست بھائی کی طرح مشفق نہیں ملتا دیکھا
دوست سچا بھائی سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے کہیں

بھائی جسکا ہو جہاں میں وہ بڑا ہے خوش نصیب
قوت بازو نہیں جسکا کوئی بھائی نہیں

بھائی ہی بھائی کا ہوتا ہے جہانیں غمگسار
بھائی ہی بھائی کا وقت بد میں ہوتا ہے معین

بیمی ہمدردی اگر پوچھو تو وہ بھائی میں ہے
بیمی ہمدردی اگر دیکھو تو غیر میں نہیں

بھائی جب تک دوست ہے جانو کہ وہ بھائی ہے
دشمنی میں اسکو سمجھو دشمن جاں بالیقیں

کوئی بھائی کے برابر بھی نہیں غمخوار دوست
کوئی بھائی سے بھی بڑھکر دشمن جانی نہیں

دوستی میں بھائی کو جانو کہ ہے وہ یار غار
دشمنی جب ہو تو اس کو سمجھو مار آستیں

بھائیوں نے اپنے عالم گیر نے کیا کیا کیا
دیکھو کیا تاریخ میں ہے حال ملعون ہیں

سن چکے ہو حال تم ہابیل اور قابیل کا
جانتے ہو قصہ اخوان یوسف بالیقیں

حیف ہے بھائی کو دیکھے بھائی خود تحقیر سے
حیف ہے بھائی کو سمجھے بھائی خاکستر نشیں

حیف ہے دشمن بنالے اپنا بھائی بھائی کو
حیف ہے بھائی کو کر دے بھائی خود اندوہگیں

ہو بڑا بھائی تو چھوٹے پر رہے وہ مہرباں
چاہیے چھوٹے کو رکھے وہ ادب خاطر نشیں

جو بڑا بھائی ہو چھوٹے کی خطا کر دے معاف
چاہیے چھوٹے کو ہو اپنی خطا پر تر نگیں

عمر بھر نبھ جائیگی دونوں کا ہو جب یہ شیوہ
پوچھنا کیا بھائی دو جسم یک ہو جائیں ذہیں

رباعیات

آنکھوں نے کیا کام نہ روتے روتے
پایا انھیں اپنی جان کھوتے کھوتے

سلگی ہے یہ آگ دھیمی دھیمی اول
ہوتا ہے اثر عشق کا ہوتے ہوتے

بے ساختہ پہلو سے نکل جاتے ہیں
شوخی سے تڑپ کے اور تڑپاتے ہیں

بیموقع جو ہو جاتی ہیں آنکھیں نیچی
وہ فرط حیا سے آپ شرماتے ہیں

سن سنکے شکایت کبھی ہو جاتی ہیں نرم
ہوتے ہیں کبھی عجز پہ میرے وہ گرم

نرمی ہے یہ بر محل نہ گرمی اول
شوخی میں یہ شوخی ہے نہ یہ شرم میں شرم

ریویو

زن بدخو۔ ہمارے کرم فرما جناب مولوی سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین حیدرآبادی نے ۱۲ صفحہ کی ایک مثنوی لکھی ہے جس میں ایک بدخو عورت اور ایک صالح مرد کا قصہ بڑی خوبی سے نظم کیا ہے۔ اور آخر میں عورت کی بدخوئی کا برا انجام نہایت خوش اسلوبی سے بتایا ہے۔ یہ مثنوی شروع سے آخر تک پڑھنے کے قابل ہے۔ عورت کا ہمیشہ لڑائی جھگڑا نکالنا۔ بدزبانی سے پیش آنا۔ محلہ کو سر پر اٹھانا۔ مرد کا نرمی و آشتی سے سمجھانا۔ قائل معقول کرنا اور آخر میں منا سمجھا کے رستہ پر لگانے کی کوشش کرنا یہ سب باتیں اس طرح نظم کی گئی ہیں۔ کہ پڑھتے وقت ان کا نقشہ نگاہ میں کھچ جاتا ہے ہم ذیل میں اسکے چند اشعار نقل کرتے ہیں:۔

ایک تھا مرد ذی ہنر عاقل ؛ وصف تھے جس میں مدح کے قابل
بیوی اس کی مگر تھی بدسیرت ایک آفت تھی وہ نہ تھی عورت
زوج تھا پھول۔ خار تھی زوجہ زوج تھا نور۔ نار تھی زوجہ
مرد تھا خیر محض شر زوجہ صلح جو مرد۔ فتنہ گر زوجہ
باوفا مرد۔ بے وفا زوجہ باحیا مرد۔ بے حیا زوجہ
مرد سے تو ہر اک کو الفت تھی اس کی زوجہ سے سب کو نفرت تھی
رکھتے تھے مرد سے محبت غیر رکھتے تھے زن سے سب یگانے بیر
مرد کے دل میں الفت بے حد زن کے سینہ میں کینہ، بغض، حسد
مرد تھا صابر و حلیم و متین زن کے اوصاف قابل نفریں
بدزباں بھی زباں دراز بھی تھی مسرفہ اور اہل آز بھی تھی ؛ ؛
زوج محنت سے پائے کیا راحت زوجہ اس کی اگر ہو بدسیرت
زوج کی جسقدر کہ آمد تھی نذر اسراف زوجہ بد تھی
اس پہ طرہ کہ ہوگئی اولاد زندگی مرد کی ہوئی برباد ؛

زن کی فرمایشوں سے مرد تھا تنگ — صلح کیسی کہ زن تھی برسرِ جنگ
نہ گزرتا تھا کوئی دن ایسا — کہ نہ لے بیٹھتی کوئی جھگڑا
بات اچھی ہو یا بری ہو کوئی — وہ لڑائی نکال ہی لیتی
کہتی ہر بار تھی یہی رو کے — تم نے کچھ بھی کیا نہ میرے لئے
نہ کسی دن کھلائی اچھی چیز — نہ کسی دن پہنائی اچھی چیز
میں نے اس گھر میں دلھن ہی دکھ جھیلے — ایک دن بھی نہ گزرا راحت سے
جب سے آئی نہ خوش رہی اک دن — تم سے یہ بات ہی نہیں ممکن ہو
موت آئے تو پاؤں میں راحت — جان جائے تو جائے یہ کلفت
موت بھی تو خدا نہیں دیتا — ایسے جینے سے ہے بھلا مرنا

اس قدر مسرفہ وہ عورت تھی — کنج قاروں نہ تھا اُسے کافی
فکر انجام کی نہ تھی کچھ بھی — خرچ کل کا بھی آج ہی کرتی
مرد نیچ جائیں چیزیں کھانے کی — کچھ نہ تھی فکر اُسے بچانیکی
کرتی اولاد سے جو الفت تھی — فی الحقیقت وہ اک عداوت تھی
بچے جو کہتے ۔ ماں دلا دیجے — وہ بری چیز ہو کہ ہو اچھی
مرد بچوں کو گر پڑھاتا تھا — زجر سے اُن کو کچھ بتاتا تھا
زن کو یہ ناگوار ہوتا تھا — اُس کی خاطر یہ بار ہوتا تھا
کہتی ان کو عبث پڑھاتے ہو — تم نکما انھیں بناتے ہو
پڑھ کے تم کون سے امیر ہوئے — اور مفلس ہو کے فقیر ہوئے
کیوں پھر افلاس کو بڑھاتے ہو — کیا سمجھ کر انھیں پڑھاتے ہو

اس کے بعد دونوں میں ایک دن زیور کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ یہ بحث بہت طویل ہے اس لئے ہم اسکو نقل نہیں کر سکتے البتہ اسکا انجام لکھا دیتے ہیں

فرق آیا نہ اُس کی بک بک میں۔ — دوپہر ہونے آئی جھک جھک میں
اتنے میں ایک چھوٹا سا بچہ (بچۂ زوجہ) — آیا روتا ہوا کہ ۔ دو کھانا

غصہ اُس وقت اُس کو تھا از بس — کچھ نہ آیا خیال پیش و پس
روز سے بچہ کو ڈھکیل دیا — جا کے پتھر پہ سر پڑا اُس کا
بولا شوہر اری خدا سے ڈر — ایسا غصہ اور اپنے بچہ پر

بولی زوجہ کہ چپ رہو بس اب — ورنہ ڈھاؤنگی اور بھی میں غضب
بعد ہی اس کے وہ لگی رونے — خوں میں تر دیکھ بچے کو اپنے
قہر کی تھیں نگاہیں شوہر پر — گالیاں دینے لگ گئی آخر

آیا باہر سے دوسرا بچہ — وہ بھی کچھ ماں سے رو کے کہنے لگا
اگیا طیش و غیظ حد سے سوا — کچھ نہ سوچی ۔ اُسے بھی دی پٹکا
پھٹ گیا اُس کا سر بھی صد افسوس — اب وہ دونوں سے ہو گئی مایوس
ایک پتھر اُٹھا لیا اُس نے — پہلے دے مارا سر پہ شوہر کے
بعد اُس کے اُٹھا کے وہ پتھر — زور سے مارا اپنے سینہ پر

اور یہ کہتی ہوئی زمیں پہ گری — ہائے آتی نہیں اجل بھی مری
چوٹ جو قلب پر لگی کاری — بجھ گئی اک بھڑک کے چنگاری
مر گئی خوں اُگل کے دم بھر میں — لیجئے اس ہو گیا گھر میں۔

اے ذہیں ۔ باعث پریشانی — عورتوں کا ہے جہل و نادانی
اُن کی تعلیم و تربیت ہے ضرور — تاکہ آجائے ان میں عقل و شعور
ہے یہ ماں باپ کے فرائض میں — اپنی اولاد کو ہدایت دیں
کہ چلے راستی کے جادے پر — رہے ثابت وہ نیک اور آدے پر

گر نہ غیرت ہو مرد و عورت میں — مبتلا ہونگے دونوں ذلت میں
چاہئے زن کہ نیک سیرت ہو — صاحب شرم و اہل عفت ہو
زن ہو خوش خو اگر تو کیا غم ہے — ہو جو بدخو تو گھر جہنم ہے
زن بدخو بلا ہے آفت ہے — نیک خو ہو تو حور جنت ہے
زن بدخو سے تو بچا یارب — ہے یہی فکر و رنج و غم کا سبب

نیک کے گھر میں ہو نہ بدعورت رہے نیکوں سے دور یہ آفت
ایک کو دوسرے سے ہو نہ ملال رکھیں اک دوسرے کا دونوں خیال
سب کو توفیق دے تو نیکی کی
اے خدا! ہے دعا ذہین کی یہی

زن بدخو کی لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے اور شاید ۲ر میں فخر المطابع بر بیاد حیدرآباد سے مل سکتی ہے۔ ہم اس مثنوی کی داد دیتے ہوئے ذہین صاحب سے امید کرتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے زن بدخو کی برائیاں لکھ کے مردوں کی وکالت کا حق ادا کیا ہے اسی طرح مرد جنگجو کی زیادتیاں لکھ کے عورتوں کی حمایت کے بارے بھی یکدوشی حاصل کریں۔

اخلاقی سبق

کرپال سنگھ صاحب بی۔ اے نے بچوں کی تعلیم کے لئے ایک نہایت مفید سلسلہ بنام اخلاقی سبق آٹھ حصوں میں شائع کیا ہے۔ عمر کے مدارج کے لحاظ سے ہر حصہ مختلف عمر کے لڑکوں کے لئے بہت مفید اور ساتھ ہی دلچسپ ہے۔ طرز بیان ایسا صاف سیدھا اور موثر ہے کہ عبارت پڑھتے ہی مضمون دلنشین ہو جاتا ہے جا بجا تشبیہات حسیہ سے کام لیکر نصیحتوں کو مدلل بنایا گیا ہے۔ نصیحت اور اخلاق آموزی کا طریقہ اس سے بہتر خیال میں نہیں آسکتا۔ انگریزی میں اس قسم کے بیسوں مفید سلسلے لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن اردو میں اب تک اس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔

کرپال صاحب سنگھ کی یہ تصنیف اس قابل ہے کہ بچوں کی کلاسوں میں شامل کر لی جائے۔ ہم اُن کو اس تصنیف پر مبارک باد دیتے ہوئے پبلک سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ یہ سلسلہ اپنے بچوں کو ضرور پڑھائیں۔

ہم کو صرف حصہ چہارم و پنجم وصول ہوا ہے۔ ان حصوں کی بعض عبارتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ بچے نہانے سے اکثر گھبراتے ہیں اس لئے غسل کی خوبیاں

اس طرح اُن کے ذہن نشین کی جاتی ہیں :-

"ہردیوی اور اُتم۔ بظاہر اچھے بچے ہیں لیکن اُن میں یہ برائی ضرور ہے کہ جب کبھی ماں انھیں نہلانا چاہتی ہے تو وہ باہر بھاگ جاتے ہیں۔ اگر ماں انھیں پکڑ کر زبردستی نہلائے تو رو رو کر زمین آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں۔ بھائی بہن دونوں ہی مٹی میں کھیلنے کے عادی ہیں۔ اگر نہلائے نہیں جاتے تو اُن کی شکل بھوتوں جیسی نظر آتی ہے۔ نہاتے وقت دونوں اس زور سے چیختے ہیں کہ کبھی کبھی ماں بھی غصہ میں آکر انھیں تھپڑ لگا دیتی ہے۔ لیکن پٹے جانے پر بھی اُن کا رونا بند نہیں ہوتا۔ جب کنگھی کی نوبت آتی ہے تو ہردیوی پیٹ پیٹ کے اپنا ماتھا پھوڑ لیتی ہے۔ حجامت بناتے وقت یہی حال اُتم بھی کرتا ہے۔ ہردیوی کی دیکھا دیکھی اُتم زیادہ رونا اور چلانا سیکھ گیا ہے۔ ماں نہیں چاہتی کہ اُس کے بچے میلے کچیلے رہیں۔ اور بھوتوں کی شکل بنائے رکھیں۔ لیکن جب ہردیوی اور اُتم اُسے نہانے وقت تنگ کرتے ہیں۔ یا باہر بھاگ جاتے ہیں تو وہ بہت دکھی ہوتی ہے۔

آج اتوار ہے۔ ہردیوی اور اُتم صبح ہی سے گھر سے باہر کھیل میں لگے ہوئے ہیں۔ کھیلتے کھیلتے لالہ رام سرن کے باغ میں جا پہونچے۔ لالہ جی شہر کے معزز آدمی ہیں۔ اُن کے بچے بہت نیک طینت ہیں کیا مجال جو ماں باپ کے کسی حکم کو ٹال دیں۔ باغ میں رام لال۔ دیپ چند۔ نراین داس۔ سبھی کھیل رہے ہیں۔ ہردیوی اور اُتم چاہتے ہیں کہ اُن کے ساتھ ملکر کھیلیں۔ لیکن اُن بچوں کو اِن کے ساتھ کھیلنے سے انکار ہے۔ کیونکہ یہ بہت میلے کچیلے ہیں۔ اور وہ نہیں چاہتے کہ اِن کے ساتھ کھیلکر اپنے کپڑوں کو بھی میلا کریں۔

پھول کیسے تر و تازہ پاکیزہ۔ اور خوشنما معلوم ہوتے ہیں یہ ہر صبح شبنم سے غسل کرتے ہیں اور جب کبھی بارش ہوتی ہے تو ہردیوی اور اُتم کی طرح بھاگ کر نہیں چھپ جاتے۔ بلکہ جوں کے توں کھڑے رہتے ہیں۔ تاکہ بارش

کے پانی سے تمام گرد و غبار جو ہوا سے اُڑ کر اُن پر پڑ گیا ہے دھل کر صاف ہو جائے بال بکھرے۔ ہاتھ پاؤں پر میل جمی ہوئی۔ چہرے پر کالے کالے داغ۔ ہونٹ پپڑی۔ منہ میں بدبو۔ لباس گندہ۔ آنکھیں ڈراؤنی شکل بھوتوں جیسی۔ یہی پہچان میلے اور نہ نہانے والے لڑکوں کی ہے۔"

اس مسئلہ کو کہ غریب و امیر اپنی اپنی حالت میں ہی اچھے ہیں اور اُس کے بدلنے پر راضی نہیں ہوتے۔ کس خوبی سے سمجھایا ہے:۔

نامی اور مایا دیوی

نامی ایک چھوٹی سی دس بارہ سال کی غریب لڑکی ہے۔ اُس کی آدھی درجن سے زیادہ بھائی بہن ہیں۔ اُس بیچاری کو یہ خیال اکثر ستاتا رہتا ہے۔ کہ میری ماں باپ غریب آدمی ہیں ہمیں پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا۔ ہمارا گھر چھوٹا سا تنگ و تاریک اور میلی گلی میں ہے۔ میرے کھیلنے کو ایک ہی کھلونا ہے۔ اور وہ بھی مٹی کا۔ میری سہیلی مایا دیوی کی سہ منزلہ حویلی نچتہ چونے کی گچ بنی ہوئی ہے۔ کتنا بڑا صحن ہے۔ بیچ میں باغیچہ ہے۔ چاروں طرف کھلا میدان ہے۔ باغ میں ٹہلنے اور سیر کرنے کیلئے کیسی عمدہ روشیں اور خوشنما گھانس ہے۔ جابجا کئی قسم کے پیڑ اور خوشنما پھول لگے ہیں۔ جگہ کیسی صاف اور ستھری ہے۔ تمام حویلی میں بدبو کا نشان تک نہیں بیٹھنے اٹھنے کو اچھا سجا ہوا کمرہ کھیلنے کو قسم قسم کی گڑیاں اور کھلونے۔ پہننے کو ریشمی لباس اور کھانے کیلئے طرح طرح کی مٹھائیاں اور لذیذ کھانے۔ سواری کے لئے رتھ پالکی۔ غرض کسی سامان کی کمی نہیں۔ خدمت کے لئے نوکر چاکر بھی ایک دو نہیں کئی ہیں +

جب نامی کی ملاقات مایا دیوی سے پہلی دفعہ ہوئی تو اُسے دکھلانے کیلئے مایا دیوی اپنے تمام کھلونے الماری میں سے نکال لائی۔ اس موقع پر نامی کی مایا دیوی سے اس طرح گفتگو ہوئی +

نامی:۔ بہن! تمہارے کھلونے کیسے قیمتی اور خوبصورت ہیں۔

اخاہ! تم انہیں دیکھ کر بہت خوش رہتی ہو گی مجھ غریب کے پاس تو ایسا ایک بھی

کھلونا نہیں۔ ہاں سات آٹھ بھائی بہنیں ضرور ہیں"۔

مایا دیوی "کھلونے میرے کس کام کے ہیں۔ البتہ بھائی بہن ہوتے تو سب کے ساتھ ملکر کھیلنے کا کچھ لطف بھی ہوتا"۔

نامی "(تعجب سے) لطف ہوتا! واہ! لطف تو کیا ہوتا۔ دن بھر کوئی تمہارے کان کھینچتا۔ کوئی تمہیں دھکا ہوتا۔ کوئی مکا مارتا۔ جینا بھی دوبھر ہو جاتا"۔

مایا دیوی "(حیران ہوکر) گڑیوں کی نسبت تو بھائی بہن پھر بھی اچھے ہیں"۔

نامی "آنی دعا کرو۔ کہ اگر تمہارے بھائی بہن ہوں تو تمہیں دکھ نہ دیا کریں۔ میری آرزو تو بس یہی ہے۔ کہ میرے پاس تمہاری جیسی گڑیاں ہوں۔ باغیچہ ہو جس میں قسم قسم کے خوشنما پھول لگے ہوئے ہوں۔ رہنے کو پکا مکان ہو۔ پیٹ بھر کر کھانا ملے۔ اور بس"۔

مایا دیوی "تم نے کبھی اکیلے رہ کر نہیں دیکھا۔ گڑیاں کس کام کی جب کوئی ساتھ کھیلنے والا ہی نہ ہو۔ اکیلے تھوڑا کھیلا جاتا ہے۔ میں تو چاہتی ہوں۔ کہ میں تمہاری طرح ہوتی۔ تاکہ میرے بھی بہت سے بھائی بہن ہوتے اور میں اُن سے کھیلا کرتی"۔

اتفاق سے مایا دیوی کو ایک مرتبہ نامی کے گھر اور نامی کو مایا دیوی کے گھر رہنے کا موقع ملا۔

جب رات ہوئی تو مایا دیوی کو ٹوٹی پھوٹی چارپائی اور میلا بستر سونے کو ملا۔ جسے دیکھ کر اُسے اپنا محل یکبیک یاد آیا۔ اُس کی ماں اُسے رات کہانیاں سنا کر اور میٹھی میٹھی باتیں کرکے سلایا کرتی تھی۔ یہاں اس بات کی بھی اُس نے کمی دیکھی اور اپنا بستر بھی اپنے ہی ہاتھ سے بچھانا پڑا۔ رات کو سوتے وقت گرم گرم دودھ کا گلاس ملتا تھا۔ اس سے بھی محروم رہی۔ صبح اُٹھکر ٹھنڈے پانی سے نہانا پڑا۔ اپنے گھر پر گرم پانی سے نہایا کرتی تھی۔ صبح کے ناشتے کے لئے اُسے باسی روٹی ملی۔ جسے وہ مشکل سے کھا سکی۔ یہ حالت دیکھکر مایا دیوی سرد آہیں بھرنے لگی۔ وہ دل ہی دل میں کہتی تھی۔ کہ بھائی بہن بھی کھیلنے کے لئے ہوں تو اچھا ہی ہے۔ لیکن میری ماں۔ میرے خدمتگار۔ میرا بستر اور میری نہانیکا

تمباکو اور ناس فروخت کرنے والی	۲۳۰۵	۸۷۱	۱۰۹	۱۳۲۵ ،،
سیندھی تاڑنے اور لانے والے	۸۸۷۰۲	۲۴۹۹۳	۱۴۳۲۲	۴۹۳۸۷
سیندھی فروخت کرنے والے۔	۱۰۵۰۵۳	۳۶۷۳۱	۱۵۵۵۴	۵۲۷۶۸
شراب کی بھٹیوں کے مالک	۵۳۱۱	۲۷۰۴	۲۸۹	۲۳۱۸
شراب فروش	۲۱۱۴۸	۵۹۸۱	۱۷۷۰	۱۳۹۹
متفرق	۲۹۱۳	۹۷۴	۲۳۷	۱۷۰۲
اونی پارچے اور پردوں کے اشیا تیار کرنے والے۔				
قالین باف	۴۹۴	۱۲۵	۱۲۷	۳۵۷
شال باف	۵۶۶	۱۵۲	۰	۴۱۴
پشم باف	۱۳۴۷	۶۴۷	۱۸۹	۵۱۱
کمل نمدے وغیرہ اور پردوں کے اشیا بنانے والے	۱۱۳۰۷۵	۳۱۳۷۳	۲۲۸۰۱	۵۸۹۱
اون کے تار نکالنے والے	۳۸۰	۱۰۲	۹۸	۱۸۰
اونی سامان وغیرہ فروخت کرنے والے۔	۲۲۴۹	۶۳۰	۶۰	۱۵۵۹
ریشمی پارچہ باف وغیرہ				
ریشم نکالنے والے	۲۱۹	۳۹	۶۸	۱۱۲
ریشم کے تار نکالنے اور ریشمی وزرین پارچہ باف	۵۵۳	۱۹۴	۴۵	۳۱۴
ریشم اور ریشمی وزرین پارچہ فروش	۴۲	۷	۸	۲۷
ریشم رنگنے والے	۳۷۹	۲۴۳	*	۱۳۶
سوتی پارچہ باف وغیرہ				

روئی صاف کرنے اور گٹھے باندھنے کی گرینوں کے مالک و منیجر	۳۵	۱۵	۰	۲۰
ایضاً کاریرداز	۴۵۴	۱۵۲	۵۸	۲۴۴
سوتی پارچہ تیار کرنیکی گرینوں کے مالک و منیجر	۴۰۴	۴۳	۱۲۶	۲۱۵
مذکورہ بالا سوتی گرینوں کے مزدور	۱۲۶۰۴	۳۷۵۲۲	۱۵۴۶۵	۷۳۰۱۷
ترے بنانے والے	۱۶	۴	۳۰	۳۲
چرخہ کاتنے والے	۴۲۴۴۳	۱۱۷۳۵	۹۰۷۳	۲۱۶۳۵
جلاہے	۱۳۷۹۹۲	۳۶۹۰۶	۱۲۸۵۸	۸۸۲۲۸
سوتی قالین و شطرنجیاں وغیرہ بنانے والے	۱۱۵۳۰	۱۷۸۲	۴۷۶۷	۴۹۸۱
ایضاً فروخت کرنیوالے	۱۴۱۹	۶۲۱	۷۲	۷۲۶
سوت تیار کرنیوالے	۳۲۷	۱۳۰۲	۶۱۳	۱۳۶۳
" فروخت کرنیوالے	۲۹۴۶	۵۲۶	۲۶۰	۳۱۰۰
سوتی پارچہ پر رنگین کام چھاپنے والے	۷۳۸۶	۲۸۹	۳۱	۴۱۸
سوت رنگنے والے	۱۱۶۵۹	۱۹۱۹	۷۸۴	۸۹۵۶
نوار بنانے والے اور فروخت کرنیوالے	۳۷	۲۸	۰	۹
سن وغیرہ کے اشیا بنانے والے				
رسی بنانے والے	۲۴۸	۶۲	۵۱	۱۳۵
ستلی بنانے والے	۷۴۶	۲۳۲	۸۶	۴۲۸
ایضاً فروخت کرنیوالے	۸۴۴	۳۰۳	۵۵	۴۸۶
ٹاٹ کا فرش اور بنانیوالے	۳۱۶	۱۷۱	۰	۱۴۵

لباس تیار کرنیوالے

لباس تیار کرنیوالے کارخانون کے مالک و کاریگر	۲۲۱۴	۷۴۲	۱۵۷	۱۳۱۵
زردوزی کام کرنے والے نکی گوٹا بنانے والے	۱۳۷۹	۴۷۳	۱۲۷	۷۷۹
ہیات کیاپ شملے - بنانے				
باندھنے اور فروخت کرنیوالے	۶۱۶	۲۲۱	۲۵	۳۷۰
بساطی	۳۳۹	۱۱۴	۰	۲۲۵
دھوتیان وساڑیان وغیرہ فروخت کرنیوالے	۱۲۲۹۰۹	۸۱۴۱	۳۱۲۰	۱۱۶۴۸
جوتیان بنانے والے چمڑے کی جوتیون کے علاوہ	۱۲۷۶	۳۶۲	۲۰	۸۹۴
درزی	۲۸۴۳۴	۱۱۸۸۴	۵۷۶۱	۲۰۷۸۹

اہل حرفہ کی آبادی ہر ایک ضلع مین کسقدر ہے اور ہر ہر ضلع مین ہر ہر طبقہ کی کسقدر آبادی ہے اوسکی وضاحت نقشہ ذیل سے ہوگی -

نام ضلع	جملہ آبادی اہل حرفہ	اوسط آبادی اہل حرفہ	تعداد طبقہ اول	تعداد طبقہ دوم
بلدۂ حیدرآباد مع حوالی	۱۲۰۵۵۰	۲۶۷۸	۱۳۶۲۱	۳۳۳۴
ضلع اطراف بلدہ	۷۷۵۰۸	۱۸۶۴	۳۱۴۵۵	۴۶
ضلع اورنگ آباد	۹۵۵۴۸	۱۳۶۲	۴۱۶۱۹	۶۵
" بیڑ	۴۱۰۲۳	۸۶۳	۶۷۱۷	۴۰۳
" پربھنی	۷۱۱۸	۱۱	۱۹۰۹۰	۴۸۱۴
" ناندیڑ	۴۷۲۱۴	۹۶۳	۱۳۵۳۰	۸
" گلبرگہ	۹۸۵۱۴	۱۳۶۲	۲۲۸۳۱	۵۹

ضلع رائچور	۶۰۵۱۶	۱۱۶۸	۱۴۸۰۶	۳۳۱
" گلبرگہ	۶۳۲۳۱	۹۶۳	۸۳۳۹	۱۰۰۷
" عثمان آباد	۴۵۰۵۷	۸۶۴	۷۲۸۵	۲۵۱
" بیدر	۴۴۸۹۸	۸۶۴	۱۴۸۶	۰
" نظام آباد	۸۴۵۹۷	۱۳۶۳	۲۳۲۳۵	۱۹۴
" میدک	۷۴۵۳۹	۲۰۶۳	۱۷۷۵۳	۳۴۲
" محبوب نگر	۱۶۷۳۰۶	۲۳۶۷	۴۲۰۳۵	۱۱۶۷
" نلگنڈہ	۲۲۹۰۳۴	۳۲۶۷	۴۳۰۵۲	۱۳۸۵
" ورنگل	۲۲۴۶۰۸	۲۳۶۵	۷۰۶۴۶	۱۳۲۳
" کریم نگر	۲۲۹۰۳۴	۳۳۶۷	۱۰۵۹۸۷	۹۱۷
" آصف آباد	۲۰۰۸۳	۱۰۶۱	۳۷۴۴	۰
علاقہ ریلوے	۵۶	۵۶۴	۱۸۵	۲۲

نام ضلع	تعداد طبقہ سوم	تعداد طبقہ چہارم	تعداد طبقہ پنجم	تعداد طبقہ ششم
حیدرآباد	۲۰۲۲۸	۱۳۲۴	۱۲۳۲۵	۲۲۰۰۲
اطراف بلدہ	۳۰۲۱	۸	۶۱۷	۱۶۱۰۵
اورنگ آباد	۲۵۰۰	۶	۱۹۱۸	۱۵۸۶۵
بیڑ	۲۰۰۹	۰	۷۲۲	۹۱۲۱
پربھنی	۴۳۳۲	۳۲۴	۳۴۲۷	۱۴۹۲۱
ناندیڑ	۲۹۴۵	۰	۶۲۲۱	۱۱۹۶۳
گلبرگہ	۴۶۴۵	۲۱۱	۶۳۵	۴۳۶۰۶
رائچور	۳۴۵۱	۹۸۵	۱۹۸۶	۱۷۱۱۹
نلگنڈہ	۳۴۹۸	۰	۱۹۳۵	۲۸۱۶۲

عثمان آباد	۳۵۹۹	۰	۷۹۹	۵۷۹۹..
بیدر	۳۸۳۳	۰	۷۵۴	۱۳۲۴۴
نظام آباد	۱۱۶۷	۰	۱۲۹۹	۲۸۲۴۴
میدک	۱۸۴۴	۰	۳۸۰۴	۳۲۸۹۶
محبوب نگر	۸۹۲۴	۶	۱۹۳۷	۴۳۳۶۴
نلگنڈہ	۱۱۶۱۸	۰	۳۱۷۴	۶۶۶۷۴
ورنگل	۵۷۰۶	۳۱۲	۷۷۸۳	۱۹۱۸
کریم نگر	۲۷۴۷	۶۷	۲۱۷۲	۸۳۹۷۵
آصف آباد	۴۲۰	۰	۵۰	۱۲۵۴۷
علاقہ ریلوے	۱۴۷	۴	۱۲	۱۰۳

نام ضلع	تعداد طبقہ ہفتم	تعداد طبقہ ہشتم	تعداد طبقہ نہم	تعداد طبقہ دہم	تعداد طبقہ یازدہم
حیدرآباد	۱۲۰۳۹	۴۷۶۷	۷۰۸۱	۳۱۰۷	۳۷۶۲
اطراف بلدہ	۵۷۷۳	۳۹۳۱	۶۹۱۵	۷۷۲	۸۸۶۵
اورنگ آباد	۱۰۸۹۲	۴۳۰۷	۸۳۲۰	۵۷۰	۸۹۰۱
بیڑ	۶۸۲۲	۳۰۰۷	۵۱۹۴	۱۴۱۸	۵۶۱۰
پربھنی	۶۷۱۹	۳۵۵۴	۸۷۳۲	۵۲۴	۴۶۸۱
ناندیڑ	۴۶۲۲	۳۱۶۲	۳۳۰۷	۲۱۶۲	۳۵۳۴
گلبرگہ	۸۵۸۵	۴۰۱۵	۸۷۰۴	۰	۵۲۲۳
لنگسگور	۵۵۱۸	۲۵۷۴	۶۰۹۱	۲۷۷	۵۸۳۰
رائچور	۴۲۴۳	۳۰۲۸	۴۵۴۴	۴۵۹	۱۱۴۴۶
عثمان آباد	۸۸۶۹	۳۴۷۹	۷۷۵۳	۶۹۸	۷۵۲۵
بیدر	۹۱۰۲	۸۶۲۳	۹۲۴۰	۱۲۳۲	۴۷۰۶

نظام آباد	۸۹۵۶	۴۱۵۶	۹۳۸۳	۶۶۲	۷۲۰۱
میدک	۵۵۴۵	۲۷۰۹	۵۱۲۰	۱۰۹۱۷	۳۶۰۹
محبوب نگر	۱۲۹۳۳	۷۶۸۴	۱۳۰۱۷	۷۲۷	۷۲۰۱
نلگنڈہ	۶۳۰۵	۷۵۹۳	۱۴۴۱۹	۳۷۴	۴۴۴۴۰
ورنگل	۲۱۰۳۴	۱۰۶۴۱	۱۶۵۶۸	۸۰۰	۳۷۸۷۸
کریم نگر	۳۰۴۸۴	۱۰۹۰۱	۱۶۲۸۴	۱۵۷۵	۵۹۹۲۴
آصف آباد	۳۶۲۷	۱۱۶۲	۳۲۴۰	۱۷۸	۲۶۱۵
علاقہ ریلوے	۹۷	۰	۶۹	۱	۱۶

مذکورہ بالا اعداد ضلع بندی جدید سے بیشتر مرتب ہوئے ہیں اس لئے ناگزیر اونکو بھی درج کرنا پڑا۔ ضلع لنگسگور کی تقریباً آبادی کو ضلع گلبرگہ اور نصف کو ضلع رائچور مین شمار کرلینا چاہیئے۔ باقی اضلاع مین بہت کم فرق ہوگا۔ رپورٹ مین اہل حرفہ کی تعداد باعتبار مذہب نہین دکھائی گئی ہے اور نہ وجوہات کمی و بیشی بحث کی گئی ہے۔ اگر یہ اعداد و مباحث بھی درج ہوتے تو دلچسپی کے موجب ہوتے جسقدر تفصیل آبادی اہل حرفہ کے متعلق کی گئی ہے اُس سے زیادہ توضیح مدنظر ہو تو رپورٹ مردم شماری کا معاینہ کرنا چاہیئے۔

فصل سیزدہم

سرکار عالی کی کوشش مصنوعات ملک کی ترقی کے لئے۔

اس فصل مین یہ بیان کرنا مدنظر ہے کہ سرکار عالی نے مصنوعات ملکی کو اُس مقابلہ سے بچانے کے لئے جو انیسوین بیسوی صدی سے مغرب مین سائنس کی مدد سے ہو رہا ہے کیا کیا ذرایع اختیار کئے اور اُسکے بیان کرنے سے پیشتر بحیثیت وقایع نگار مجبوراً یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جس قدر کام ہونا چاہیئے تھا اوس قدر تو درکنار اوتنا بھی نہین ہوا جو برٹش انڈیا اور ترقی یافتہ دیسی ریاستون مین وہان کی گورنمنٹیں کر رہی ہین اور جو کچھ ذرایع ترقی اختیار کئے گئے اون سے

اوسقدر فایدہ نہین اوٹھایا گیا جو حاصل ہوسکتا تھا۔

سب سے پہلے سر سالار جنگ اعظم نے مصنوعات ملک کو ترقی دینے کی کوشش شروع کی اگرچہ اس مدبر اعظم کے زمانہ مین زیادہ اثر مصنوعات ملک پر نہین پڑا تھا - ریل اور عمدہ سڑکون کے زیادہ نہ رہنے سے مال زیادہ نہ آتا تھا تمام دفاتر سرکاری وضروریات سرکاری مین عام طور پر ملک کا بنا ہوا سامان مستعمل تھا اہل ملک کا طرز تمدن ایسا تھا کہ مغرب کے بنے ہوئے سامان استعمال کرنے کی چنداں ضرورت نہ ہوتی تھی - مکان - فرش - فرنیچر - لباس وغیرہ اکثر ملک کا بنا ہوا رہتا تھا درباری رسومات مین ملکی پارچے اور ملکی زیورات استعمال کئے جاتے تھے - تاہم جہالی ہنوز نے محصول فری ٹریڈ ملک کو رائج کرکے ممالک غیر کے مصنوعات کو دکن مین داخل ہونے کے لئے دروازہ بلا روک ٹوک کھولدیا وہان اون کی دوربین و مبصر نظر یہ احساس کرنے سے غافل نرہی کہ اگر اہل حرفہ کی حالت سے اب غفلت ہوتی رہیگی - اونکو امداد نہ دی جائیگی - مغربی اہل حرفہ کے ساز و سامان سے کام لینا نہ سکھلایا جائیگا تو اوسکا نہایت مضر اثر اون پر پڑیگا اس لئے انہون نے تمام ممالک محروسہ سے محصول محترفہ ۱۳۱۱ف مین پہلے تین سال کے لئے امتحاناً اور بعد ازان ہمیشہ کے لئے موقوف کردیا - اور بذریعہ گشتی تمام عہدہ دارون کو ہدایت کی کہ اہل حرفہ کی ترقی مین کوشش کرین اور ہر سال ترقی مصنوعات کے متعلق سرکار مین رپورٹ پیش کرتے رہین - محصول محترفہ اوس محصول کا نام ہے جو تمام اہل حرفہ سے لیا جاتا تھا اور جس سے سالانہ سرکار کو کم و بیش ڈھائی اور تین لاکھ روپیہ تک آمدنی ہوا کرتی تھی اب اس محصول کے نام و نشان تک سے سرکار عالی کی رعایا کا بڑا حصہ بے خبر ہے البتہ بعض بعض جاگیرون مین وہ وصول کیا جاتا ہے - اس محصول کی معافی عظیم ترین دانشمندانہ فیاضی تھی اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اگر محصول محترفہ کے بارگران سے اہل حرفہ کو نجات نہ دلائی جاتی تو یقیناً وہ بدسے بدترین حالت مین آجاتے - اور اسی محصول کی

معانی کا ثمرہ ہے کہ موجودہ حالت نظر آتی ہے - اس اہم رعایت کے ماسوا بہت سی کوششیں اونہون نے اہل حرفہ کو امداد پہونچانے اور مصنوعات ملک کو ترقی دینے کیلئے کین اونمین سے جنکا علم مجھکو ہے وہ ذیل مین درج کی جاتی ہین -

۱۸۵۱ء کی نمائشگاہ لندن مین بہترین مصنوعات روانہ کئے - ۱۸۸۳ء کی نمائشگاہ کلکتہ کے لئے جسکا افتتاح اون کے انتقال کے بعد ہوا سامان روانہ کرنے کی تیاری کی ۱۸۵۵ء مین ایک نمائشگاہ بمقام حیدرآباد کھولی - نمائشون کے متعلق مزید تفصیل آیندہ فصل مین کی جائیگی - حیدرآباد مین ورکشاپ قائم کی جسکا پیشتر ذکر ہوچکا ہے - محبس گلبرگہ مین وسیع پیمانہ پر دارالصنایع کہولا گیا - حیدرآباد اسپننگ مل کے لئے خاص خاص رعایات منظور کیے جو اہل حرفہ یا صناع کوئی نئی حرفت وغیرہ ایجاد کرین تو اوسکا حق تیاری محفوظ کرنے کا قاعدہ جاری کیا - بندگانعالی سہ سالار جنگ اعظم کے مرحوم ہوجانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اعلیحضرت نے زمام حکومت اپنے دست مبارک مین لی اعلیحضرت اقدس و اعلی ہمیشہ اپنے فرمانون اور اسپیچون مین ملکی مصنوعات کی ترقی کے شغف کو ظاہر فرماتے رہے ہین غالبًا سب سے پہلا کام جو حضور نے ترقی مصنوعات کے لئے نفس نفیس انجام دیا وہ سہ سالار جنگ اعظم کے ساتھہ حیدرآباد اسپننگ کا معاینہ تھا اوسکے بعد گلبرگہ محبوب شاہی مل کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھون سے رکھا اور مل کے متعدد حصص خریدفرمائے -

اپنے ذریعہ سلطنت کو اسکے متعلق احکام دیتے رہتے ہین تین چار سال پیشتر آپکا ایک فرمان موجودہ مدارالمہام سرکار عالی کو صادر ہوا تھا کہ دو یہ طرح سے جہانتک ہوسکے ملکی مصنوعات کو ترقی دینے کی کوشش ہونا چاہیئے جو تجویز اس کے متعلق آپکی بیشگاہ اقدس مین پیش کی جاتی ہے اسکو فوراً منظور فرماتے ہین - بندگانعالی کی اسی توجہ کا نتیجہ ہے کہ آپکے جلیل القدر وزرا نے ترقی مصنوعات کے لئے کوشش

کمین اعلیحضرت بندگانعالی نے سب سے پہلے فلکمدان وزارت ہز اکسلنسی عماد السلطنت کو مرحمت فرمایا - اس وقت نوجوان وزیر کی عمر بیس سال کی تھی اور عنفوان شباب کا عالم تھا - اونکے جذبات حب وطن - شوق ترقی ملک اعلی لیاقت مین مطلقاً شبہ نہین کیا جاسکتا مگر نوجوانی ناتجربہ کاری انتظامات مال وعدالت مین مصروفیت جس مین اونکو زیادہ دلچسپی تھی نیز انٹریگ کے مقابلون کی وجہ سے اونکو ملکی حرفت کیجانب توجہ کرنے کا موقعہ نہ مل سکا - تاہم کئے ایک کام اونہونے کئے اور کئے ایک کا سون سنے کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر کر نہ سکے -

لٹسریر سے اونہون نے محصول کو اوٹھا دیا جسکی مقدار سالانہ آٹھ سو روپئے ہوتی تھی اور جسکی ادائی کے بغیر کوئی شخص لٹسر نکالنے کا کام نہین کر سکتا تھا اس معافی کی بدولت خاص ترقی اوسکے پارچون کی یافت مین ہوئی نمایشگاہ گلاسگو مین مصنوعات ملک روانہ کئے گلبرگہ محبوب شاہی مل کا افتتاح خود جا کر کیا اور ایک فصیح وبلیغ تقریر کی - اپنے ذاتی خزانہ سے بہی مل کے حصص خریدے عرس گلبرگہ اور جاتراے جڑکل وغیرہ کے ساتہہ مقامی مصنوعات کی نمایش کھولنے کاریگرون کو انعامات تقسیم کرنے کے لئے معتد بہ رقوم منظور کئے -

ہز اکسلنسی عماد السلطنت نے یہہ ارادہ کیا تھا کہ ورنگل کو جائین اور وہان کی صنعت کو جس مین عمدہ قالین بانی اور ریشمی کام اور دوسری چیزین شامل ہین ترقی دینے کے لئے کچہہ خاص بندوبست کرین تاکہ ملک کی یہہ عمدہ صفتین برباد نہ ہو جائین - مگر فرصت نہ مل سکی کہ وہان جاتے اور اپنے منصوبہ کو عمل مین لاتے یہہ بہی ارادہ کیا تہا کہ مدارس حرفت اضلاع مین قائم کرین اور اوس کے متعلق نواب عماد نواز جنگ مرحوم و آنریبل نواب عماد الملک بہادر نے کچہہ تجاویز مرتب کر لیے تھے اور بحث مین اس کے لئے رقم بہی منظور ہوئی مگر آپ کے دور وزارت مین اس تجویز کو کوئی عملی کامیابی نہ ہو سکی تھی اور رقم منظورہ دوسرے امور مین صرف ہو گئی -

امور مذکورۂ بالا کے سوا اونہون نے ایک اور شاندار کام کا ارادہ کیا وہ یہہ کہ مارکوئس زیٹین ویسرائے ہندوستان کی یادگار مین جن کی نسبت یہ کہا گیا تھا کہ وہ ایسے وایسرائے ہین جنکو فرمانروای ریاست حیدرآباد سے خاص ہمدردی تھی اور جنکو الوداعی اڈریس دینے کے لئے حیدرآباد کے امراد افسرونکا ایک ڈپوٹیشن کلکتہ کو گیا تھا - ایک عالیشان اسکول آف آرٹس (مدرسہ صنعت وحرفت) سرکار اور پبلک کے مشترکہ امداد سے قائم کیا جاے - ابتدا مین نہایت زور و شور سے کارروائی ہوتی رہی - ایک شاندار جلسہ باغ عام مین بصدارت نواب منیر الملک بہادر مرحوم منعقد ہوا اوس مین نواب محسن الملک نے تحریک اور نواب عماد السلطنت مرحوم نے تائید قیام مدرسہ کی اور دوسرے مختلف مذہب و ملت کے عہدہ دارون اور امرا نے بھی تقریرین کین اور ایک با اثر کمیٹی قیام مدرسہ و اجتماع چندہ کے لئے قائم ہوئی جس مین نواب محسن الملک مرحوم نواب عماد نواز جنگ مرحوم نواب عماد الملک بہادر نواب افسر الملک بہادر نواب متہو رالملک بہادر مسٹر داراب جی وغیرہ بہی شریک تھے پہلے ہی جلسہ مین پچاس ہزار روپیہ کے چندونکا وعدہ ہوگیا - مگر کچھہ ہی عرصہ کے بعد یہہ جوش دودہ کے ابال کی طرح سرد ہوگیا اور قیام یادگار اور مدرسہ صنعت وحرفت کی تجویز ناکامی کے مقبرے مین دفنادی گئی اور اوسکا تذکرہ صرف اخبارات کے فائل مین رہ گیا -

باوجود کوشش یہہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس تجویز کی ناکامی کے اسباب کیا تھے مگر کچھہ ہی اسباب کیون نہ ہون - اس تجویز کی ناکامی حیدرآباد واہل حیدرآباد کے لئے بہت بجا الزامی دہبہ ہے - کیونکہ یہ تجویز ایک نیم سرکاری تجویز تہی جسکی سرپرستی بندگانعالی نے فرمائی تہی جس کے مجوز مدار المہام سرکار عالی تھے - جس کے لئے ایک زبردست کمیٹی امرا و اعلی افسران سرکار کی قایم ہوی تہی کثیر چندہ کا وعدہ ہوچکا تھا اور بہت کچھہ فراہم ہوسکتا تھا -

جو مفید ملک و رعایا تھی - اور جو ایسے والیسرائے کی یادگار مین قائم کی جانے والی تھی - جس کی نسبت خود فرمانروا و رعایا سے حیدرآباد نے عمدہ اعتراف علی الاعلان کیا تھا نیز خود مدار المہام سرکار عالی نے اوسی جلسہ قیام یادگار مین خاص طور پر نہایت زور و جوش سے تعریف کے الفاظ کہے تھے - باوجود ان سب باتون کے قیام یادگار کی تجویز کا رفت و گرفت ایسی حالت مین ہو جانا کہ خود مارکوئیس رپن اسکے بعد ۲۶ سال تک ہندوستان کی خدمت خلوص دل سے کرتے رہے جیسا کچھ بدنما ہے اوسکو اہل نظر سمجھ سکتے ہین -

ہز اکسلنسی نواب عماد السلطنت نے جہان اسقدر کوشش حرفت ملک کی ترقی کے لئے کی وہان ایک سخت نقصان اوسکو ان کے ہی زمانہ مین پہونچ گیا - یعنے اہل ملک کے طرز تمدن کا بدل جانا اور امراء اعزاے ملک کا مغربی لباس کو پہن لینا مغربی فرش فرنیچر سے مکانون کو آراستہ کرنا - تعمیر مکانات مین مغربی اصول اختیار کرنا - دفاتر سرکاری مین بھی ولایتی کاغذ سامان صادر - فرش فرنیچر خریدا جانے لگا - درباری تقاریب مین ولایتی لباس پہنا جانا لازمی ہو گیا - اور یہ سب اس لئے ہوا کہ ہز اکسلنسی خود اس طرز تمدن کو یورپ کی تعلیم و سیاحت کی بدولت پسند کر چکے تھے - نیز سر سید مرحوم کے اعوان و انصار جو اس زمانہ مین حیدرآباد کے اعلی ترین عہدون پر سرفراز تھے اسی طرز تمدن کو اختیار کئے ہوے تھے - اور وزیر و مشیران ریاست کی تقلید مین رفتہ رفتہ کل حیدرآباد کے طرز تمدن کی کایا پلٹ ہو گئی اور ملک مین ایسے افراد کثرت سے پیدا ہو گئے جنکے لباس مکان - گفتار - عادات سے یہ تمیز کرنا کہ یورپین ہین یا دیسی سخت دشوار ہو گیا - اور اوسکا اثر ملکی حرفت پر اس زور سے پڑا کہ وہ بالکل تباہ ہو گئی ہز اکسلنسی عماد السلطنت کے مستعفی ہو جانے پر ہز اکسلنسی سر آسمان جاہ مرحوم جنکی ہمدردی ملک خیر خواہی مالک - تجربہ کاری کنسر و ٹیو خیالات محتاج بیان نہیں ہین

وزارت عظمیٰ کے رتبہ کو زینت دینے لگے۔ ہز اکسلنسی نے عنان وزارت کو ہاتھہ مین لیکر پہلا اعلان جو پبلک مین نافذ کیا اوس مین یہ بھی درج تھا کہ ملک کی صنعت و حرفت کو جو دولت کا وسیع سرچشمہ ہے ترقی دینے کی کوشش کرینگے۔

اگرچہ ہز اکسلنسی سر آسمان جاہ کو بھی سازشون کی بدولت اطمینان سے اپنے دلی مرکوزات کو عمل میں لانے اور ملک کو ترقی دینے کا موقع نہین ملا تاہم وہ بھی بہت کچھہ کام ملک کی رفاہ کے لئے کر گئے ہین ترقی مصنوعات وغیرہ کے لئے اونہون نے برٹش انڈیا کے اصول پر محکمہ زراعت و تجارت قایم کیا جس کے ذمہ زراعت و تجارت کے علاوہ خصوصیت کے ساتھہ مصنوعات ملک کو بھی ترقی دینے کا کام تفویض کیا گیا۔ اور اوسکی ڈائرکٹری پر سید محمد حسین خان مرحوم کو برٹش گورنمنٹ سے مستعار لیکر مامور کیا جو صوبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودہ مین اسسٹنٹ ڈایرکٹر زراعت و تجارت کی خدمت پر مامور تھے۔ اور اپنے فرایض منصبی کو عمدگی سے انجام دینے کے لئے ہر طرح موزون تھے سید صاحب نے پہلے ملک کا دورہ کیا۔ اور زراعت حرفت تجارت کے حالات سے واقفیت پیدا کی۔ اور ایک پروگرام اپنے محکمہ کے طریقہ کارروائی کے متعلق مرتب کیا اور اس عرصہ میں ہز اکسلنسی کا دور وزارت ختم ہو گیا۔ ہز اکسلنسی سر آسمان جاہ مرحوم نے ورنگل میں ایک مدرسہ صنعت و حرفت جو ریاست سرکار عالی میں اپنے طرز کا پہلا مدرسہ تھا چھوٹے پیمانہ پر قایم کرنے کی منظوری دی اور خود اوسکا افتتاح کیا۔ نمایشگاہ چنگاگو میں ممالک محروسہ کے مصنوعات روانہ کرنیکا حکم دیا۔ حیدرآباد میں ایک نمایش مصنوعات و پیداوار کھولے جانے کی منظوری دی اور اوسکا اہتمام سید حسین صاحب ناظم زراعت و تجارت کے تفویض کیا۔ سرکاری تقریبات اور خانگی ضرورتون کے لئے ہمیشہ کثیر مقدار مین مصنوعات ملک کی خریداری فرماتے رہے۔

ہز اکسلنسی سر آسمانجاہ کی سبکدوشی کے بعد ہز اکسلنسی سر وقار الامرا مرحوم وزیر اعظم بنائے گئے - آپ کے دور وزارت مین حسب ذیل امور ترقی مصنوعات کے لئے منجانب سرکار کئے گئے -

مدرسہ صنعت وحرفت ورنگل سے حیدرآباد مین منتقل ہوا -

نارائن پیٹہ واورنگ آباد کے مقامی مصنوعات پر سے محصول کروڑگیری کچھ عرصہ کے لئے معاف کردیا - اورنگ آباد ونانڈیڑ کے اہل حرفہ کو جو قحط کی وجہ تباہ ہوجارہے تھے مزارعین کو تقاوی دی گئی محابس سرکار عالی مین اصلاحات کی منظوری دی گئی - چار صدر محبس چارون صوبون مین بنائے گئے اور اون مین کارخانجات حرفت وسیع پیمانہ پر کھولے گئے -

سنہ ۱۹۰۱ء کی نمایش گاہ پیرس مین مصنوعات ملک روانہ کرنیکا انتظام کیا گیا ایک غیر سرکاری نمایش مصنوعات کا جو بلدہ حیدرآباد مین کھولی گئی اور جو زیادہ تر ولائتی سامان سے بھری ہوئی تھی افتتاح کیا گیا - ان کوششوں کے ساتھ ہی ایک بڑا نقصان اون کے زمانہ مین مصنوعات وتجارت ملک وغیرہ کو محکمہ زراعت وتجارت کے تخفیف کئے جانے سے پہونچا یہ محکمہ اب ایسی حالت مین آگیا تھا کہ ملک کو نفع پہونچا سکے مگر دفعتاً دائرکٹر کا انتقال ہوگیا -

اس زمانہ مین تخفیف مصارف کا خیال سر وقار الامرا مرحوم کے مشیرون کو اس غرض سے پیدا ہوگیا تھا کہ اوس کی گنجایش سے اپنی ماہوارون وغیرہ مین اضافہ کرائین انہون نے سررشتہ زراعت وتجارت کو تخفیف کا عمدہ نشانہ خیال کیا - اور فوراً ہی اپنے حسب دلخواہ حکم بارگاہ وزارت سے حاصل کیا اور سررشتہ کا مفوضہ کام متعلقہ مال گزاری کے تفویض کردیا گیا - اسی ناعاقبت اندیشی نے نہ صرف اون کثیر مصارف کو جو اب تک اس سررشتہ پر ہوچکے تھے بیکار کردیا بلکہ ملک کی ترقی کو برسون تک پس پشت ڈالدیا - مختلف میلون اور عرسون مین جو رقم مصنوعات کی ترقی مین صرف کی جاتی تھی موقوف کردی گئی -

سرو قار الامرا مرحوم کے ہی زمانہ مین گودا وری دیالی ریلوے لائن کھل گئی جسکی وجہہ گو زراعت اور تجارت اشیاء خام و مصنوعات یورپ مین بے انتہا ترقی ہونے لگی مگر مصنوعات ملک کو زیادہ نقصان پہونچ گیا۔

ہز اکسلنسی سرو قار الامرا کی فیاضی اور دریا دلی مشہور زمانہ ہے مگر اس سے فائدہ صرف اون لوگون نے پرسنل طور پر حاصل کیا جو ہز اکسلنسی کے بارگاہ مین بار یاب ہو سکتے تھے۔

وہ کوئی ایسی یادگار نہین چھوڑ گئے نہ ایسا کوئی کام صحیح اصول پر کر سکے جو ملک اور اہل ملک کی اقتصادی ترقی کا باعث ہوتا اسکی ایک بڑی وجہہ قحط اور طاعون کے سخت اور مسلسل حملے بھی تھے جسکی وجہہ گورنمنٹ کی مالی حالت سخت ابتر ہو گئی تھی اور تمام اصلاحی اسکیمین ملتوی کر دی گئی تھین۔

ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یا لفاظ دیگر ہز اکسلنسی سر سالار جنگ اعظم کے چھوٹے جانشین ہین اور دس سال سے مہام مملکت آصفیہ کے مدار ہین۔ مثل دیگر وزرائے ماسبق ہمیشہ آپکی یہ خواہش رہی ہے کہ ملک کی صنعت و حرفت کو ترقی دیکر اپنا نام نیک چھوڑ جائین اور اوسکا اظہار آپ ہمیشہ پبلک رپورٹون۔ تقریرون اور سرکاری تحریرات مین فرماتے رہتے ہین مگر بہت سے ناقابل بیان مجبوریون اور نیز اس وجہہ سے کہ ہر ایک نئی اسکیم کے لئے معین المہام صاحب فینانس کی رائے اور پسندیدگی۔ اعلیٰ حضرت بندگانعالی کی منظوری لازمی ہے آپ اپنی ذاتی ذمہ داری سے کوئی نیا کام کرنے یا اپنے ذاتی خیالات و مرکوزات کو عملی جامہ پہنانا پسند نہین کرتے۔ معین المہام صاحب فینانس کی توجہہ ابتک زیادہ تر کرنسی۔ ریلوے۔ فوج وغیرہ کے معاملات پر مبذول رہی ہے جسکی وجہہ سے اقتصادی ترقی کے جانب قدم نہین بڑہایا گیا ہے۔ نیز ترقی مصنوعات وغیرہ کا کام مختلف معتمدیون اور مختلف محرر شتون مین منقسم ہے جسکی وجہہ کوئی افسر نئی تجویزون کے پیش کرنیکا

اپنے آپ کو نہ ذمہ دار سمجھتا ہے اور نہ اوسکے متعلق کوئی اصولی کام کر سکتا ہے باوجود ان موانع اور دشواریون کے کسی قدر قدم اسکے جانب بڑھایا گیا ہے اور جو کچھ کام کیا گیا ہے وہ تین قسمون مین منقسم ہو سکتا ہے - نمائشگاہین مدارس صنعت و حرفت - معاونی محصول مصنوعات و متفرق امور اور اونکی تفصیل حسب ذیل ہے -

نمائش گاہین - سنہ ۱۹۰۳ء کی نمایشگاہ دربار دہلی مین مصنوعات ملک روانہ کئے گئے -

سنہ ۱۹۰۴ء مین مصارف لوکل فنڈ سے ایک نمائش مصنوعات و پیداوار بمقام باغ عام کھولی گئی - انڈین نیشنل کانگریس کی سرپرستی سے جو نمائش سنہ ۱۹۰۴ء مین بمقام بمبئی ہوئی تھی اوس مین کسی قدر مصنوعات دکن روانہ کئے گئے -

عرسون اور جاترون مین جو انعامات مصنوعات ملک وغیرہ پر دئے جاتے تھے اور جو سررشتہ دار الامرام حوم کے زمانۂ وزارت مین موقوف ہو چکے تھے اوس مین سے بعض از سر نو جاری کئے گئے -

اب اکثر ایسے عرسون اور جاترون کے ساتھ مقامی مصنوعات کی چھوٹے پیمانہ پر نمائش کا انتظام عہدہ داران مقامی کرنے لگے ہین -

مدارس - ابتدا مین مدرسہ صنعت و حرفت اورنگ آباد مین کسی قدر توسیع و اصلاح کئے جانے کی اسکیم منظور کی گئی جسکو ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب نے بہ حیثیت صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد مرتب کیا تھا اسکے بعد مدار المہام سرکار عالی نظام آباد مین سرکاری حیثیت سے ایک تقریر فرمائی اور اس مین صنعت و حرفت کے جانب توجہ کرنے اور ہر ضلع مین بمصارف لوکل فنڈ ایک ایک مدرسہ قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور اسکے متعلق جلد احکام صادر فرمانے کا وعدہ فرمایا - اور اسی وعدہ کی بنا پر دو تین

سال کے بعد نظام آباد مین ایک چھوٹا سا مدرسہ صنعت وحرفت کھولا گیا۔
تین سال بیشتر مدرسہ صنعت وحرفت اورنگ آباد کی مزید ترقی کے لئے
حیدرآباد کا مدرسہ صنعت وحرفت توڑ دیا گیا اور اساتذہ اورنگ آباد مین
منتقل کر دئے گئے۔ اس کے ایک سال بعد بیدر اور نارائن پیٹ مین ایک ایک
چھوٹا مدرسہ (اعے) سالانہ کے مصارف سے بہ آمدنی لوکلفنڈ قائم کیا گیا
بیدر کے مدرسہ کے قیام مین نواب رفعت یار جنگ بہادر اول تعلقدار اور مدرسہ
نارائن پیٹہ کے اجرا مین ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب ناظم تعلیمات کی کوششون
کو خاص دخل ہے۔ ان مدرسہ کے علاوہ دوسرے تینون صنعتی مدارس کے قیام مین بھی
ڈاکٹر صاحب نے خاص حصہ لیا ہے اور یہ کہنا درست ہے سرکار عالی کے اعلی افسرون
مین وہی ایک ایسے بزرگ ہین جنکو خاص شغف اور دلچسپی احیاے مصنوعات اور
صنعتی تعلیم مین ہے اور اوسکے لئے کچھ نہ کچھ کام کرتے رہتے ہین۔ گو اونہون
نے بھی کما حقہ کوشش اور کام نہین کیا ہے۔ ان مدارس کے سالانہ مصارف
(معہ ۔۔۔) سالانہ ہین۔

ان مدارس مین سے مدرسہ اورنگ آباد مین متعدد فنون کی تعلیم دیجاتی
ہے۔ سناری کام۔ پارچہ بافی۔ لوہاری۔ نجاری۔ نقاشی۔ چرمی کام وغیرہ
سکھائے جاتے ہین علاوہ بر آن تعلیم عام بھی دیجاتی ہے۔ اس مدرسہ کو پانچ
سات سال بیشتر خاص فروغ حاصل ہوگیا تھا۔ یہان کے بنے ہوے اشیا نے
بعض نمائشون مین انعام بھی حاصل کیا تھا مگر چند ماہر فن اساتذہ کی وفات بوقت
مختلف وجوہ سے علیحدگی کے سبب حالت دن بدن ابتر ہونے لگی ہے۔
مدرسہ نظام آباد مین بھی متعدد فنون کی تعلیم دی جاتی ہے اس مدرسہ
کی حالت بھی اساتذہ ماہر فن کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اچھی نہین ہے۔
مدرسہ بیدر مین خصوصیت کے ساتھ بیدری برتنون کا کام سکھایا
جاتا ہے۔ اس صنعت مشہورہ مین اس قدر زوال آگیا تھا کہ اوس کے

لوگوں کی بصارت کا امتحان کرنا اور قبل از وقت اندھا بنا دینا سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔
(۳) از روئے قانون پاس شدہ انگلنڈ میں کل ماہران فن بصارت کے نام رجسٹر کر لئے گئے ہیں اور مصنوعی حکیموں کو جو بڑے بڑے سائن بورڈ ٹیشموں کی فروخت کیلئے لگائے ہوئے تھے روکدیا گیا ہے۔
(۴) ہاسپٹل کے غریب مریضوں کیلئے جیسا کہ انگلنڈ میں دستور ہے ایوڈوپ کی عینک دو روپیہ حالی کو دے سکتے ہیں یہ عینک اُن چشموں سے ہزار درجہ بہتر ہے جنکو گھڑی ساز مصنوعی حکیم بیچتے ہیں اور ہم اسبات کے بھی ذمہ دار ہیں اور گیارنٹی دیتے ہیں کہ اس عینک سے آنکھوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا ہے اور ہم بغیر کسی قسم کی اجرت کے آنکھوں کا امتحان کرتے ہیں۔ اور مصنوعی عینک سازوں کے چشمے لگائے ہوئے لوگوں کو موجودہ فن بصارت کے مطابق ہدایت بھی دیتے ہیں پردہ نشین مستورات کیلئے ہمارے یہاں ایک لیڈی بھی موجود ہے۔

نوٹ۔ اشتہارات کی بجائے رسالہ کو کوئی قیمت نہیں ہے۔ منیجر

بقیہ ریویو صفحہ ۳۲

گرم پانی۔ اور کھانے کا پلاؤ۔ یہ سب کچھ میں کہاں چھوڑ سکتی ہوں +

اُدھر نامی کو مایا دیوی کے کھلونوں سے دن بھر دل بہلانے کا موقع مل گیا ہے کو سجا سجایا کمرہ۔ لذیذ کھانے۔ باغ کی سیر۔ خدمت کے لئے نوکر چاکر۔ یہ سبھی باتیں اُسے میسر تھیں۔ رات کو سونے کے لئے بھی اُسے ایسا عمدہ بچھونا مل گیا۔ جسے اُس نے عمر بھر خواب میں نہ دیکھا ہوگا۔ لیکن ایک بات کی کمی تھی۔ اُسے رات کو اپنے کمرے میں اکیلا سونا پڑا۔ ایسی سنسان جگہ اُسے اپنے بھائی بہن یاد آئے۔ اندھیری رات میں اُسے تمام منظر ڈراؤنا معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے اُسے تنہا سونے کا کبھی موقع نہ ملا تھا۔ خوف کی وجہ سے اُسے رات بھر نیند نہ آئی۔ اب اُسے اپنے بھائی بہنوں اور آباد رونق والے گھر کی حقیقت معلوم ہوئی۔ وہ دل میں خیال کرتی تھی۔ کہ بھائی بہنوں اور کنبہ داری کی تکلیف کوئی ایسی ناقابل برداشت نہیں۔ اے کاش! میرے بھائی بہن بھی میرے ساتھ اس جگہ ہوتے +

جب نامی۔ اور مایا دیوی دونوں اپنے اپنے گھر کو لوٹیں تو انھوں نے شکر کیا نامی کا گھر اگرچہ نسبتاً گلی میں تھا۔ لیکن اب اُسے اپنے گھر کی قدر معلوم ہوگئی۔ مایا دیوی جسے اپنے گھر میں تھوڑی بہت تنہائی کی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اُس نے بھی معلوم کرلیا۔ کہ جو سکھ اپنے گھر میں اور اپنے ماں باپ کے زیر سایہ ملتا ہے ویسا سکھ اور کسی گھر میں نہیں مل سکتا +

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ دوسروں کے ماں باپ کیسے ہی اچھے کیوں نہ ہوں وہ ہمارے اپنے گھر اور ہمارے اپنے پیارے ماں باپ کے برابر کبھی نہیں ہوسکتے +"

یہ تمام حصے گوپال سنگھ صاحب۔ دفتر سنٹرل درکشاپ امرت سر کے پتہ سے۔ چار چار پانچ پانچ آنے میں دستیاب ہوسکتے ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت اچھا اور مرغوب ہے فقط

---

۶۰۰ سو

نسخے اب تک فروخت ہو چکے ہیں۔

سالنامہ صحیفہ جس کا حال اس کے پہلے نمبر کے ایڈیٹوریل میں مذکور ہے نہایت خوشنما اور مطلا جلد کے ساتھ ناظرین صحیفہ کو صرف ایک روپیہ میں مل سکتا ہے۔ تھوڑے سے نسخے رہ گئے ہیں۔ جلد منگوا لیجئے ورنہ ایسی مفید کتاب اتنی ارزاں نہ مل سکے گی علاوہ قانونی ضروریات کے عام معلومات کا نہایت مفید وسیع حصہ رکھا گیا ہے اور اس وقت تک بہت مقبول ہوا ہے اگر آپ اس کے مضامین کی فہرست دیکھنا چاہتے ہیں تو اطلاع دینے پر مفت ارسال کی جائیگی۔ ۲ ربابت محصول ڈاک

منیجر صحیفہ پریس

قواعد

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

۳۔ [illegible]

۴۔ [illegible]

۵۔ [illegible]

۶۔ [illegible]

۷۔ [illegible]

۸۔ [illegible]

۹۔ [illegible]